بیان

(ناول)

مشرف عالم ذوقی

اُس وقت جب تم اپنے گلاس میں اسکاچ اُنڈیلتے ہو،

یا کسی وِچ مارتے ہو

یا اپنی گھڑی دیکھتے ہو

جب تم اپنی ٹائی دُرست کر رہے ہو..... لوگ مر رہے ہیں

مضحکہ خیز ناموں والے شہر وں میں گولیوں سے چھلنی ہو رہے ہیں

شعلوں میں جھلس رہے ہیں

اور زیادہ تر نہیں جانتے ... کہ لوگ کیوں مر رہے ہیں

ان چھوٹی جگہوں پر جنہیں تم نہیں جانتے

لیکن وہ اتنی بڑی ہیں کہ انہیں پیچھے یا خدا حافظ کہنے کی

مُہلت بھی نہیں دی جاتی

.... لوگ مر رہے ہیں

لوگ مر رہے ہیں ... اُس وقت جب تم تغافل اور ضبطِ نفس وغیرہ

کے نئے پیغمبروں کا انتخاب کر رہے ہو

لوگ مر رہے ہیں

لوگ مر رہے ہیں ...

(A Tune for Bosnia جوزف براڈسکی)

بیان

(بالمکند شرما جوش مرنے سے پہلے بیان دینا چاہتے تھے)

مصنف:

مشرف عالم ذوقی

ناشر:

تخلیق کار پبلیشرز

۱۷۷۹، کوچہ دکھنی رائے، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲

نام کتاب : بیان

مصنف : مشرف عالم ذوقی

پتہ : آر-۱۰۱، تاج انکلیو، گیتا کالونی، دہلی، ۱۱۰۰۹۱

اشاعت : اُنیس سو پچانوے عیسوی (۱۹۹۵ء)

تعداد : ۶۰۰

قیمت : سو روپے Rs. 100/=

ناشر : انیس امروہوی

- تخلیق کار پبلیشرز، ۱۷۷۹، کوچہ دکھنی رائے، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲

سرورق : ساجدہ، عمل بشکریہ پریش مائتی

کتابت : عبدالحنان

مطبع : ثمر آفسیٹ پرنٹرس ۱۳۰۸، کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲

ملنے کے پتے:

- اہلووالیہ بک ڈپو، ۹۹۸۸/۴۹، نیو روہتک روڈ، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۵
- ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، گلی وکیل، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی، ۱۱۰۰۰۶
- موڈرن پبلیشنگ ہاؤس، ۹، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲
- مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، اردو بازار جامع مسجد دہلی، ۱۱۰۰۰۶

T.P. : 040
BAYAAN (NOVEL)
By MUSHARRAF ALAM ZAUQI
TAKHLEEQKAR PUBLISHERS
1779, Kucha Dakhni Rai,
Darya Ganj, New Delhi -110002

1995
Rs. 100.00

چھ دسمبر...

... کے نام

اِس ناول میں شائع تمام کرداروں کے نام، واقعات
اور مقامات فرضی ہیں، کسی بھی طرح کی مطابقت کے لیے
مصنّف یا ناشر ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

ورتمان[1]

[1] حال

ڈراؤنا خواب

(۱)

بالمکند شرما جوشش، باہر نکلے تو آنکھیں انگاروں جیسی لال ہو رہی تھیں۔ سر چکرا رہا تھا۔ گرنے گرنے کو ہوئے تو دروازہ اپنے کمزور ہاتھوں سے پکڑنا چاہا، مگر جیسے اندر کی قوت ہی جواب دے گئی تھی....

یہ سب....؟

آنکھوں کے آگے جیسے ہزاروں وحشی، قبائلی تانڈو کر رہے تھے..... مار ڈالیں گے تمہیں بھی مار ڈالیں گے.... سب کو مار ڈالیں گے.... مارو....

آنکھوں کی تکلیف تھی یا جانے کیا تھا کہ سب کچھ دھواں دھواں سا دکھ رہا تھا۔ جیسے وحشی ہو رہی عوام پر، بے قابو ہوتی ریلی پر، پولیس آنسو گیس کا استعمال کرتی ہے.... اسی طرح یہاں آنکھوں کے سامنے، سب کچھ اندھیرا اندھیرا سا ہے.... سامنے والا آدمی بھی..... بجلی کا کھمبا بھی....... یہ جہاں وہ کھڑے ہیں .... یہ دروازہ... سامنے کی سڑک .... وہ آنکھیں اٹھاتے ہیں.... اور آسمان .... دھواں دھواں ہوتے ہوئے سرخی مائل .... جیسے بیمار آدمی کو چکر آتے ہیں، اور بے ہوش ہونے سے پہلے کی سما ہوتی ہے.... سب کچھ سرخی مائل .... دھواں .... دھواں....

یہ سب ....

وہ سڑک کو غور سے گھورتے ہیں ... اتنی سنسان کیوں ہے؟ کوئی حادثہ ہو گیا ہے کیا .... تمام دکانیں بند کیوں ہیں .... اور یہ آسمان پر بجلی کا پڑ کیوں ناچ رہے ہیں ....

"جنگ ہوگی میاں، جنگ ہوگی ...."

وہ سب کچھ بھول کر آنکھوں کے پردے پر اچانک نمودار ہوئے، برکت بھائی کو دیکھتے ہیں ....

پھر جیسے سارا منظر صاف ہے۔

برکت بھائی پان بہت کھاتے ہیں اور پان کھاتے ہوئے لحاظ نہیں رکھتے کہ پان کا تھوک کہاں گرے گا۔ قمیص پر یا سفید دیوار پر، قمیض پر گرے تو چلو کوئی بات نہیں۔ گھر ہے، بچے ہیں، ڈرائی کلینرس کی دنیا بھر کی دکانیں ہیں۔ مگر دیواروں پر .... وہ بھی دوسروں کی دیواروں پر، دوسرا پتہ نہیں کیا سوچ لے .... یہی تو اچھا لگتا ہے، بڑھاپے میں .... بوڑھا آدمی عام احساس سے کٹ جاتا ہے۔ عیب جوئی اور بری سوچ سے، کوئی کیا کہے گا: کے کھٹکے سے ....

آخ تھوہ ....

پیک گھونٹتے نہیں .... تھوک دیتے ہیں۔ ... گردن ہلاتے ہیں۔ آنکھوں پر چڑھا چشمہ ہلتا ہے۔ ... ہلتی ہیں ان کی ڈھیر ساری چہرے کی جھریاں .... ہونٹ کے باہر بن بلائے مہمان کی طرح ٹپک گئے پان کے تھوک کو آرام سے اپنے سفید ہاتھوں سے پونچھ کر قمیض میں مل لیتے ہیں....

"جوش بھائی .... جنگ ہوگی .... دیکھ لینا جنگ ہوگی۔"

'تمہیں تو جب دیکھو، بس جنگ کی ہی سوجھتی ہے....'

'لو....'

برکت بھائی بچوں کی طرح انہیں دیکھ کر ہنستے ہیں.... اور کیا رہ گیا ہے جوش بھائی!

زندگی میں اب.. بس جنگ ہی تو ہے.... بچے کام دھندے سے فارغ ہو کر آتے ہیں تو جنگ کی باتیں، ریڈیو کو لگاؤ تو وہی چیختی چنگھاڑتی دل دہلا دینے والی خبریں، ٹی وی سنو تو وہی قصہ ـــــ ایک ہم تھے، ہمارا بھی زمانہ تھا۔ جوان تھے تو جوانوں جیسی باتیں کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ جنگ کا قصہ ہے تو بس جنگ کا قصہ ہے۔ اور بن گئے بوڑھے۔ منہ لٹکا لیا جوانی میں پوپلے ہو گئے۔ . . . چہرے پر سنجیدگی چڑھا لی۔ نہ کھانے کی فکر نہ پینے کی۔ بس فکر ہے اور گھلے جا رہے ہیں۔'

'وقت ہی خراب ہے۔'

'نہیں، وقت کو گالی مت دو جوش بھائی، ہم ہی خراب ہو گئے ہیں، ہم ہی۔ ایک دوسرے کے عیب ڈھونڈتے ہیں۔ سامنے سے آؤ تو گلے ملتے ہیں اور پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کو چھرا بھونکتے ہیں۔ ... بدل گیا ہے جوش بھائی ... سب کچھ بدل گیا ہے۔'

بالمکند شرما جوش، برکت بھائی کی آنکھوں میں جھانکتے ہیں.... مسکراتے ہیں۔

'سچ کہنا، تم بدل گئے ہو کیا؟'

'نہیں لیکن میرے نہیں بدلنے سے کیا ہوتا ہے۔ بچے بدل گئے ہیں، زمانہ بدل گیا ہے۔ ہماری تمہاری باتوں پر جینے والے اب کہاں رہ گئے ہیں۔ حکم دے کر تو دیکھو، بچے سُن لیں تو سو احسان سمجھو، نہ سنیں تو خیر مناؤ کہ اتنا مان دے رہے ہیں تم کو کہ قدم قدم پر ذلیل نہیں کر رہے ہیں۔ اور اپنے گھر میں رکھ رہے ہیں۔'

وہ گلا کھکھارتے ہیں۔

'برکت بھائی! اتنا بھی برا دور نہیں ہے، تم حالات کو کچھ زیادہ ہی لے رہے ہو۔ اور سب کی تھالی ایک جیسی تو نہیں ہوتی اور اپنی تھالی سے جگ کی تھالی کا موازنہ تو نہیں کیا جا سکتا۔'

'لو .... خوب نکالی تھالی کی مثال۔'

ہنستے ہیں برکت بھائی .... ابھی اینٹھو مت زیادہ جوش بھائی .... وہ دن

آئے گا۔ جب بازار میں مول کرنے جاؤ گے تو پوچھا جائے گا، کس کی تھالی چاہیے... ہندو کی تھالی .... یا مسلمان کی تھالی ....'

●●

آنکھوں کے آگے جیسے میزائلیں چمکنے لگیں... راکٹ لانچرس چھوٹنے لگے... یہ سڑک اتنی سنسان کیوں ہے.... کچھ ہو گیا ہے کیا... یاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں جوش بھائی .... سامنے کا پول .... سڑک .... اور آس پاس کی دکانیں.... دھواں دھواں ہوتے ہوئے بھی سب ایک عجیب سے بھیانک خطرے والی سناٹگی کا احساس دلا رہے ہیں۔

صبح سے لگاتار آسمان پر ہیلی کاپٹرس چکر لگا رہے ہیں... ویسے جیسے جنگ کے دنوں میں .... ابھی زیادہ دن تو نہیں بیتے... چاروں طرف سے جنگ کے سائرن بجتے سنائی دیتے تھے.... آنکھیں خبروں پر ٹکی ہوتی تھیں.... کان ریڈیو سے لگے ہوتے تھے.... خدارا.... اس بھیانک خواب کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ کب بند ہوگی یہ ہند و پاک کی جنگ ___ جب ہیلی کاپٹر اڑتے تھے تو لگتا تھا ایک خوف ناک چڑیا اپنے پروں کو پھیلائے اپنی چونچ میں کوئی خطرناک بم دبائے گھوم رہی ہے۔ پورے وجود میں سنسنی چھائی ہوئی تھی۔ اور سائرن کی خوفناک آوازیں.... لیکن تب تو جنگ کا سماں تھا... پورے ماحول نے جنگ کے اثرات قبول کر لئے تھے.... اور وہ صرف ایک ہی دعا کر رہے تھے، جنگ بند ہو... دلوں کے اندیشے بادلوں کی طرح چھٹ جائیں .... آنکھوں سے شک مٹ جائے .... فاصلے پھر قربتوں کو چھو لیں۔

تب سے آج تک زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا... مگر ماحول خراب ہی رہا.... ہند و پاک جنگ کی باتیں رہیں یا اپنی خانہ جنگی میں ملک جھولتا رہا...... یہ فساد ہے.... دنگا رہا.... یا آنکھوں میں سانپ کی طرح بیٹھا شک کہاں رہے وہی بر کستیا۔

رہے وہی بالمکند شرما جوش....

اور سب کچھ وہی رہا... وہی پڑوس کے لونڈے لپاڑوں کی بھیڑ، مشاعرے کی محفل.... ہوٹنگ .... کمرے میں ٹہل ٹہل کر مصرعے موزوں کرنا... ہر ماہ، ماہانہ نشست کا خیال کرتے ہوئے برجستہ اشعار کا لب پر آنا.... گنگنانا.... بچوں کا شک سے دیکھنا۔

اکیلے، تنہا کمرے میں خود کی چٹکی لے رہے ہوتے بالمکند شرما جوش،... میاں جوش.... کیا شاعری کرتے ہو تم.... ارے واہ .... واہ.... بچوں کو چھوڑو.... آج کے بچوں کی سمجھ ہی کتنی ہے.... مشاعرے میں داد تو ملتی ہے نا... ارے چھوکرے ہوٹنگ کرتے ہیں تو کیا.... سب اپنے بچے ہیں جوش میاں... داد دینے کے سب کے اپنے اپنے طریقے ہوتے ہیں .... پھر دیر تک کمرے میں لہک لہک کر شاعری ہوتی... ریک سے نکال نکال کر غالب و اقبال کے دیوان اُلٹے پلٹے جاتے ہوتے... اور کبھی کبھی تو مزے مزے کی بیوقوفیاں سرزد ہو جاتیں.... جیسے دیوانِ حافظ نکال کر، آنکھ بند کر کے شہادت کی انگلی کسی شعر پر رکھی جاتی، یہ دیکھنے کے لئے کہ مشاعرے میں غزل کی واہ واہی کی تعبیر نکلتی ہے یا نہیں.... اور تعبیر جب سمجھ میں نہیں آتی تو گول گپا، ہوپ' بن کر کمرے میں چپ چاپ بیٹھ جاتے جوش صاحب....

کوئی ملنے والا آتا تو پریشان ہو جاتا۔

"خدانخواستہ دشمنوں کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا جوش صاحب؟"

"ارے مارئیے دشمنوں کی طبیعت، کو میاں یہاں اپنی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔"

ملنے والا گھبرا جاتا .... "کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"اماں یار، شعر پر واہ واہی کی فال نہیں نکل رہی ہے، کب سے دیوانِ حافظ لیکر بیٹھا ہوا ہوں۔"

وہ خود بھی ہنستے اور ملنے والا تو اس بے ساختگی پر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا...'

آسمان پر کتنے ہیلی کاپٹرس چکر لگا چکے ہیں.... ایک .... دو.... تین ... کئی کئی ہیلی کاپٹرس .... ضرور بم برسائیں گے.... ان کا بس چلے تو.... زمین سے پتھر اٹھا اٹھا کر پتھراؤ کریں.... کمبخت .... دل دہلا دیتے ہیں یہ .... جانتے نہیں.... بوڑھے آدمیوں کا دل کتنا نازک ہوتا ہے.... سینکڑوں طرح کی دل کی بیماریاں ہوتی ہیں ....

وہ ٹھہرتے ہیں.... دھواں دھواں سرخی مائل مناظر، اب پولس کے سائرن میں بدل جاتے ہیں.... سامنے سے ایک دو نہیں .... چار پانچ پولیس کی جیپ تیز ہارن بجاتی ہوئی گزر گئی ہے.... جیسے بھونچال سا آگیا ہے.... میاں جوش کہاں جارہے ہو.... سڑکوں پر اب آدمی نہیں چلتے، پولس چلتی ہے، گولیاں چلتی ہیں.... میزائلیں چھوٹتی ہیں.... بم کے گولے چھوٹتے ہیں.... کلاشنکوف اور نئے نئے ماڈل کے جدید اسلحے شور کرتے ہیں .... وہ وقت دور نہیں جب ہم تم سب صرف گھروں میں بند رہیں گے.... وہ بھی اگر بچ گئے تو.... بم سے، آسمانی آفت سے، عذاب سے .... اور پولس کی گولیوں سے ....

"یہ کہاں جارہے ہیں آپ؟"

دروازے پر نریندر کھڑا ہے۔

"ہاں.... کہاں جارہا ہوں ...." وہ جیسے خود سے بڑبڑائے ....

"پتاجی .... یہ سمے تو گھر پر بیٹھ کر رام نام جپنے کا ہے.... اور آپ ...."

وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا قریب میں کھڑا ہو جاتا ہے.... ہاتھ تھامتا ہے.... "چلئے میرے ساتھ ...."

وہ جیسے خواب سے چونکتے ہیں.... اپنا لڑکھڑاتا جسم نریندر کے حوالے کر دیتے ہیں....

"چلو.... جہاں چاہے لے چلو.... اب ان میں جان ہی کتنی بچی ہے...."

سیڑھیوں تک آکر ٹھہر گئے بال مکند شرما جوشی۔ نریندر پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

"نریندر .... اب چھوڑ دو۔"

"چلئے نا بابوجی .... آپ کو اوپر کمرے تک چھوڑ دوں؟"

"نہیں۔"

وہ ایک پھیکی سی ہنسی ہنسے۔

"ضد مت کیجئے، آپ میں کمزوری آگئی ہے۔"

"ہاں بہت کمزور ہو گیا ہوں۔"

انہیں اپنی ہی آواز جیسے کسی تنگ و تاریک گہرے کنویں سے آتی معلوم ہوئی۔

"مگر نریندر، تم جاؤ، آرام کرو، مجھے چھوڑ دو۔"

نریندر سامنے آگیا۔

"آپ غلط سمجھتے ہیں ہمیں۔"

انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی....

"آپ ہمیشہ ہی غلط سمجھتے آئے ہیں...."

انہیں اپنی مسکراہٹ کسی بُری خبر کی طرح ٹوٹتی ہوئی لگی....

نریندر کی آواز بھرّا گئی ——

"ضد مت کیجئے۔ اوپر چھوڑ دیتا ہوں۔"

اس نے ہاتھ پکڑ لیا.... وہ دھیرے دھیرے سیڑھیوں کی بانہہ پکڑے اور نریندر کا ہاتھ تھامے اوپر بڑھتے رہے .... کیا سچ مچ اتنے کمزور ہو گئے ہیں وہ، اتنے کمزور کہ بغیر سہارے کے.... انہیں حیرت تھی .... لیکن اچانک .... ایک دم اچانک .... ابھی کچھ روز پہلے تک تو .... ایسا کچھ بھی نہ تھا.... ہٹے کٹے تھے وہ .... کسی کے محتاج نہیں .... جی چاہا تو خود چائے بھی گرم کر لی.... کون بہوؤں کو آواز لگانے جائے .... مگر اتنی نقاہت .... اس قدر کمزوری ....

کمرے میں داخل ہوئے تو جیسے دھول کا ایک طوفان سا باہر نکلتا دکھائی دیا۔

ان کا پورا چہرہ لت پت تھا.... کس سے؟ ڈھول سے.... لیکن ڈھول کہاں تھی....

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟" نریندر نے ٹوکا۔

"وہ.... ڈھول...."

"ڈھول...."

نریندر نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔"کیسی باتیں کر رہے ہیں باؤ جی.... ڈھول کہاں ہے.... اُوما تو دس بار آکر پوچھا لگاتی ہے.... خود سے۔ میں نے ہی کہہ رکھا ہے.... باؤ جی کا کمرہ گندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ آئی تھی نا اوما؟"

نریندر نے آنکھوں میں جھانکا....

"آئی ہوگی —— میں نے دیکھا نہیں ——"

"اپنی ہی آواز نہیں پہچان پائے، جوش صاحب"

نریندر کو باؤ جی کی بات بُری لگی....

"آپ تو پڑھتے لکھتے رہتے ہیں.... اپنے ہی میں مگن رہتے ہیں۔ آپ کو تو گھر کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہیں رہتا.... جیسے یہ کہ...."

اس نے شکوہ کے انداز میں کہا۔"آج مالو کا جنم دن تھا۔"

"مالو کا....؟" انہوں نے گلا کھنکھارا....

"ہاں مالو کا.... صبح سے چیخ رہی تھی.... ددّو کو مٹھائی کھلاؤ.... ددّو کو مٹھائی کھلاؤ.... ددّو بھی ہمیں انعام دیں گے...."

"میری طرف سے انعام دے دینا۔" جیب میں ہاتھ ڈال کر انہوں نے پچاس کا ایک مُڑا تُڑا نوٹ نکالا۔ نریندر کے ہاتھوں میں پھنسایا۔ زور دیا...."میری طرف سے۔"

نریندر کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔"آپ دیتے تو کتنی خوش ہو جاتی.... اوپر تو ڈر سے نہیں آتی۔ میں نے ہی منع کر رکھا ہے.... ددّو کی کتابیں پڑی ہوتی ہیں.... بچوں کی عادت تو آپ جانتے ہی ہیں.... کمرے میں آئے گی تو چھوئے گی چھائے گی.... ڈھکنے سے تھوڑے مانے گی —— آپ کا کیک بھی رکھا ہے۔ بھجواؤں....؟"

"خواہش نہیں ہے...."

بے دلی جیسے ایک بار پھر ان پر چھاتی چلی گئی۔

نریندر پھر بوجھل ہو گیا۔

"آپ کو تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا باؤ جی.... ہم ہی ہیں جو گھسے رہتے ہیں.... آپ کو تو ہم سے بات چیت کرنا تک پسند نہیں۔ ہم کوئی دشمن نہیں ہیں آپ کے...."

"میں ہی دشمن ہوں اپنا —— بوڑھا جیسے اپنی ہی ناراضگی کی سُوتی پر چڑھ گیا... میں ہی پاگل ہوں.... پاگل ہوں تو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ کیوں آتے ہو بار بار میرے پاس.... میرے پاس دھرا کیا ہے۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے.... آرام کیجئے آپ...."

نریندر تیزی سے لوٹ گیا....

وہ پیچھے مڑے، واپسی قدموں کو دیکھتے دیکھتے پتھرا گئے۔ کتنی جلدی وہ قدموں کو باہر لے گیا تھا۔ اندر کی نرم آواز اندر ہی رہ گئی.... سامنے آتے آتے ایک باپ کی آواز اندر ہی اندر مر گئی یا کھو گئی.... وہ روکنا چاہتے تھے.... نہیں روک سکے۔ وہ میٹھی بانی بولنا چاہتے تھے نہیں بول سکے.... آخر ایسا کیوں ہوتا ہے....

ہمیشہ....

بچے آتے ہیں، سنگ چاہتے ہیں مگر حاوی ہو جاتا ہے، ان کے اندر کا سنکی بوڑھا ناراض کر دیتا ہے انہیں۔ بچے بھی کیا کیا سوچتے ہوں گے.... مگر نہیں.... وہ چاہتے ہیں سب، جیسا سب باپ سوچتے ہیں اپنے بچوں کو لے کر۔ اپنے بچوں کے بارے میں۔ اُن کے مستقبل کی فکر کو لے کر۔

نریندر غصّے میں چلا گیا۔

بالکنی شرما جوش نے اٹھنا چاہا.... مگر اندر تک پھر ایک ٹھنڈی لہر اترتی چلی گئی.... نہیں جائیں گے.... بچے کون سا خیال رکھتے ہیں ان کا....

لیکن مالو کا جنم دن ہے.... مالو کتنا مانتی ہے۔ ہر سمے ددّو.... ددّو کہہ کر مچلتی

رہتی ہے.... اور مالو کے بھول .... مالو کے سوالات ....

"ددو آسمان میں اتنے تارے کہاں سے نکل آتے ہیں۔ ... چاند صبح میں کہاں چلا جاتا ہے ددو .... ہمارے اسکول کا مالی بتاتا ہے کہ سورج کا ایک بڑا سا گھر ہے .... جیسے ہم اسکول سے چھٹی پاکر گھر چلے جاتے ہیں، ویسے ہی سورج بھی شام کو اپنے گھر چلا جاتا ہے .... اور ددو ....

بالمکند جوش نے یاد کیا.... اور منہ کا مزہ کڑوی کسیلی گولیوں کی طرح تلخ ہوگیا۔

اس دن ایسے ہی مالو بے مطلب کے سوال کئے جا رہی تھی .... سوال کرتے کرتے ٹھہر گئی ....

"ایک بات پوچھوں ددو ...."

پہلے اس نے دھیان نہیں دیا۔

مالو پھر مسکرائی۔ "ایک بات پوچھوں ددو۔"

"پوچھو۔"

"آپ مسلمان ہیں کیا؟"

کتاب پڑھتے پڑھتے وہ ایسے چونکے جیسے کسی نے انجانے طور پر عقب سے حملہ کردیا ہو....

وہ غصے میں گھوم گئے ———

"کیوں؟"

"بس ایسے ہی۔"

انہوں نے کتاب سامنے رکھ دی.... دونوں ہاتھوں سے مالو کو تھام لیا۔ "بتاؤ تم نے یہ سوال کیوں پوچھا؟"

"بس ایسے ہی۔" مالو ڈر گئی۔

"نہیں، ایسے ہی نہیں۔"

انہوں نے چھوٹی سی مالو کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"آپ اُردو جو پڑھتے ہیں۔"

مالو معصومیت سے بولی۔ انہوں نے گھبرا کر مالو کو چھوڑ دیا۔ ہکا بکا اسے دیکھتے رہے۔ پھر زور زور سے ہنس پڑے....

"ٹھیک کہتی ہے رے.... مسلمان ہوں .... مسلمان کیسے ہوتے ہیں؟'

'ایک دم سے گندے۔"

ددو کھلے تو مالو ڈر بھول کر معصومیت کی رَو میں بہتی چلی گئی۔

"بُرے کیسے ہیں؟"

"وہ نہاتے نہیں ہیں نا، ماں کہتی ہے۔ اُن کے پڑوس میں ایک ولی بھائی رہتے تھے، وہ جاڑے میں مہینوں نہیں نہاتے تھے۔ گرمی میں بھی جب تک ان کے کپڑوں سے اور بدن سے بدبو نہیں اٹھنے لگتی تھی، نہاتے نہیں تھے۔ نہیں نہاتے تھے، تب گندے ہوئے نا۔"

"اور کیسے گندے ہیں؟"

"وہ گھر کو گندہ رکھتے ہیں .... جانوروں کو مارتے ہیں اور...."

"اور کیا؟"

"وہ بدمعاش ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات میں قتل کرنے سے نہیں چوکتے۔ جہاں زیادہ ہوتے ہیں، وہاں جانے کا نہیں ہوتا۔ نہیں تو تلوار دکھا کر بولتے ہیں، مسلمان بن جاؤ۔"

"اچھا.... یہ سب کہاں سے سیکھا۔"

"سیکھا کہاں سے۔ ڈیڈی بتاتے ہیں۔ کبھی کبھی ماں بولتی ہے، وہی سنتی ہوں ہوتے ہیں نا خراب؟"

مالو پیار سے، معصومیت سے اُن کی طرف دیکھتی ہے۔

بس، جیسے انتہا ہوجاتی ہے.... خود کو روکتے روکتے، اندر سے غصہ وہ لوڑھا غرانے لگتا ہے....

"بھاگ اپنے کمرے میں۔ اب آئی تو ٹانگ توڑ دوں گا۔"

وہ غصے میں مُکا نچاتے ہیں۔

مالو سسکیوں میں روتی ہوئی دروازے پر ٹھہرتی ہے....

"تم بہت بُرے ہو دِدّو۔ بہت بُرے۔ پہلے تو میٹھی میٹھی باتیں کر کے خود ہی روکتے ہو.... پھر ہاتھ اٹھاتے ہو.... ٹھینگا۔ نہیں آتی تمہارے پاس...."

وہ روتی سسکتی ہوئی ٹھینگا دکھا کر کمرے سے بھاگ جاتی ہے....

بالمکند شرما جوشش جیسے خواب و خیال کی دنیا سے اوندھے منہ گر کر واپس اپنی دنیا میں آجاتے ہیں.... کمرے میں اپنی میز پر نسوار تلاش کرتے ہیں.... نسوار کی ڈبیہ ملتی ہے تو ناک میں گھسیڑتے ہیں.... ایک ہلکی چھینک مارتے ہیں۔ اور اپنی دنیا کا تنہا باوا آدم بن جاتے ہیں....

مالو کا جنم دن ہے.... اور کمزوری ان کے پورے وجود پر غالب.... نریندر کہہ گیا ہے.... کیک رکھا ہے مالو نے ان کے لئے.... اچانک جیسے پوری نقاہت اڑن چھو.... سب جیسے دماغی تھکن ٹھہری.... ایک منٹ میں ٹھیک.... بچی ہے.... جو بڑے سکھائیں گے وہی تو سیکھے گی.... اس کی غلطی ہی کیا ہے.... بے چاری....

مالو.... رے مالو....

اُوپر سے آواز لگاتے ہیں.... آواز گھڑگھڑاتی ہے.... مالو.... رے.... مالو....

اب جیسے اندر کوئی چھوٹا سا بچہ اُتر رہا ہے.... بچہ شرارت کرنے کو بے چین.... مالو کو دیکھنے کو بے تاب....

مالو.... رے مالو....

وہ سیڑھیاں اترتے ہیں.... کہیں سے نقاہت نہیں.... ہاں، جیسے تھک گئے ہیں کافی مسلسل چلتے رہنے کے عمل کے بعد۔ بس....

اب نریندر کے کمرے میں ہیں وہ....

اوما مالو کے ساتھ بیڈ پر لیٹی ہے۔ مالو دِدّو کی آواز سن کر بستر سے کودتی ہے۔ اوما

آنچل برابر کرتی ہے.... آکر پیر چھوتی ہے....

"آپ نیچے کیوں آگئے باؤجی.... بلا لیتے۔"

"ارے اس کا جنم دن تھا۔"

چہکتا ہوا نریندر کمرے میں داخل ہوتا ہے۔

"بابوجی کو کیک کھلا مالو۔"

"ابھی آئی۔"

مالو بھاگ کر فرج کھول کر کیک لے آئی۔

"اتنا بڑا نہیں رے۔" انہوں نے ایک چھوٹا پیس اٹھایا۔ گود میں بھرنا چاہا.... بستر پر بیٹھ گئے۔

"جیتی رہ.... آباد رہ.... پڑھ لکھ کر...." وہ تھوڑا ٹھہرے.... جیسے نریندر سے آنکھیں چُرا رہے ہیں۔ "پڑھ لکھ کر سچ مچ کا پڑھا لکھا بن، پڑھ کر جاہل مت بننا۔"

"میرے پیسے دِدّو۔"

"وہ نریندر کو دے دیا ہے۔"

"کتنے؟"

"پورے پچاس روپے ہیں۔ تیری مٹھائی کے۔"

"دِدّو زندہ باد۔"

مالو خوشی سے اچھلتی ہے....

وہ جانا چاہتے ہیں تو اوما روک لیتی ہے۔

"باؤجی۔ چائے پی کر تو جائیے۔"

"نہیں.... اچھا نہیں۔" وہ زبردستی مسکراہٹ پیدا کرتے ہیں.... کیک کھا لیا نا، جیتی رہو بہو۔"

اوما پوچھتی ہے۔ "پان بھجوا دوں؟"

"نہیں۔ ابھی ہے۔ ضرورت پڑی تو پکار لوں گا۔"

نریندر اوما سے کہتا ہے 'خود ہی بنا کر باؤجی کے پن ڈبے میں رکھ دیا کرنا۔ ان کے پکارنے پر مت رہنا....'

••

کمرے میں آنے پر لگتا ہے کیا سچ مچ اُنکے آنے سے سب خوش ہو جاتے ہیں.... یا کوئی ناٹک ہے.... سب ناٹک میں مصروف۔ مگر ناٹک کیوں ہونے لگا۔ پوری زندگی کوئی ناٹک تو نہیں کر سکتا.... پھر.... سب ایسے بچھ جاتے ہیں کہ.... وہ کبھی کبھی شرمندہ ہو جاتے ہیں.... مگر ان کی خفگی، ناراضگی....،

سب نے اپنی اپنی دنیا بنا رکھی ہے..... اپنی دنیا جہاں سانپ پھپھکارتے ہیں.... جہاں گرگٹ ناچتے ہیں.... جہاں زخمی نیولے گھومتے ہیں.... جہاں چاروں طرف زہریلے بچھو ہیں....

یہی دنیائیں ہیں انکی.... مختصر سی دنیا....

بس اُنہیں اسی دنیا سے نفرت ہے....

(۲)

دروازہ کھلا ہے — یہ باہر کا مردانہ بیٹھکا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہ تڑ.... تڑاک اندر داخل ہو جائیں بالمکند شرما جوش.... آداب اور اخلاق کی موٹی موٹی، وزنی وزنی کتابیں جو بچپن سے تربیت کی نرم نرم پیٹھ پر باندھ دی گئی تھیں۔ وہ....؟

یہ نئے بچے تربیت کا پاٹھ کیا جانیں۔ آداب اور اخلاق کیا سمجھیں.... یہ نئے زمانے کے بچے ہیں.... نئے زمانے کے....

چودھری برکت حسین!

دروازے پر ٹھہر کر آواز لگاتے ہیں۔ بالمکند شرما جوش.... 'بھائی چودھری برکت حسین تشریف رکھتے ہیں؟'

اب وہ زمانہ کہاں.... نہ گھوڑے رہے نہ گھوڑے پالنے والے.... یہ

سب خاندانی لوگ ہیں.... لیکن اب وہ خاندانی لوگ رہے کہاں.... سب زرداروں کی قبیل کے ہیں تجارتی زبان سیکھ گئے۔ تجارتی زبان — کل کے تاجر بھی آداب اور اخلاق کا سبق سیکھے ہوئے تھے۔ زمانہ کتنا بدل گیا — بدلے ہوئے زمانہ سے نالاں ہوتے ہیں جوش صاحب....

صدر دروازے کے بعد صحن ہے۔ صحن کے دائیں جانب تھوڑی سی پھلواری۔ پھلواری کے اِدھر والے حصے میں بھی پہلے پھلواری ہی تھی.... اس طرح کہ اندر داخل ہوئیے تو بیچ کے دونوں طرف اودے اودے — کھلے ہوئے گلاب اور دیگر رنگ برنگے پھول آپ کا استقبال کریں گے مگر بُرا ہو زمانے کا۔ بچوں نے اپنے وقت کے سبق پڑھ لیے۔ اتنی زمین فالتو کیوں جائے۔ سو بائیں طرف والی زمین کی پھلواری ختم کر دی گئی۔ اور یہاں سے دو دکانیں نکال دی گئیں۔ دکانوں میں کرائے دار آ گئے۔ چودھری برکت حسین خفا تو ہوئے۔ تھوڑے دنوں تک ناراض بھی رہے، پھر وقت کی آواز سُن کر چُپ ہو گئے۔ یہی اُن کی مرضی۔

"خوشبو کے کیا کرنے ہیں ابا۔"

سب سے پہلے تنویر نے یہ آواز اٹھائی تھی۔ ان کا لڑکا۔ وہ یوں بھی اس ٹوٹتی، اجڑتی جاگیر کو لے کر نالاں رہتا تھا۔

تنویر کے بگڑنے کی صدا برکت بھائی نے جوش صاحب تک پہنچائی تھی....

"لو.... منا کی سُنو.... کہتا ہے.... خوشبو سونگھنے سے اللہ میاں پیسے تھوڑے ہی برسا دیں گے.... ارے پریکٹیکل بنئے ابا میاں پریکٹیکل۔ سب سے ضروری چیز آج کے زمانے میں پیسے کمانا ہے....'"

"سو وہ تو ہے...."

بالمکند جوش صاحب نے ٹھنڈا سانس بھرا....

وہ جیسے اپنی دنیا میں لوٹ آئے۔ اندر سے اب تک کوئی نہیں آیا تھا....

"ارے بھائی چودھری برکت حسین تشریف رکھتے ہیں۔"

"کون۔"

اندر سے غنودگی بھری آواز سُنائی دی.... آنکھیں ملتے برکت حسین باہر آئے۔ جوش صاحب کو دیکھا، باہنیں پھیلائیں۔ مسکراتے ہوئے اندر لائے

"زمانہ بدلا، تم نہیں بدلے جوش صاحب۔ ارے یہ تو مردانہ ڈیرا ہے، مردانہ۔ اس میں آنے میں کاہے کا شرمانا۔"

"نہیں بھائی۔ تم تو جانتے ہو۔"

"ہاں۔ جو ہم جانتے ہیں.... وہ یہ کیا جانیں گے.... آج کے لونڈے چھونڈے۔" برکت حسین نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ایک بات کہوں۔"

"یہاں کہنے سننے کو ہی تو اکٹھا ہوئے ہیں ہم۔"

"کبھی کبھی لگتا ہے میاں.... کیا ہم اور ہمارے بچوں کے درمیان سینکڑوں برسوں کا فاصلہ ہے کیا۔ سوچو اس پر۔ لگتا ہے نا۔ سینکڑوں کروڑوں برسوں کا فاصلہ۔ ہم اب گدھے معلوم ہوتے ہیں ان کے سامنے۔ گدھے...."

برکت حسین ہنستے ہیں۔

بالمکند شرما جوش ہنس نہیں پاتے۔ اُداس ہو جاتے ہیں۔

"بچوں اور ہماری بولیوں میں زمین آسمان کا فرق۔ ان کی ہماری تہذیب میں زمین آسمان کا فرق ہے.... ان کے ہمارے خیالات میں زمین آسمان کا فرق اور...."

"اُن کی ہماری تعلیم میں...." جوش صاحب جیب سے پن ڈبہ نکالتے ہیں۔ برکت حسین گاؤ تکیے کے پاس سے ہاتھ بڑھا کر چوکی کے نیچے سے چھپا تا اُگل دان نکال کر بڑھاتے ہیں۔

جوش مذاق کرتے ہیں۔

"آج اُگل دان نے کشتی لڑی ہے کیا۔"

"یہی سمجھ لو ---- مگر میاں جھوٹ بولوں تو زبان سیاہ پڑ جائے۔ اب یہ مت پوچھنا

کہ یہ گھر کے نوکروں کی صفائی ہے.... یہ میرے ہاتھ ہیں میاں، میرے ہاتھ...."

"کاش.... یہی کچھ سیکھا ہوتا زندگی میں۔"

جوش ہنستے ہیں.... ڈرائی کلینرس میں نوکری تو مل گئی ہوتی.... اور میاں ڈرائی کلینرس کی بھی بات جانیں آج کے لڑکے.... ہمارے وقت میں تو بس لے دے کر خاندانی دھوبی ہوتے تھے.... ادھر کپڑا لیا۔ دوسرے دن سج سجا کر حاضر۔ گھر میں داخل ہوئے تو باہر ہی چپل اُتار دئے.... جب تک کپڑے گنواتے رہے نظریں نیچی رہیں کپڑے لکھوا دئے تب بھی مؤدب ہو کر کہتے.... گن لیجیو جی.... اتنے کپڑے ہیں.... اب وہ زمانہ کہاں.... وہ خاندانی دھوبی بھی نہیں رہے۔"

"چھوڑو۔ شطرنج نکالو۔"

برکت حسین شطرنج نکالتے ہیں، مہرے پھیلاتے ہیں۔ مہرے سجاتے ہوئے بھی بولتے رہتے ہیں....

"لو.... اب یہ بھی سنو۔ بچوں کو ہمارا شطرنج کھیلنا بھی ناگوار لگتا ہے.... زیادہ دیر تک بیٹھ جاؤ تو ٹوکنے لگیں گے.... یہ کیا ابا کہ سارا دن بس شطرنج لے کر بیٹھ گئے.... اسی میں تو تباہ ہوئے مسلمان۔"

"چودھری، برکت حسین، تم سے کچھ الگ نہیں ہیں ہمارے بچے۔ ہمارے بچے بھی کچھ ایسا ہی سوچتے ہیں.... پیادہ چلو۔"

بالمکند شرما جوش کی آنکھیں بساط پر پھیل جاتی ہیں....

"یہ فیل چلا...."

چودھری برکت حسین نے پان چبایا۔ تھوک کو مسکراتے ہوئے دیوار پر پھینکا۔ سفید دیوار جا بجا پان کی پیک کی نقاشی سے چھن چھن کر رہی تھی....

"لو میاں.... وزیر، بچو...."

"وزیر تو سلامت رہے گا میاں۔ تم شہر بچاؤ۔"

بالمکند شرما جوش ہنسے....

"چائے منگواؤں؟" برکت حسین نے پوچھا۔

"رہنے دو۔"

"رہنے دوں؟"

"ہاں۔ اب چائے بھی مہنگی ہو گئی ہے۔"

"قیمت بڑھ گئی ہے؟"

برکت حسین نے اگالدان رہتے ہوئے پھر دیوار کی طرف تھوک اُچھالا۔

"نہیں میاں دِلوں سے ہماری عزت اتر گئی ہے۔ مشکل ہو گیا ہے چائے بنانا۔ اب سوچنا پڑتا ہے آواز لگاؤں یا نہیں ــــــ بچے بُرا تو نہیں مانیں گے کہ بڑھو خود کھیلتے رہیں گے اور چائے کے لئے پریشان ہمیں کریں گے۔"

"آخر اتنا کچھ ــــــ ہمارے اور ہمارے بچوں میں یہ زمین و آسمان کا فرق کہاں سے آگیا برکت حسین؟"

بساط سے اُٹھ کر آنکھیں، ایک دوسرے کی آنکھوں کی کشتیوں میں تیرتی اپلاتی ہیں۔ ہونٹوں پر لگے تھوک کو ہاتھ سے پونچھتے ہیں برکت حسین .... منہ ہلاتے ہیں ــــــ ہلتی ہیں جھریاں بھی.... دھیرے دھیرے مسکراتے ہیں۔ لیکن اس مسکراہٹ میں ایک عجیب سی سنجیدگی بھی شامل ہے....

"سب سنسکار کا فرق ہے.... ہم تھے تو سنسکار بھی تھے.... اور جب سنسکار سیکھتے تھے تو اونچ نیچ بھی سیکھتے تھے.... ادب اور تہذیب بھی سیکھتے تھے۔ نئے بچے اڑن کھٹولے پر سوار ہیں۔ نئی نئی چیزیں.... ریڈیو وغیرہ تو پرانے پڑ گئے میاں.... اب کیبل ہے، اسٹار ہے.... زی، ٹی وی ہے.... اے ٹی اِن ہے.... ہم تو بس بچوں سے سنتے رہتے ہیں.... پاپ میوزک ہے.... تم ہی کہو بالمکند، کل کو ہم گھر میں ذرا زور سے بول سکتے تھے، چیخ سکتے تھے، تہذیب کو بالائے طاق رکھ سکتے تھے.... تمہیں ایک واقعہ سناؤں.... ایک بار چھوٹا تھا۔ چھوٹا کیا عمر ہو گی سترہ اٹھارہ کی.... آج کے بچے تو اس عمر میں الف سے ی تک سب سیکھ جاتے ہیں۔ کیا نہیں جانتے۔ اور ہم.... گبدو

رہتے تھے.... بدھو.... بے وقوف.... ہم صرف پڑھنا جانتے تھے۔ نماز کا وقت ہو گیا تو وضو بناؤ۔ نماز میں دیر نہیں ہو۔ پڑھنے کا وقت ہوا تو پڑھنے بیٹھ جاؤ۔ ہر کام اصول سے ذمہ داری سے.... سترہ سال کی عمر کم نہیں ہوتی بالمکند۔ ابا نے بلایا تو سہمے سہمے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے.... جی ابا جان....

"ہوں"، ابا نے ہماری طرف دیکھا۔ اسکول پڑھائی کی خیر خبر دریافت کی۔ پھر پوچھا.... میاں برکت۔ ذرا وہ اشرف میاں کی دکان سے خرچے کی چیزیں لے آؤ گے۔

ہم تو بس نہال ہو اٹھے بالمکند میاں.... سترہ کی عمر ہو گئی تھی مگر بازار کیسا، سڑک کیسی بہت ہوا تو گھر سے اسکول۔ اسکول سے گھر۔ ابا کی بات سنی تو خوشی سے جھوم گئے، ابا نے کسی قابل تو سمجھا۔ خوشی سے بولے۔ لائیے ابا جان۔ حکم سر آنکھوں پر۔ ابھی لاتے ہیں۔ اور جانتے ہو پھر کیا ہوا۔ ابا جان غرائے۔ ایک ہاتھ پیٹھ پر دیا۔

چودھری برکت حسین پیٹھ کا درد محسوس کرتے ہیں۔ بالمکند جوش میاں.... اب بھی احساس کرتا ہوں تو وہ درد اپنی جگہ موجود ہے.... ابا غصائے تھے.... میاں میں نے تو محض تمہارا امتحان لیا تھا اور تمہاری مجال اتنی بڑھ گئی کہ باپ کے سامنے دکان جاکر سامان لانے کی باتیں کر رہے ہو.... نالائق.... نابنجار.... ناخلف....'

چودھری برکت حسین نے ٹھہاکا لگایا.... لو.... کیا زمانہ تھا میاں جوش۔ اب سوچو تو سینکڑوں برسوں کے فاصلے لگتے ہیں۔ لگتا ہے ست یگ کی باتیں ہیں.... آج کے بچے تو شیر ہیں.... کچھ بھی کریں۔ آپ باپ ہیں مگر بول نہیں سکتے.... سب سنسکار کی باتیں ہیں۔

"اب سنسکار ہی نہیں رہے۔"

بالمکند نے تھکی سانسیں چھوڑیں۔ آنکھیں شطرنج پر گڑائے ہوئے پیادہ ہاتھ میں لئے بڑبڑائے، اب سنسکار ہی اٹھ گئے.... اونچ نیچ.... چھوٹے بڑے کا لحاظ سب اٹھ گیا۔

اچانک مسکرائے.... زور سے آواز لگائی.... چودھری برکت حسین.... شہ بچو۔

چودھری برکت حسین کے چہرے پر تناؤ کا جال پھیل گیا....

"تو پھنس گیا۔ تم نے باتوں میں الجھا کر آخر مات دے ہی دی .... اب شہ کہاں بچوں .... چاروں طرف سے شہ کو تمہارے پیادوں نے گھیر رکھا ہے .... اب مات ہی مات ہے ہمارے لئے۔"

ہاتھوں سے پیادے گرا دئے۔ آواز لرز گئی۔

'تم کیا ہراؤ گے میاں۔ اب تو ہم لگاتار ہار رہے ہیں .... ہر محاذ پر .... ہمارے لئے ہاری ہار لکھا ہے۔'

انہوں نے کسی کو آواز دی تھی .... شاید چائے کے لئے۔

(۳)

رات ہو گئی ———

رات ہی سے تو نفرت ہے بالمکند شرما جوش کو .... رات، بھیانک رات .... ہر رات بھیانک ہوتی ہے .... آنکھیں بند ہوتی ہیں .... اور ایک جسم مشتعل، لاچار سا بستر پر پڑا ہوتا ہے .... کچھ کچھ مُردہ سا ——— دنیا و مافیہا سے بے خبر .... ممکن ہے تب خراٹے بھی بجتے ہوں .... یا چلتی ہوں سانسیں .... نتھنوں سے آواز اٹھتی ہو .... نیند، سکون اور بے نیازی، نیند کھلنے تک موت کا کفن پہنا دیتی ہے .... پہنے رہو .... اتار نا مت ——— نیند تو کبھی پسند نہیں رہی بالمکند شرما جوش کو .... وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے .... جو لاچار اور بیمار ہوتے ہیں، وہی سوتے ہیں .... میں کیوں سونے لگا بھلا .... سوؤں گا بھی تو انگلیوں پر گنے جانے والے چند گھنٹے۔

اور سچ ہے، زندگی برسوں سے اصول اور قاعدے کی اسی سیدھی لائن پر چلتی رہی ——— بچپن سے عادت بنالی تھی۔ پتاجی بازو والے کمرے میں سوتے تھے پتاجی کی بھی یہی عادت تھی۔ سونے کا نام نہیں۔ رات کے جس پہر بھی اٹھ لو .... ہاتھ میں

کتاب دبی ہے۔ گاؤ تکیہ سے لگے پڑے ہیں۔ سرہانے اگالدان پڑا ہے۔ پن ڈبے سے پان نکالتے ہیں پان تھوکتے ہیں۔ اور پھر کتاب پر نظر دوڑنے لگتی ہے۔ تب وہیں ادسارے کے پاس باتھ روم بنے تھے۔ آنگن میں چاپاکل تھا۔ رات میں باتھ روم جاتے وقت پتاجی کے کمرے سے ہوکر گزرنا پڑتا۔ جس کسی لمحے بھی باتھ روم جانے کی نوبت آتی، ابا کبھار اٹھتے ....

"بالمکند سوئے نہیں۔"

"سو گیا تھا۔"

"نیند نہیں آرہی ہے کیا؟"

پھر دبی دبی آواز۔ بلی بہت تنگ کرتی ہے۔" ذرا نعمت خانے کی کواڑ دیکھ لینا۔ ڈھک ڈھک کی آواز ہو رہی تھی۔"...

"جی، پتاجی۔"

گفتگو بند۔ ہاتھوں میں پھر سے کتاب آگئی۔ اور شروع ہو گئیں، دلچسپیاں سے بھری آنکھیں ...

●●

جانے کب بچپن کے انہیں تجربات و واقعات سے گزرتے ہوئے انہوں نے بھی یہی عادت ڈال لی ——— اس زمانے میں عام شریف گھرانوں کے بچے زیادہ تر گھروں میں قید رہتے تھے۔ ماں باپ کھیل کود اور بچوں کی دلچسپیوں کی چیزیں گھر میں ہی لے آتے تھے .... بچے گھر میں اچھلتے کودتے، کھیلتے۔ باہر نکلنے پر پابندی تھی ——— یہ سبق بار بار سکھایا جاتا کہ سڑک کے بچے آوارہ ہوتے ہیں، سڑک پر نہیں جانا چاہئے، سڑک کے بچوں کے ساتھ نہیں کھیلنا چاہیئے، زبان بگڑ جائے گی، ذہن خراب ہو جائے گا ———

تب یہی باتیں عام تھیں۔ اٹھنے بیٹھنے، سجنے سنورنے، ہر جگہ آداب کی پیروی کرنی پڑتی۔ کوئی قدم غلط اٹھتا تو فوراً روک ٹوک کرنے والے موجود ہوتے ....

"میاں، ہر قدم دیکھ بھال کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اندیشہ ہے کہیں ٹھوکر نہ کھا جاؤ۔" ٹھوکر کھانے کا خوف اس قدر تھا کہ گھر میں بھی، راستے میں کہیں کوئی روڑا، پتھر نظر آتا، تو حساس ہاتھ اسے فوراً آگے بڑھ کر ہٹا دیتے ——— تب پالکیوں کا رواج تھا۔ گھر کی

خواتین پالکیوں پر چلتیں۔

سب جیسے کل کی بات لگتی.... اور کل بہت زیادہ پرانا نہیں لگتا.... بس جیسے ابھی ابھی پاس سے گزرا ہے.... باہر ڈیوڑھی میں کہار کھڑے ہیں....

"ملکینی کب جائیں گی؟"

"ڈیڑھ بجے۔"

دوبارہ سوال نہیں پوچھا۔ بہت ہوا تو ادھر ادھر ہوئے ـــــ نہیں تو ڈیوڑھی سے باہر نکل کر سیڑھیوں پر رم گئے ـــــ کوئی گزرا تو باادب ہو گئے۔ ہاتھ پیشانی تک جا کر سلام بن جاتے۔

طور طریقے تھے ـــــ وقت کا خیال تھا ـــــ باہر جانا ہوتا تو گھر کے بڑے بوڑھوں کو بتایا جاتا۔ چودھری شرافت حسین کے یہاں سواری جا رہی ہے۔ رائے بہادر صاحب کے یہاں ـــــ گڑھی والے مان سنگھ کے یہاں.... پرانی حویلی والے نریش کمار سنہا جی کے یہاں.... یا پھر الطاف حسین کے گھر، چودھری برکت حسین کے ابا مرحوم۔

پالکی رکھائی۔ خواتین سوار ہوئیں۔ پردے برابر ہوئے۔ کہاروں نے اپنی اپنی جگہ سنبھالی.... ہاتھوں میں تھامے ڈنڈے پر وزن کیا.... اور یہ چلی پالکی۔

وقت نے کتنی جلدی سارے دستور ہی ختم کر دیئے۔ تب دیوانِ خاص اور دیوانِ عام کا رواج تھا۔ ہندو ہو یا مسلمان، تہذیب پر سب جان چھڑکتے تھے۔ مردانہ اور زنانہ ڈیرے الگ الگ ہوتے تھے۔ یہ نہیں کہ منہ گھسیڑا اور اندر باہر ایک کر لیا۔ زنانہ ڈیرے میں جانے کا مطلب ہوتا تھا کہ پہلے خبر کرواتے تھے۔ اندر سے اجازت ملتی تھی، تب مؤدب ہو کر اخلاق کے نمونے پیش کیے جاتے۔

وہ زمانہ ابھی ابھی آنکھوں کے سامنے سے گزرا لگتا ہے۔ خون اور خاندانی ہونے کے گیت گونجتے تھے۔ اگلی پچھلی پیڑھیوں کے کارنامے دیکھے جاتے ـــــ اور گھر کے بڑے بوڑھے تو ناک پر بال گرنے تک کو گوارہ نہیں کرتے۔

تب بچے گھروں میں قید رہتے تھے اور کتابیں پڑھتے تھے۔ لیکن انہی میں سے کچھ لوگ

کبھی بھی بغاوت کر جاتے تھے۔ بندشوں اور گھٹے گھٹے جسم کو جب اچانک آزادی نصیب ہوتی تو بہک جاتے، بے راہ رو ہو جاتے، گلی کوچوں کی خاک چھاننے لگتے۔ بالا خانے پر ادھر ادھر نظریں طواف کرنے لگتیں ـــــ کوٹھے کھلے تھے۔ طوائفوں کے رنگ تھے گانے بجانے ٹھٹھول تھے۔ پیسہ تھا، دولت کا خمار تھا۔ اور جوانی کی ادائیں تھیں۔ جو بہک جاتے، وہ بہکنے کو بھی خاندانی زیور کا ہی نام دیتے ـــــ مسلمانوں میں تو دو دو شادیوں کا عام رواج تھا۔ خود ہی الطاف حسین ـــــ پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی تو اسے گھر بٹھا دیا۔ دوسری لے آئے۔ تاعمر دونوں سے نبھایا۔ مگر حقیقت میں جس سے اولاد ہوئی وہاں چاہت بھی زیادہ ہوئی۔ اب اس چاہت پر مرد کا حق تو نہیں، بے بس اور مجبور ہوتا ہے مرد۔ کس پر لٹائے، کس پر کنجوسی کرے، کس سے نظریں ملیں، کس سے نظریں چھپیں۔

ـــــ دل لگا تو معاملہ قتل و غارت تک پہنچ گیا۔ تلواریں تک نکل گئیں ـــــ خاندانی دشمنی چھڑ گئی۔ اب الگ الگ خاندانی زنگ لگتی تلواروں کی دھار کھل رہی ہے لیکن سب کچھ مہذب طریقے سے ـــــ

مہذب؟

بالکل شرما جوشش خاندانی ڈور سے کچھ ایسے بندھے ہیں کہ انہیں سب صحیح صحیح نظر آتا ہے۔ غلط بھی صحیح۔ پرانے وقتوں کے لوگوں کی ساری ادائیں جائز لگتی ہیں۔

خود ان کے خاندان میں۔

پتا جی بتاتے ہیں۔ ان کے چچیرے بھائی تھے۔ انیرودھ شرما۔ جانے مانے۔ تھے بھی بڑے بانکے سجیلے۔ ہاں کچھ کرتے نہیں تھے۔ زمینداری پر ناز تھا۔ بیٹھک جمتا تھا۔ یار دوستوں کی بیٹھکی کھلتی تو.... اور بیٹھکی بھی آج کے چھوکروں جیسی نہیں۔ مہذب دائرے میں.... کسی کو اشارہ کرنا ہوا یا کسی کے حسن کی تعریف کرنی ہے تو وہ بھی شعر و شاعری اور خوب صورت زبان میں ـــــ اس وقت گھر کی بالائی منزل پر جوان مردوں کے جانے پر بھی پابندی تھی۔ عام خیال تھا کہ بالائی منزل پر عورتیں ہوتی ہیں۔ بے پردگی کا بڑا خیال تھا۔ ایک دن انیرودھ کوٹھے پر چڑھے تو محلے میں ہی ایک

بنیہار کے یہاں آنکھیں لڑگئیں۔ پھر کیا تھا، دل کی چوٹ کھا گئے۔ زندگی بدل گئی... بیٹھکے میں دل نہیں لگتا تھا۔ آنکھیں تھیں تو بام سے الجھی۔ ہوتے ہوتے داستانِ عشق کے چرچے محلے میں ہونے لگے۔ تب جا کر دادا جی کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچی۔ پہلے تو خاندانی خوف کا واسطہ دے کر سمجھایا گیا۔ انیردھ کے مزاج میں ذرا برابر بھی فرق نہیں آیا، تو دادا بزرگوار نے تلوار کھینچ لی۔ جان کے لالے پڑ گئے انیردھ کے۔ محلے کے بڑے بزرگوں نے سمجھایا کہ بچہ ہے۔ غلطی ہی کیا ہے اور پریم کا روگ کسے نہیں لگا۔ رشی منیوں سے لیکر پہنچے ہوئے سادھو فقیروں تک..... سب اسی روگ کا شکار ہوئے۔ بہت سمجھایا گیا تب جا کر دادا بزرگوار نے شمشیر کی نوک نیچے کی۔ غصے میں تھر تھر کانپتے رہے۔ پھر حکم صادر ہوا..... ناخلف ناہنجار کو کہہ دو۔ جب تک زندہ رہوں میرے سامنے نہ آئے۔

لوگوں نے لاکھ کہا سنا۔ معاف کر دیجئے، بچہ ہے۔ مگر اس حکم پر اڑ گئے دادا بزرگوار ـــــ منہ سے بات نکل گئی تو قانون کی طرح اٹل ہو گئی۔ اب چاہے جو ہو جائے جھکیں گے نہیں ـــــ کہتے ہیں چار پانچ دن اسی لگا چھپی میں گزرے۔ یعنی ایک تماشہ بن گیا۔ کھانا نکلا تھا۔ ابا بیٹھ گئے۔ انیردھ کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ابا کھاتے کھاتے اٹھ گئے۔ واپس لوٹ گئے ـــــ کمرے میں گھوم رہے ہیں۔ انیردھ کی جیسے بو بھی سونگھ لی تو اپنے کمرے میں گھس گئے۔

ایک سنجیدہ بات کو اچھے خاصے مذاق میں ڈھال دیا تھا لوگوں نے ـــــ لیکن زور سے بول نہیں سکتے تھے، ہنس نہیں سکتے تھے۔ معاملہ کتنا سنجیدہ ہے اس کا پتہ تو تب چلا جب بہت دیر ہو چکی تھی۔ . . . اور اس سے پہلے کہ دادا صاحب کا غصہ نرم ہوتا، انیردھ نے منہ سے نکلی بات کی لاج رکھ لی۔ ایک صبح وہ کمرے میں مردہ پایا گیا۔ اس نے سنکھیا کھا لی تھی۔

کہتے ہیں اس کے بعد وہ زیادہ دن تک نہیں جئے۔ بیٹے سے پیار تو تھا۔ کمرے میں چھپ چھپ کر روتے تھے مگر کسی کے سامنے اظہار کرنا نہیں چاہتے تھے بیٹے

کا جنازہ اٹھا تب بھی نہیں روئے۔ باہر دروازے پر لاٹھی ٹیکے شیروانی کرتا پائجامہ اور ٹوپی میں سر چھپائے مورت کی طرح کھڑے رہے ـــــ آنکھوں میں آنسو کا کوئی قطرہ نہیں، شمشان گئے ـــــ کریا کرم سب کچھ ہو گیا۔ لیکن آنکھوں سے ایک قطرہ نہیں بہا ـــــ ہاں بیٹے سے پیار اتنا تھا کہ گھنٹوں کمرے میں بند رہتے باہر نکلتے تو آنکھیں سوجی سوجی اور پھولی پھولی ملتیں۔

اور اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد دادا بزرگوار کے پنکھ بھی پکھیرو ہو گئے۔ انیردھ کا پیار انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔

تو ایسے ہوتے تھے اس وقت کے مہذب لوگ ـــــ تہذیب کسی بندوق کی گولی کی طرح پیدا ہوتے ہی جسم میں داغ دی جاتی تھی۔ بیٹا لاج رکھیو زندگی بھر آخر کس خاندان میں جنمے ہو....'

وقت کے ساتھ تہذیب کی تعریف بھی بدل گئی۔ نئے نئے فیشن، پاپ میوزک.... اٹھلاتی چلتی لڑکیاں.... اور لڑکے.... کہیں امید کا ایک ریلا سا بہتا ہے.... پھر اس امید کو مختلف تیز تیز دھارائیں بہائے جاتی ہیں.... ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں....

پھر وہی رات.... بھیانک....

کروٹیں بدلتے ہیں تو بدن کی ہڈیاں چٹخ جاتی ہیں.... آنکھ موندتے ہیں تو دنادن گولیاں چلنی شروع ہو جاتی ہیں.... گھبرا کر آنکھیں کھول دیتے ہیں۔

یہ سب....

یہ جنوں کا رقص، آنکھیں بند کرتے ہی یہ جنوں کا رقص کیسے اور کیوں شروع ہو جاتا ہے.... جیسے چاروں طرف سے حملہ آور تلواریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑے ہوں.... بچو گے نہیں بچو ـــــ اب تم بھی نہیں بچو گے.... اب تمہاری باری ہے....

"ہم پر؟"

"ہاں تم پر...."

جیسے دیواریں ہنستی ہیں....

رات کو، گونجنے والا چوکیدار کا گھنٹہ ہنستا ہے.... جاگ کے سوہو....

"لیکن ہم کیوں مارے جائیں گے؟"

اندر تک تیزابی ٹھنڈ تیر جاتی ہے....

"کیا اب بس یہی بچ گیا ہے؟ یہی ہونے کو؟ دنگے اور فساد کی ایک نئی کہانی دہرائی جائے گی.... ایک نئی کہانی.... شیعہ سنّی فساد.... ذات پات کے نام پر ہونے والے دنگے، ہندو مسلم دنگے.... سب پرانے پڑ گئے.... اب تلوار کی زد پر تم ہو...."

"وہ چیختے ہیں.... لیکن ہم کیوں ہیں؟"

"تم غلط کیوں سوچتے ہو؟"

"غلط؟"

"ہاں غلط — کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ غلط ہے۔ غلط سمجھو گے تو بس غلط ہی رہو گے۔"

"لیکن وہ پاپ کر رہے ہیں...."

آواز بھیگ جاتی ہے....

"چپ رہو۔ سمجھا کرو — وقت کی نزاکت بھی کوئی چیز ہے۔"

"لیکن یہ ہنسا تمک راستہ؟"

قہقہہ لگتا ہے.... "پاگل ہو۔ اپنی آزادی بھی نہیں چاہتے کیا؟ اپنی مکمل آزادی۔"

"تو کیا اب تک کی آزادی...."

قہقہہ پھر گونجتا ہے....

"پاگل۔ اس آزادی میں تمہارے لئے الگ سے تھا کیا؟ جیسی سب کی تھی ویسی تمہاری۔ کچھ فرق تو ہونا چاہئے تھا نا۔"

آواز اسے کھنگالتی ہے.... "دیکھو جو ہو رہا ہے سمجھو۔ اُسے غلط سمجھ کر آنکھوں میں کنکری مت بھرو — ورنہ تم بھی...."

آنکھوں میں دہشت سماتی ہے۔

چودھری برکت حسین آنکھوں میں جگہ گھیرتے ہیں....

اب تم بھی خطرے میں ہو بالمکند شرما جوش؛

"کیوں؟"

"تمہارے نام کے ساتھ 'جوش' لگا ہے.... آدھے مسلمان...."

وہ ہنسنا چاہتے ہیں....

"میاں ایسا ہوا تو اِزار بند کھول کر...."

چودھری برکت حسین زوردار قہقہہ لگاتے ہیں.... پھر قہقہہ لگاتے لگاتے ٹھہر جاتے ہیں.... بالمکند شرما چپ ہو گئے ہیں.... آنکھوں میں شاید بیتے اتہاس کے کانٹے چُبھ گئے ہیں...."

"کھولو گے تب بھی فرق نہیں پڑے گا انہیں۔" برکت حسین پن ڈبے سے پان نکالتے ہیں.... "تب بھی فرق نہیں پڑے گا جوش میاں.... کیوں کہ اب ہمارے بعد — تم ہو.... تم جیسے سیکولر سوچنے والے.... اب وہ چن چن کر تمہیں ختم کریں گے — تم جہاں کہیں بھی ہو گے، تمہیں تلاش کریں گے اور ختم کر دیں گے...."

●●

برکت حسین کسی چھلاوہ کی طرح اوجھل ہو گئے.... مہین آواز برابر گونج رہی ہے۔ کیونکہ اب ہمارے بعد زد میں تم ہو.... تم جیسے.... تم جہاں بھی.... ہو گے تمہیں ختم کریں گے۔

بھیانک رات.... جیسے چلتے چلتے ٹیپ پھنس گیا ہو.... کانوں کو زور سے بند کرتے ہیں بالمکند شرما جوش.... نیند نہیں آ رہی.... کم بخت نیند.... اول فول خیالات.... بچپن سے ڈالی گئی بُری عادت کا خمیازہ اب اس عمر میں بھگت رہے ہیں وہ....

ایک بار پھر آنکھیں بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ.... سو جاؤں تو تھوڑا آرام مل جائے.... بھاری طبیعت کو قرار مل جائے...... پیر ہاتھ کے جوڑوں میں درد ہے.... ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر کڑکڑاتے ہیں۔ پھر آنکھ بند کر لیتے

ہیں.... اور .... وہی چھوٹتی ہوئی گولیاں .... دھماکے .... بارود.... وہ بس ایک خواب دیکھتے ہیں اور ڈر جاتے ہیں۔ آنکھیں کھول دیتے ہیں.... وہ خواب دیکھتے ہیں کہ ایک ڈھانچہ ہے.... نہیں مسجد ہے.... ایک ڈھانچہ ہے.... نہیں.... وہ اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے.... لیکن کچھ لوگ.... نہیں ڈھیر سے لوگ .... نہیں.... اسکے لوگ.... خوفناک شکلوں والے.... مل کر توڑ رہے ہیں.... اور....

اِن میں، ان توڑنے والوں میں انیل اور نریندر بھی ہیں۔ اس کے بیٹے.... بس آنکھیں بند کرتے ہی پھر وہی خواب دیکھتے ہیں اور ڈر جاتے ہیں۔

OO

شہر آشوب

(۱)

محلّے میں تلاشی چل رہی تھی.... پولیس کے آدمی اچانک ہی گھر میں گھس جاتے اسلحوں کی چھان بین کے لئے پورے گھر کا نقشہ بدل دیا جاتا۔ اس کے تحت کتنی ہی گرفتاریاں عمل میں آرہی تھیں۔ جہاں سے اسلحہ برآمد ہوتے۔ پولیس وہاں کے مردوں کو کھینچتی ہوئی ۲۵ آرمز ایکٹ یا دفعہ ۱۸۸ کے تحت گرفتار کرلیتی۔

تلاشی کا سلسلہ اچانک شروع ہوا تھا۔ جب اڑتے اڑتے یہ خبر عام ہوئی تھی کہ محلّہ کھیم پور میں مسلمان بم بنا رہے ہیں۔ حالات پہلے ہی خراب تھے۔ اس افواہ سے فضا تھوڑی اور بوجھل ہوئی۔ بوجھل فضا میں تلاشی لینے کے واقعہ نے سنسنی پھیلادی۔

دو دن پہلے مین چوک پر توڑ پھوڑ ہوئی تھی۔ کہتے ہیں شاہی مسجد سے پتھراؤ بھی کئے گئے.... پولیس نے الگ الگ مورچہ سنبھالا تھا۔ کنٹرول روم سے فائرنگ کی خبر پاتے ہی دھڑا دھڑ پولیس گاڑیاں چوک کے آس پاس پہنچنے لگی تھیں۔ کسی آتنک وادی نے بم کا استعمال بھی کیا تھا۔ کانچ کے نوکیلے ٹکڑے زمین پر ادھر ادھر چھترا گئے تھے۔ حالات پر قابو پانے کے لئے پولیس کو آنسو گیس چھوڑنی پڑی اور ڈنڈے بھی برسانے پڑے۔

مسجد سے پتھراؤ ہوئے تھے، ایسا ایک پولیس انسپکٹر کا بیان تھا۔ مسجد میں

گھس کر پتھراؤ کرنے والے کو پکڑنا بھی چاہتا تھا۔ مگر ٹھیک اسی وقت وائرلیس سے میسج آیا تھا۔ ایسا بھول کر بھی مت کرنا۔ دنگے کی سمبھاؤنا بڑھ جائے گی۔ آس پاس کے مکانوں سے کافی دیر تک پتھراؤ چلتے رہے۔ مین چوک کے قریب کافی پتھر اکٹھا ہو گئے تھے۔ ہوا میں دھول گرد اور بارود کی مہک پھیل گئی تھی۔

اسے بڑے پیمانے پر ہونے والے دنگے ریہرسل کہنا مناسب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب یہ واقعہ شہر کے لئے کوئی نیا نہیں رہ گیا تھا۔۔۔۔ لوگ ویسے ہی ملتے تھے، باتیں کرتے تھے۔ باہر کی میز اور باہر کی دنیا میں لفظوں میں دوستی اور بھائی چارہ عام دنوں کے جیسا ہی بنا تھا۔ مگر حقیقت میں گھر کے دروازے تک قدم رکھنے کے بعد یہ دو چار دھارے تناؤ اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے میں بدل جاتے تھے۔ جن محلّوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی وہ علاقے پاکستانی علاقے قرار دئے جا رہے تھے۔ اور جہاں ہندو اکثریت میں تھے، وہ آر۔ ایس۔ ایس چھیتر گھوشت کر دیا گیا تھا ——— کہاں کون زیادہ سہما تھا، یہ کہنا مشکل تھا مگر شہر کے وہ محلّے، جہاں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، یا نہیں کے برابر تھی، ضرور ضرورت سے زیادہ سہمے ہوئے تھے۔ فضا خراب ہوتی تو اس طرح کے منظر بھی پاکستانی محلّوں میں عام ہو جاتے۔ مٹھری، گٹھر، اٹیچیاں اور بندھے سامانوں کے ساتھ ہانپتی کانپتی برقع اوڑھے مسلمان عورتیں، چھوٹے بچوں کا ہاتھ پکڑے یا اپنی جوان ہوتی بچی کو لپٹائے کسی گھر میں داخل ہو رہی ہیں۔ پھر سلامالیکم کی زوردار آواز کے ساتھ رونے، گلے ملنے اور سسکیوں کی تیز آواز بھی گونج جاتی۔۔۔۔ جو بھاگ کر، گھر بار چھوڑ کر پناہ لینے کے بہانے عزیز رشتہ داروں کے یہاں چھپتے، وہ اپنے ساتھ جھوٹی خبروں اور افواہوں کی گٹھریاں بھی لاتے۔

"فلاں مندر سے اعلان ہوا ہے، مسلمانوں کو نماز نہیں پڑھنے دیا جائے گا۔"

"جو مسلمان نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جائے، اسے مار دیا جائے۔"

"سالم پور سے چار نوجوان لڑکے غائب ہیں۔ چاروں مسلمان تھے۔"

"لاش ملی ؟"

"لاش ٹھکانے لگا دی ہوگی۔ رات ہو تو پولیس اور ہندوؤں کی دوستی دیکھنے میں آتی ہے۔"

"ارے سالم پور کیا، کئی محلوں سے مسلمان لڑکے غائب ہیں۔"

"شریف آباد میں ایک مسلمان چھوکری کا ایک پولیس والے نے ریپ کیا اور مار کر جھاڑی میں پھینک دیا۔"

ایسا نہیں ہے کہ افواہوں کی یہ گشت صرف پاکستانی علاقے میں ہی تھی۔ آر۔ ایس۔ ایس گھوشت کئے گئے چھیتر میں بھی افواہوں کے یہی تانے بانے تھے۔

"ملّے لڑکے انڈرویر میں بم چھپائے گھوم رہے ہیں۔"

"ایسے بھی سالوں کو بکرا کاٹنے کی پریکٹس ہوتی ہے۔"

"سر پہ چڑھ کر بولنے لگے ہیں حرامی۔ جہاں موقع لگتا ہے، مارنے سے نہیں چوکتے۔"

"اکبر پورہ میں دو ہندوؤں کو موت کے گھاٹ دیا۔"

"چمار ٹولی سے چماروں کی ایک لڑکی غائب ہے۔ کہتے ہیں عباس بھائی درزی والے کے لڑکے نچھو سے عشق چل رہا تھا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے، اس لئے اسے مار کر پھینک دیا۔"

●●

ایسا نہیں ہے کہ پولیس ان افواہوں سے انجان تھی۔ مگر افواہوں سے بچنے کا ہر اعلان خالی وار کی طرح بیکار جا رہا تھا۔ ایسے موقعوں پر افواہیں تو اڑتی ہی ہیں اور صرف اڑتی نہیں ہیں۔ بلکہ چنگاری میں بھس کا کام بھی کرتی ہیں۔ پولس کے لئے جان مال کی حفاظت کی طرح یہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ ان افواہوں کو روکنا اور افواہیں پھیلانے والے ویکتیوں کو حراست میں لینا ——— بنا وردی میں بھی پولیس کے جاسوس اِدھر اُدھر چھترائے ہوئے تھے۔ گلی کوچوں، محلّوں، چائے پان والوں .... پولیس کی الگ الگ چھوٹی بڑی ٹکریاں ادھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔ نکڑوں پر وائرلیس لئے سپاہی اپنے اپنے افسروں سے مشورہ کر رہے تھے۔ کنٹرول روم میں بیٹھے افسران بھی منٹ منٹ اور پل پل کی خبریں لے رہے تھے۔

شہر میں دہشت کا سماں تھا ——— لوگ خوف سے اپنے اپنے گھروں میں بند تھے

اور بی بی سی کی خبروں پر کان دھرے تھے۔ . . . پولیس کی جیپ مکان کے سامنے سے پاس کر جاتی تو بدن میں دہشت سی بھر جاتی۔ رواں کھڑا ہو جاتا۔

پتھراؤ کے بعد حالات اور بھی گمبھیر ہو گئے …. بھاگ دوڑ، افراتفری میں گرتے پڑتے لوگوں کی جماعت، جہاں موقع ملتا، دوڑ جاتی۔ جو نہیں دوڑ پاتے، پولیس کے جوان انہیں ڈنڈوں سے پیٹنے کے اشارے کرتے۔ چوڑی گلی ہوتی، یا سڈاسوں والی سنکری گلی ہوتی. . . . ادھر اُدھر بھاگتے لوگوں کو پولیس بے رحمی سے 'کھدیڑ' رہی تھی. . . .

پولیس فائرنگ سے ایک آدمی زخمی ہوا تھا ـــــــ زخمی کو فوراً ہی ایمبولنس میں کر کے اسپتال بھیج دیا گیا ـــــــ چوراہے پر ایک جگہ گول دائرے میں خون کے نشان جھلمل کر رہے تھے. . . . آگے دُور پر پولیس جیپ کھڑی تھی. . . .

بھگدڑ کیسے مچی؟

صاف صاف کسی کے پاس کوئی جواب نہیں۔ مگر کئی دنوں سے اس ریہرسل کے ہونے کی امید بندھ گئی تھی پچھلے ایک ماہ سے جمعہ میں ہونے والی نماز کا خیال کرتے ہوئے وردی دھاری پولیس ادھر ادھر مسجد کے آمنے سامنے کی دکانوں پر بیٹھ گئی تھی ـــــــ کرفیو لگنے کا بھی اندیشہ تھا۔ مگر تب تک کرفیو کی کوئی ایسی گھوشنا نہیں ہوئی تھی۔ ہاں جمعہ مسجدوں میں نماز کے لئے آنے والوں میں کمی ضرور آ گئی تھی ـــــــ سڑکوں پر پولیس گشت بڑھی تھی۔ شام ہوتے ہی دکانیں جلدی جلدی بند ہو جاتیں۔ آپس میں ٹینشن، تناؤ کا ماحول تو بن ہی گیا تھا اور اس پر افواہوں کا مایا جال۔ کل ملا کر دنگوں کی سمبھاؤنا تو بن ہی گئی تھی ـــــــ دیگر شہروں میں ہونے والے دنگوں سے بھی یہ شہر متاثر ہوتا۔ صبح کے سماچار میں دنگوں کی خبریں چھپتیں، تو سڑک چوراہوں، پان کی دکانوں پر زور زور سے اخبار سنا رہے لوگوں میں جوشش وجذبات اور غصے کا ملا جلا رنگ پایا جاتا۔ ایک دوسرے کے خلاف بڑھ چڑھ کر بولنے کی کارروائیاں شروع ہو جاتیں۔ کہیں گتھم گتھا کی نوبت آ جاتی۔ کہیں چھوٹا موٹا جھگڑا ہو جاتا، کہیں چاقو چلنے کی واردات ہو جاتی. . . .

شہر گرم تھا۔

اور اس طرح کی چھوٹی موٹی وارداتیں اسے مزید گرم رکھنے میں معاون ثابت ہو رہی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے تک کرفیو کی نوبت نہیں آئی تھی اور نہ ہی معاملہ اس طرح پولیس کے ہاتھ سے نکلا تھا۔

● ●

اس دن جمعہ تھا۔ اور جمعہ تھا یہی بڑی بات تھی۔ جمعہ کا مطلب مسلمانوں کا دن ہندوؤں نے اسے اس طرح بانٹا تھا۔ سات دنوں میں پانچ دن ہندوؤں کا۔ جمعہ جمعرات مسلمانوں کا ـــــــ جمعہ کا مطلب کرتا پائجامہ، جمعہ مطلب ٹوپیاں، جمعہ مطلب مسجدوں کی طرف بڑھتے ٹوپی پہنے قدم …. جمعہ مطلب مسجدوں کی طرف جانے والے راستوں میں ہلچل …. اور بدلتے وقت کے ساتھ جمعہ کا مطلب، تناؤ کی فضا، دہشت کا رنگ وحشت کی ترنگ اور ادھر اُدھر دکانوں اور سڑکوں پر پولس ٹکڑیوں کا جماوڑا ـــــــ پتھراؤ سے بچاؤ کے لئے کین کے بنے 'ہرڈل' لئے گھومتی وردی دھاری پولس …. اس دن جمعہ تھا اور پچھلے کئی جمعہ نے، اور چھٹ پٹ ہونے والے ریہرسلوں نے خطرے کے سائرن تو جانے کب کے بجا دئے تھے۔ لیکن لوگوں کی 'کھیج' اور غصہ اسی جمعہ پر اتریگا، یہ کس نے سوچا تھا ـــــــ جمعہ تھا اور ہندو مسلم افواہوں نے کتنے ہی مسلمانوں کو مسجد جانے سے روک لیا تھا۔ کلیم پور، بہشتی پورا، بہشتی ٹولہ، اکبر پورہ، دالان والی مسجد، محلّہ قریش اور دیگر محلوں میں پولس کی گشت صبح ہوتے ہی بڑھ گئی تھی۔

جمعہ نماز بعد مسجد سے لوٹتے نمازیوں میں سے کسی کی کسی سے کہا سنی ہو گئی۔ پھر اچانک سڑک پر مارو …. جانے نہ پائے اور بھاگو جیسی چیخیں اور بھاگم بھاگ شروع ہو گئی۔ گرتے پڑتے ادھر ادھر بھاگتے نمازیوں کے سر پر خطرے کی تلوار جھول گئی۔

کین کے ہرڈل لئے سپاہی بندوق اٹھائے حرکت میں آ گئے۔ بندوق کی نال ہوا میں اُٹھ گئی۔ بھگدڑ مچ گئی۔ شٹر جلدی جلدی گرنے لگے …. دھواں بارود فضا میں پھیلنے لگا …. پولیس کی ٹکڑیوں میں سول پولس کے سپاہی اور ہوم گارڈ فوراً حرکت میں آ گئے۔

پولس جیپ کے سائرن تیز ہو گئے۔ گاڑیاں اِدھر اُدھر گھومنے لگیں۔

کچھ جگہوں پر آگ لگنے جیسی وارداتیں بھی منٹوں میں ہو گئیں ...... دھواں اُٹھنے لگا ...... وسل دیتی پولس گاڑیاں اعلان کرتی سڑکوں سے گزرنے لگیں ـــــ دھواں سڑکوں سے ہوتا ہوا ہواؤں میں سلنے لگا۔ گھروں کی کھڑکیاں، دروازے جلدی جلدی بند ہونے لگے..... جن کی موٹر سائیکلیں تھیں وہ تیز تیز موٹر سائیکلیں بھگاتے ہوئے اپنے ٹھکانوں پر بھاگ رہے تھے۔

دو ایک جگہوں سے بم دغنے کی آواز بھی آئی۔ کچھ دیر تک فائرنگ کا سلسلہ بھی چلا۔ پولس میں بھی دہشت تھی۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ پولس کی حالیہ دنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ جو بھومیکا رہی ہے، اس سے مسلمان گٹوں میں ناراضگی بھری ہے۔ کچھ مسلمان' پولیس ٹکڑیوں پر حملہ کرنے کے پروگرام بنا رہے ہیں۔

سڑکوں پر بندوق اور وردی دھاری سینا کی ٹکڑیاں دیکھتے ہی دیکھتے چھا گئیں۔ مسجد کے پاس جب پولس پر پتھراؤ ہوا تو کچھ دیر کے لئے پولس والے بھی ڈر گئے۔ پھر وائرلیس پر میسج ملتے ہی اِدھر اُدھر دکان کی چھتوں پر، برجوں پر، گھروں پر چپکے سے گھس کر بالائی منزلوں پر چھپ کر بندوق تانے دنادن فائرنگ شروع کر دی۔ ... میسج میں وارننگ دی گئی تھی کہ نہ مسجد میں گھسا جائے اور نہ فائرنگ کا رخ مسجد کی طرف موڑا جائے۔ حالات سنگین ہیں ـــــ ضرورت پڑنے پر دھواں اور آنسو گیس کا ہی استعمال کیا جائے۔

آس پاس کے گھروں سے رونے، چیخنے چلانے اور الاپ کرنے کی آواز بھی اب بھگدڑ کا حصہ بن گئی تھی۔ ... پی۔ اے۔ سی اور پولس جوانوں کی بُوٹ سڑکوں کو روند ڈالے رہی تھی۔ اِدھر اُدھر پی۔ اے۔ سی کے جتھے چھتراہے ہوئے تھے۔ مسجد کے پاس آکر ایس پی کی جیپ رُکی۔ ایس۔ پی نے باہر آکر گلے میں لٹکے بھونپو سے مسجد میں چھپے لوگوں کو نکالنے کے لئے اعلان کیا۔ "جو گھر جانا چاہیں تو وہ بلا خوف نیچے آجائیں، ہم انہیں گھر تک چھوڑنے کی ذمہ داری لیتے ہیں...."

پہلے تو مسجد سے چپّی رہی، لیکن جب یہ اعلان دو تین بار گونجا تو پہلے ایک داڑھی

والا بوڑھا آدمی نکلا۔ اس کے چہرے پر دہشت سے ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ماتھے پر گٹھا پڑا تھا۔ ٹوپی سر سے اُتار کر اس نے ہاتھ میں پکڑ لی تھی۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"آجایئے۔"

ایس۔ پی نے اشارہ کیا تو وہ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا۔

بوڑھے کو دیکھتے ہوئے کچھ لوگ اور بھی اُتر آئے ـــــ ایس۔ پی نے اسی وقت باقی نمازیوں کو پولس جیپ میں اُن کے گھر بھجوا دیا۔

اسی بیچ شہر کے کئی علاقوں میں، بھڑکنے والے دنگوں کی خبریں بھی آگئیں چاقو، قتل' گولی مار کر ہتیا، اور کئی گروپوں میں جھڑپ کی وارداتیں بھی سامنے آگئیں۔

کچھ ہی دیر میں کرفیو کا اعلان کرتی جیپ سڑکوں سے گزرنے لگی۔ سڑک سنسان ہو گئی۔ ویران ہو گئی ـــــ پولس کی ٹکڑیاں بچ گئیں، پی۔ اے۔ سی کے جتھے رہ گئے۔ اور کین کے بنے ہرڈل لئے، بندوق سے لیس سپاہی رہ گئے۔ جن کے جوتے سناٹی سڑک پر بجتے ہوئے خوف اور آتنک پیدا کر رہے تھے۔

(۲)

برکت حسین عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کمرے میں آئے تو جمیلہ قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف تھیں۔ کمرے کی لائٹ تو جل رہی تھی لیکن اندر کچن، باتھ روم اور سارے کے پاس کی تمام روشنی گل تھی۔ برکت حسین کے قدموں کی چاپ نے جمیلہ کو مڑ کر دیکھنے کو تو مجبور کیا لیکن ایک سہی ہوئی نظر اُن پر ڈال کر وہ دوبارہ لرزتی آواز میں کلام پاک میں کھو گئیں۔

چارپائی پر شی سو رہی تھی۔ منّا یعنی ان کے لڑکے تنویر حسین کی بچی ـــــ تنویر حسین بڑے ہو گئے۔ شادی ہو گئی، بچے ہو گئے لیکن کل کے منّا اور آج کے منّا۔ نام اپنی جگہ بنا رہا۔

کتنی بار تنویر نے ابو کو منع کیا۔ ابو آپ سمجھتے نہیں۔ اچھا لگتا ہے کیا۔ دوست احباب آتے ہیں۔ برکت حسین مسکراتے، بھائی زبان کو کیسے سمجھاؤں۔ تنویر کہتے ہوئے لڑکھڑا جاتی ہے زبان۔ بچپن سے منا ہی بولتا آیا ہوں۔ سو منا ہی کہوں گا۔ اب چاہے تم ناراض ہو، تمہاری مرضی۔

منا بجلی آفس میں کلرک تھا۔ کلرکی سے خوش نہیں تھا۔ اس کے کئی دوست تجارت میں تھے۔ وہ بھی تجارت میں جانے کا خواہش مند تھا۔ لیکن چودھری برکت حسین کو گوارہ نہیں تھا۔ "نہیں میاں۔ اب اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہم کہ آٹے دال کی دکان کھول کے بیٹھ جائیں سرکاری نوکری کرتے ہو، دفتر جاتے ہو، شام کو گھر آتے ہو۔ یہ زیادہ ٹھیک ہے۔"

وقت کیسے بدل رہا ہے۔ زمانہ کتنا بدل گیا۔ اس کی پہلی تھاپ تو اس وقت ہتھوڑے کی طرح ان کے ذہن پر پڑی تھی۔ جب منا نے باہر کی بیکار پڑی زمین پر دکان اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ بپھر گئے تھے۔

"پاگل ہو گئے ہو باپ دادا کی جائیداد کو کوئی ایسے رسوا کرتا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح دکان کے لئے اٹھوا کر۔"

منا غصہ ہو گیا ——

"لوگ پاگل ہمیں کہتے ہیں ابا۔ اتنی سی زمین۔ چار پانچ دکانیں تو کہیں نہیں گئی ہیں۔"

"لیکن یہ جو پھلواری ہے۔"

برکت حسین کا دل پسیج گیا.... یہ خوبصورت پھول بوٹے.... بچپن کے دنوں میں یہیں تو کھیلتے کھیلتے بڑے ہوئے تھے۔ کرسیاں نکلتی تھیں۔ بیلا، چمیلی اور رات کی رانی کی خوشبو سے فضا معطر ہو جاتی۔ کبھی رات کے وقت ان میں جگنو بھی لہراتے، گپّیں ہوتیں، چائے پی جاتی.... وہ دن، وہ زمانہ....

مگر منا اڑ گیا ——

"پرکھوں نے دنیا داری بھی تھی کب ابا۔ سمجھتے تو طفیل ٹھال کے خالی یہ گھر نہ ہوتا۔ نام کے ہیں خاندانی ہم۔ گھر میں اناج نہیں ڈھکتا۔"

"یہ سب کسے سنا رہے ہو؟" وہ بگڑ کر بولے۔

"سناؤں گا کسے۔ اپنی قسمت کو کوستا ہوں۔ نشی بڑی ہو رہی ہے۔ اور آپ سمجھتے نہیں، و نشی ——"

ننھی منی دو برس کی نشی پر نظر مرکوز ہو گئی۔

منا غصے میں اٹھا۔ 'ایک تو لڑکی ہوئی۔ خرچے کا گھر —— بڑھتی خانہ داری اور مہنگائی۔ کیا کھائے کیا جمع کرے آدمی۔ آپ کو سوچنا چاہئے ابا۔ دو دکانیں بھی اٹھ گئیں، تو نشی کے جہیز کے واسطے بینک میں کچھ پیسے جمع ہو جائیں گے۔ کلرکی سے ملتا کیا ہے جو بڑا ہونے پر اس کے جہیز میں دوں گا —— دو دکانوں سے گھر کی رونق نہیں ختم ہو جائے گی۔ اور گھر میں ہے کیا۔ موٹی موٹی دیواریں، بے سلیقہ کمرے —— پرانے لوگوں کو کوئی شوق ہی نہیں تھا مکان بنانے کا۔ صرف کھانے پینے کا شوق تھا۔

چودھری برکت حسین نے دیوار پر پان کی پیک تھوکا۔ ناراض ہو گئے۔

"جو مرضی ہو کرو، لیکن خاندان کو مت کوسو۔ آبا و اجداد کو گالیاں مت سناؤ میاں۔ نصیبوں والوں کو ایسے خاندان ملتے ہیں۔"

"ہیں.... نصیبوں والوں کو...."

منا پھر بڑبڑایا۔ نشی رونے لگی تو شیم کو زور سے ڈانٹا۔

"چپ کراؤ بچی کو —— دیکھتی نہیں۔ بننے سنورنے سے فرصت نہیں ہے۔"

"لو۔ ابا کا غصہ اب ہم پر اتار رہے ہیں۔"

نشی پھر روئی۔

منا نے آگے بڑھ کر چھوٹی سی بچی کو کونچ کے اٹھایا، شیم کی گود میں لا پٹکا۔

"اسے چپ کراؤ۔"

شیم غصے میں نشی کو لے کر کمرے سے نکل گئی۔

برکت حسین خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ یا اللہ.... یہ کیسے بچے ہیں.... آداب.... تہذیب....

لیکن آداب اور تہذیب کسے سمجھاتے۔ خود کو ہی تسلی دیتے ہیں۔ نئے زمانے کے بچے زیادہ پریکٹیکل ہیں۔ ان سے زیادہ پیسوں کی قدر کرتے ہیں۔ دُور کی سوچتے ہیں۔ کل کی فکر کرتے ہیں۔ چلو۔ باہر دو دکان اٹھ ہی گئی تو کیا ہوگا۔ اٹھنے دو۔ نشی کی فکر ہے۔ ٹھیک ہی سوچا ہے بیچارہ۔ لڑکیوں کی کیا بُری گت ہو رہی ہے۔ کل تک کم از کم مسلمانوں کے یہاں یہ جہیز جیسی لعنت نہیں تھی۔ کم از کم ان کے جیسے لوگ تو کبھی دینے لینے کے بارے میں سوچتے بھی نہیں تھے۔ اب وقت ہے تو سوچنا پڑ رہا ہے۔ چلو میاں انسان کو ہر طرح کا وقت دیکھنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے ——

ہر طرح کا وقت —— اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے بچپن کی یاد کا وہ ٹکڑا آنکھوں کے سامنے سے گم کر دیا گیا۔ نہیں توڑ دیا گیا۔ مزدور لگ گئے۔ باہری صحن کا ایک حصّہ دکان کی نذر ہو گیا۔ مزدور کام کرتے رہے، وہ اندر کمرے میں دھمک سنتے رہے۔ باہر نکلنے کا جی نہیں کرتا۔ باہر آتے تو زبردستی اُمڈ آئے آنسوؤں کو روک —— نہیں پاتے۔ آنسو دابے پھر اپنے کمرے میں لَوٹ آتے.... دکان مفت میں ہی بن گئی۔ سڑک پر کا مکان —— آس پاس کے سارے مکانوں میں سے دکان کے حصّے نکل چکے تھے۔ صرف اُن کا مکان باقی تھا۔ جس پر وہ فخر کرتے تھے.... اتنا بڑا صحن اور بچپن کی یادیں ——

ایڈوانس رقم دینے کے لئے تو پہلے سے ہی دکاندار تیار تھے۔ اُدھر ابا راضی اِدھر منّا نے جھٹ ایڈوانس کی رقم قبول کر لی۔ مزدوروں کو بلا کر ہاتھ لگا دیا۔ دکانیں نکل آئیں....

—— چلو پیسوں کا ایک اور راستہ تو نکلا —— منّا خوش تھا ——

برکت حسین بھی منّا کی خوشی کے آگے جھک گئے۔

●●

جمیلہ نے کلامِ پاک بند کیا۔ آنکھوں سے چوما، جزدان میں رکھا اور پلٹ کر شمیم کی طرف دیکھا۔

"نشی سو گئی؟"

"ہاں امّاں ——"

جمیلہ بڑبڑائی سی، سہمی ہوئی باہر دروازے کو جھانک رہی تھی۔

جمیلہ نے پوچھا۔

"منّا آیا؟"

"نہیں ابھی تک نہیں آئے۔"

"ہائیں ——"

برکت حسین چونک گئے۔ "بہو، کہاں گیا ہے منّا۔"

"پتہ نہیں کہہ رہے تھے، یہیں پاس میں جا رہے ہیں۔"

"تم نے روکا نہیں؟"

شمیم کے آنسو، چو گئے۔ آواز بھرّا گئی۔

"روکتی کیسے نہیں۔ لیکن آپ کو تو معلوم ہے۔ وہ کسی کی سنتے کہاں ہیں۔"

جمیلہ غصّے میں بولی

"سنتے نہیں ہیں تو مت سُنیں۔ تم نے کیوں جانے دیا۔"

"لو امّاں بھی ہمیں کو ڈانٹنے لگیں۔" شمیم باضابطہ رونے لگی۔ "جیسے ہمارا ہی سب قصور ہے۔"

"رو مت بہو، رو مت...."

برکت حسین کمرے میں ٹہلنے لگے.... "پاگل لڑکا۔ بیوی بچے گھر پر ہیں۔ اُسے خود سمجھنا چاہیئے۔ شہر میں کرفیو لگا ہے۔ زمانہ خراب ——" وہ اچانک چونکے۔

"لیکن اس وقت کہاں گیا ہوگا۔ اور کیسے گیا ہوگا۔"

"کہہ رہے تھے۔ اُن کے پاس کرفیو کا پاس ہے۔"

"لو ان سے سُنو۔" جمیلہ منہ بسور کر بولی۔ "کرفیو کا پاس کیسے بنے گا۔ جیسے ہم ہی نہیں جانتے ہیں۔ ارے پولیس والے آسانی سے پاس کہاں بناتے ہیں۔ جس طرح کا

سوال پوچھتے ہیں۔ کہاں جانا ہے۔ کون مر گیا ہے، کون بیمار ہے۔ اتنی جرح کے بعد پاس بناتے ہیں۔"

"اب ہمیں کا معلوم اماں۔" شمیم کی پھر رُلائی چھوٹ گئی۔

"بہو اللہ اللہ کرو، رومت۔"

شمیم اور تیز رونے لگی "میری تو قسمت پھوٹ گئی۔ میری تو کوئی بات ہی نہیں ہے نہ کہنا، نہ سننا۔ ارے کوئی لائے ان کو.... پتہ نہیں کہاں گئے ہوں گے۔"

چودھری برکت حسین نے لہجہ سخت کیا۔ "بہو منحوسیت مت پھیلاؤ۔ سر پھرا لڑکا ہے۔ خیر خوبی سے آجائے گا۔"

چودھری برکت حسین آگے بڑھے .... دیوار پر کچھ پڑھتے ہوئے انگلی سے لکھنے لگے .... لکھ کر تالی بجائی۔ قدرے اطمینان سے شمیم کی طرف دیکھا۔

"اب اطمینان رکھو۔ منا کہیں بھی ہوگا، آجائے گا۔"

برکت حسین خود بھی مطمئن تھے۔ یہ بھی ابا سے سیکھا تھا۔ کوئی چیز گم ہوجائے، کوئی مصیبت میں پھنس جائے تو جھٹ دیوار پر انا للہ ... لکھ دو۔ مسافر جس کسی حالت میں ہوگا جہاں ہوگا، لوٹ آئے گا۔ اتنا اعتقاد تھا___ لیکن دل کا کیا ہو۔ دل کی گھبراہٹ جاری تھی۔ اس بیچ یہ ہوا، نشی رونے لگی۔ شمیم نے آگے بڑھ کر نشی کی پیشانی ٹھوکی.... سوجا.... سوجا.... بیٹا....

نشی چپ ہی نہیں ہو رہی تھی۔ نشی کو جھنجلا کر شمیم نے ایک چانٹا لگایا۔ "کم بخت بُرے وقت میں اور کام بڑھا دیتی ہے۔"

"بہو، بھوکی ہوگی۔ دودھ دانی تو اس کے منہ سے لگا دو۔"

"ارے ہاں۔" شمیم ایک دم سے چونکی۔ بغل میں پڑی دودھ دانی نشی کے منہ میں دے دی۔

دودھ کے بغیر بلکتی بچی نے منہ بچکا کر گردن ادھر اُدھر کی، پھر دودھ دانی کا نپل منہ میں داب لیا۔ اب اس کی رلائی بند ہوگئی تھی۔

"چپ ہوگئی کمبنی۔ پریشان کر دیتی ہے۔" شمیم غصہ ہوئی۔

برکت حسین کو ناگوار گزرا۔

"بہو۔ اچھے خاندان کی بہو بیٹیوں کے یہ طور طریقے نہیں ہوتے۔"

"کیا کروں ابا۔ جی پریشان ہے۔"

"پریشان جی پر قابو رکھو بہو۔"

"رات بہت ہوگئی ہے بہو۔"

جمیلہ کا دل بھی گھبرانے لگا تھا۔ "یا اللہ۔" وہ پھر بہو کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"ہمیشہ جھگڑتے رہتے ہو تم دونوں۔ کہیں چلا گیا ہوگا۔"

"پھر کہیں کوئی جھگڑا کیا، کیا؟"

"نہیں اماں، قرآن پاک اٹھوا لو۔"

"پاگل لڑکی۔" برکت حسین بگڑے۔ "یہ بات بات میں کلام پاک نکالنا۔ یہ طور طریقے تو ہمارے یہاں کبھی رہے نہیں بہو۔ اب .... یہ بھی ہوگا اس گھر میں۔"

"دیکھئے ابا___" شمیم بپھر کر بولی۔ "اس وقت میں بہت پریشان ہوں۔ زمانہ خراب اور وہ گھر میں نہیں ہیں۔ اس وقت مجھے کوئی نصیحت مت کیجئے۔ کچھ الٹا پلٹا منہ سے نکل آئے گا تو.... میں ہی بدنام ہوں گی کہ سسر ساس کے منہ لگتی ہے.... قسمت ہی پھوٹ گئی نگوڑی۔ شوہر ہے تو وہ بھی پوچھتا نہیں۔"

شمیم کے پاس آخری ہتھیار تھا۔ رونا .... وہ زور سے کلپنے لگی تھی۔

جمیلہ دھیرے دھیرے کچھ بڑبڑانے لگی۔ کچھ ایسی آواز میں جو صاف سنائی نہیں پڑ رہی تھی۔

چودھری برکت حسین انتشار اور غصہ کے عالم میں باہر نکل آئے۔ کم از کم بہو کی باتیں تو نہیں سننی پڑیں گی۔ دروازہ بند تھا۔ کرفیو کے بعد کا سناٹا کتنا ظالم ہوتا ہے.... جیسے ہوائیں مقتل گاہ میں شور کر رہی ہیں.... جیسے کسی قبرستان کا ہولناک سناٹا ہو.... چمگادڑیں اور سوروں کی منحوس آوازیں گونج رہی ہیں.... شاخوں سے الو بول

رہے ہوں.... درخت ہلتے ہوں اور ایک وحشت ناک سناٹا۔ اندر تک تیزاب الٹ دیتی ہو....

خواہش ہوئی دروازہ کھولیں....

"منا نہیں آیا، کیوں نہیں آیا؟"

ہاتھ کنڈے تک بڑھے۔ پھر واپس لوٹ آئے....

"کہاں گیا ہوگا کم بخت.....؟"

وہ خود سے بڑبڑائے۔ الٹی کھوپڑی کا ہے کم بخت۔ یہ آج کے بچے۔ نہ کہنا نہ سننا۔ ماں باپ کو تو حقیر نظروں سے دیکھتے ہیں۔ جیسے ماں باپ کچھ ہوں ہی نہیں۔ مگر منا.... دھیرے سے کواڑ کی کنڈی تک پہنچتے ہیں۔ کنڈی نیچے گرتی ہے تو گھڑ.... کی آواز شور بن کر دل میں چبھ جاتی ہے۔

دروازہ اور ان سے دو قدم پیچھے جمیلہ کھڑی ہے۔

"یہ کہاں جارہے ہیں؟"

"باہر"

"دماغ خراب تو نہیں ہوگیا۔ پہلے لڑکا گیا اور اب آپ...."

وہ غصہ ہوئے، "کہیں نہیں جارہا ہوں۔ بس دل گھبرا رہا ہے۔"

"دل گھبرا رہا ہے تو اندر بیٹھئے۔ دعا دعا کیجئے۔"

"کہاں گیا ہوگا؟"

"خدا معلوم۔"

"تمہیں بھی بتا کر نہیں گیا۔"

"ارے پاگل ہوں میں جو بتا کر گیا ہوتا تو آپ کو نہیں بتاتی۔ اچھا، کمرے میں آجائیے۔ چائے کی طلب ہو تو کہئے۔"

"نہیں۔"

"تو پھر دروازہ بند کیجئے۔ آجائیے اندر۔" اس بار جمیلہ چیخ کر بولی۔

وہ مڑے ——— دماغ مت چاٹو ——— شاید آرہا ہو، دور سے اس کے قدموں کی چاپ ہو....

"ہونہہ، تو پھر باہر ہی پریشان ہوجیے۔"

جمیلہ واپس مڑ گئی۔

ایک منٹ وہ منجمد کھڑے رہے۔ مگر داد دیتے تھے جمیلہ کے صبر و سکون کی۔ منہ کی تیز ہے۔ لیکن پیدائشی صابر عورت ہے۔ ایسی عورتیں دنیاوی معاملات اپنے ساتھ نہیں رکھتیں۔ سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتی ہیں۔ جیسی اللہ کی مرضی۔ پریشان ضرور ہے جمیلہ لیکن دل ہی دل میں اللہ سے دعا کر رہی ہوگی، بچے کی سلامتی کے لئے۔ خیر خوبی سے واپس آنے کے لئے....

کنڈی کھسکا کر تھوڑا سا کواڑ کھولتے ہیں۔ پھر تھم جاتے ہیں.... وہی قبرستان جیسی خاموشی۔ سنسان سڑک۔ مردے لوٹتے ہوئے۔ دھڑ سے دروازہ بند کیا۔

واپس کمرے میں آئے تو جمیلہ خود ہی چائے بنا کر لا چکی تھی۔

"لو چائے پیو۔"

اتنا کہہ کر وہ تسبیح لے کر بیٹھ گئی۔ چائے کی گھونٹ لیتے ہوئے وہ جمیلہ کو دیکھ رہے ہیں.... وہ اپنی دعاؤں میں گم ہے.... ہونٹ چل رہے ہیں، ہاتھ تسبیح کے دانوں پر گھوم رہے ہیں۔

● ●

دو دن پہلے ———

منا کی بجلی آفس میں لڑائی ہوگئی تھی۔ اس دن وہ بل جمع ہونے والی کھڑکی پر تھا۔ لوگوں سے ہونے والی ماتھا پچی سے گرم تھا کہ ایک دیہاتی کا نمبر آیا۔

دیہاتی نے غصے میں بل دکھایا۔ چیخ کر بولا۔

"ہمکا پاگل سمجھو ہو کا کہ ای دو دی مہینے کا پانچ ہزار کا بل بھیج دیہو۔ دیماگ تو تہرا ٹھیک ہے۔"

"ابے، تمیز سے بات کر۔"

"لو۔ اِن کا سُنو، اب ای، تمیج سکھات ہیں ہم کو۔" دیہاتی تاؤ کھا گیا۔

قطار لمبی تھی۔ منا نرمی سے بولا۔

"وہ سپرنٹنڈنٹ صاحب بیٹھے ہیں۔ جو پوچھنا ہے ان سے پوچھو۔"

"کاہے۔ ہم تو را اُور سے ہی کہیں گے۔ آپ کھڑکی پر بیٹھے ہو۔"

منا گرم ہو گیا۔ وہ کرسی سے اٹھا، دیہاتی پر برس پڑا۔

"جانے کہاں کہاں سے چلے آتے ہیں صبح سویرے۔ کام کسی کا لے آتے ہیں کسی کے پاس۔ میرا بھیجا مت چاٹو۔ وہاں سپرنٹنڈنٹ صاحب بیٹھے ہیں۔ انہی کا چاٹو۔ اب نکلو یہاں سے۔ ورنہ"

اس کے منہ سے ایک غلط جملہ نکل گیا۔ 'باہر نکل آیا تو پھیکوا دوں گا سڑک پر،'

"کیا کہا۔!"

دیہاتی غصے میں چڑھ دوڑا، آستین برابر کی۔ ہاتھ نچا کر ایسے دوڑا جیسے درمیان میں کھڑکی کے رڈ نہ لگے ہوتے تو جان ہی لے لیتا....

"توری ای مجال میاں جی۔ ابھی بتاتے ہیں۔"

وہ تو خیر ہو دوسرے لوگوں نے بیچ بچاؤ کیا۔ اور دیہاتی کو سمجھا بجھا کر سپرنٹنڈنٹ کے پاس لے گئے۔ مگر منا کا دماغ بھک سے تھا۔ میاں جی۔ دیہاتی کے منہ سے نکلے اس لفظ میں وہ اپنے لئے صرف گندگی ہی گندگی دیکھ رہا تھا۔

●●

اس دن آفس سے لوٹا تو منہ پھولا ہوا تھا۔

برکت حسین نے پوچھا تو ساری رام کہانی سنا دی۔ پھر چڑھ کر بولا۔

"سالے، یہ ذرا سی بات پر میاں اور مسلمان نکالنے لگتے ہیں۔ دو کوڑی کے سالے۔ ہم سے مقابلہ کرتے ہیں۔ یہاں اب رہنے کا نہیں ہے ابا" وہ تاؤ کھا رہا تھا۔ خدا معلوم۔ آپ لوگوں کو کیا سوجھی کہ یہاں رہ گئے۔ پاکستان کیوں نہیں چلے گئے۔ اتنی بے عزتی تو نہیں سہنی پڑتی؛ بول بلا کر وہ چپ ہو گیا۔ مگر برکت حسین کو لگا، انہیں سمجھانا چاہیئے تھا۔ بے عزتی

کون کہاں سہہ رہا ہے۔ اس پر گفتگو کرنی چاہیئے تھی۔ یہ بچے ذرا دیر میں کیسے ہو جاتے ہیں۔ منہ سوج جاتا ہے، منہ سے نازیبا کلمات نکل جاتے ہیں.... گالیاں تک دے جاتے ہیں....'

برکت حسین کو یاد آیا۔ رات میں کھاتے وقت بھی منا غصے سے بولا تھا۔

"آپ ہی لوگ کھیر کھا کر نرم ہو کر گھر میں بیٹھ رہئے ابا۔ ہم کاہے بیٹھیں گے۔ ہم کسی سے کم ہیں کیا؟ ہم کو غیرت نہیں ہے۔ وہ جو چاہے بول دیں، گالیاں دے دیں۔ ارے ہم کو گالی دے دیں، سو جوتے مار لیں، سہہ جائیں گے۔ مگر مذہب کو۔ نا۔ کمینوں کا حوصلہ بڑھتا رہے گا۔ اب چوڑی پہن کر گھر میں ڈھکے رہنے کا وقت نہیں ہے ابا—— میں تو صاف لڑائی کر لیتا ہوں۔ کوئی بولے نہ میرے سامنے۔ ذرا بول کر دیکھے۔"

"کیوں لڑائی کرتا ہے، کیا فائدہ؟"

"فائدہ وائدہ میں نہیں جانتا ابا۔ آخر ان کا کیا فائدہ ہے کہ وہ ہمارے خلاف بولتے ہیں۔ کیا ان کے بولنے سے مسلمان چلے جائیں گے، اس ملک سے۔"

وہ چپ ہو گئے۔ لگا، ماحول کے زہر نے ایک آگ منا کے اندر بھی بھر دی ہے۔ اور وہ واقعات کی سرپھری ہوا کا مقابلہ کرتے ہوئے زہریلا ہو گیا ہے۔ زہریلے بھبکے ہی چھوڑتا ہے وہ مدتوں سے، برسوں سے، یہی سب دیکھتے ہوئے بڑا ہوا ہے.... اور اب دیکھنے اور برداشت کرنے کی حد سے باہر نکل کر خطرناک ہو چکا ہے....

اُن کا جی چاہا، وہ منا کو سمجھائیں۔ اسے آنے والے خطرے سے آگاہ کریں۔ تب ہی نشی چیخ دیتی ہے۔ وہ نشی کو دیکھتے ہیں.... ایک نسل اور بڑی ہو رہی ہے.... اسی دنگے اور فساد کی فضا میں.... اسی خونی تانڈو میں.... اسی تناؤ اور وحشت کے رقص کے درمیان.... اسی مذہبی خلفشار میں.... یہ بچے ابھی سے کرفیو دیکھ رہے ہیں.... آسمان پر پھیلتا دھواں دیکھ رہے ہیں.... کمرے میں پھیلی گھٹن دیکھ رہے ہیں.... وہ منا سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، مگر لب گونگے ہیں.... آواز ہونٹوں تک آکر ٹھہر جاتی ہے.... برف بن جاتی ہے....

وہ صرف سہم جاتے ہیں کہ اس عمر میں وہ صرف سہم ہی سکتے ہیں۔ وہ جنہیں گرکے کل کا اتہاس بننے میں ابھی بہت دیر باقی نہیں ہے۔

••

منا نہیں آیا۔

رات دھیرے دھیرے سرک رہی ہے ....

روتی بسورتی شیم کے رخسار کے آس پاس کتنے ہی بے چین آنسو کی ! ذریں جم گئی ہیں....

برکت حسین خوف میں نہا گئے .... کہیں منا نے کوئی غلط حرکت تو نہیں کر دی .... کہیں کچھ ہو تو نہیں گیا؟

کچھ غلط؟ ....

کوئی حادثہ ....؟

دل رہ رہ کر دھک دھک کر رہا ہے ....

شیم کا رونا بند ہے .... بچی کے پاس پلنگ سے ٹیک لگائے ہے .... شاید آنکھوں میں نیند اتر رہی ہے ....

جمیلہ اور ان کی آنکھیں ملتی ہیں تو وہ جمیلہ کی آنکھوں میں بھی اب صاف صاف ظاہر ہو رہے خطرے کے نشان دیکھتے ہیں ....

رات دھیرے دھیرے سرک رہی ہے ....

پو پھٹ گئی۔

مرغ نے بانگ دیا۔

مگر منا نہیں آیا۔

گھر میں جیسے ماتم کی فضا تھی۔ جمیلہ کا صبر بھی رات کے ڈھلنے کے ساتھ دم توڑ گیا تھا۔

••

(۴)

نیل کنٹھ ــــ عمر ۳۵ سال ــــ گھنی گھنی مونچھیں، پسندیدہ لباس۔ سفید کرتا پائجامہ بنڈی ــــ ایک جیپ ہے جسے ہمیشہ ساتھ لے کر گھومتا رہتا ہے۔ کچھ دور سے جاننے والے نیتا جی کہتے ہیں۔ یار دوست نیل کنٹھ ہی کہتے ہیں۔ یاروں کا یار ہے۔ پان خوب کھاتا ہے۔ باتیں مزے مزے کی کرتا ہے۔ منطق اور دلیلیں نہیں سمجھتا۔ بی۔ اے۔ فیل ہے۔ دوبارہ امتحان دیا لیکن رزلٹ پہلے سے ہی آؤٹ تھا۔ کالج میں تھا تب بھی نیتا گیری چل رہی تھی۔ سبھاؤں میں آیوجن، جلوس نکالنا، بند کروانا، چکا جام ہو یا ریلوے لائن پر لیٹ جانا ــــ کہتا تھا، نیتا کے لئے ہر کام ضروری ہے۔ نیتا کو ہر کام کرنا چاہیے دوبارہ بی۔ اے فیل ہوا تو نیتا گیری کے دھندے میں لگ گیا۔ شروع کے کچھ ایک سال رولنگ ــــ پارٹی کا ساتھ دیا یعنی جو پارٹی رہی اسی کے ہو کر رہ گئے۔ پیسہ کمایا اور موج اڑایا ــــ لیکن پچھلے دو سالوں سے بھاجپا کے بھکت ہیں۔ مرلی منوہر جوشی، آڈوانی، اور باجپائی کی بڑی بڑی فریم کرائی تصویریں ڈرائنگ روم میں پڑی ہیں۔ اور صبح سویرے اُن کی پوجا کی جاتی ہے۔

نیل کنٹھ میں اس کے علاوہ بھی کئی اور خاص گن ہیں ــــ بہت جلد آپ کے دوست بن جائیں گے ــــ ایک بار دوست بن گئے تو پھر گھریلو بننے میں دیر نہیں کریں گے۔ وہ اسے سوشل ورک کہتے ہیں۔ بات کیجئے تو کہیں گے، چناؤ کی سیڑھیاں طے کرنے کے لئے یہ سب بہت ضروری چیز ہے ــــ یہ سب تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ جنتا کا دل نہیں جیتیں گے تو وہ ووٹ کیسے دیں گے۔

نیل کنٹھ کی ایک خوبی اور بھی ہے، چہرہ ہر وقت کھلا کھلا اور مسکراتا رہتا ہے کوئی کام ہو، چاہے نہیں ہونے والا ہو، مگر انکار نہیں کرے گا نیل کنٹھ۔ حامی ضرور بھر لے گا۔ یہ بھی ممکن ہے، اگلی بار آپ سے کام نہ ہو پانے کی صورت میں کوئی خوبصورت

سامنا سب بہانہ بھی پیش کر دے، مگر اس صفائی سے جیسے کوئی ماہر سرجن آپریشن کے وقت انجام دیتا ہے۔ کچھ لوگ نیل کنٹھ کو 'اُجڈ' (بمعنی لفنگا) بھی کہتے ہیں۔ مگر یہ ٹھیک نہیں۔ نیل کنٹھ کو اپنی نیتا گیری سے ہی فرصت نہیں ہے، شہر میں تناؤ بڑھا تو جیسے نیل کنٹھ کا کام بڑھ گیا۔ تقریر کرنا آتا تو نہیں مگر وہ جو کہتے ہیں کہ مجبوری اور پیسہ کچھ بھی کرا لیتا ہے، سو تقریر بھی کرا لو۔ مائیک کے سامنے کھڑے ہیں، اٹک اٹک کر بول رہے ہیں۔ مسکرا رہے ہیں ــــــ پڑھا کل جو بھی ہو، مگر اب وہی کہتے ہیں جو پارٹی کے 'وکتا' रटना ملکانی صاحب اور امرجیت صاحب رٹاتے ہیں۔۔۔ اور پھر رٹے رٹائے طوطوں کی طرح محفلوں میں، سبھاؤں میں شروع ہو جاتے ہیں نیل کنٹھ صاحب۔

ان کا صاف صاف کہنا ہے ــــــ اگلا چناؤ دیکھئے، 'ایم۔ پی نہیں تو" ایم۔ ایل۔ اے"۔۔۔ وہ بھی نہیں تو' ایم۔ ایل۔ سی، تو بن کے ہی رہیں گے۔'

"اگلا چناؤ کب ہوگا؟"

"بہت جلد اور دیکھئے گا ہماری پارٹی ہی جیتے گی۔"

کوئی پوچھتا:

"ہماری پارٹی! مطلب!! آپ تو آر۔ ایس۔ ایس کے ہیں۔"

بچوں جیسی مسکان چہرے پر بکھیرتے ہیں نیل کنٹھ صاحب۔ "یہی تو نہیں سمجھ پا رہے ہیں آپ!"

"یعنی بیچ میں کچھ گورکھ دھندہ ہے۔"

"نہیں سمجھے آپ، گورکھ دھندہ نہیں ــــــ چالاکی۔۔۔ نہیں چالاکی بھی نہیں۔۔۔ وہ ٹھہرتے ہیں۔۔۔ ویسے جنتا سب سمجھتی ہے۔۔۔ اب دیکھئے۔ ایک ڈنڈے سے آپ سارے جانور کو تو ہانک نہیں سکتے۔ نہیں سکتے نا۔۔۔ سو کئی لوگ ہوتے ہیں اور جانور بھی الگ الگ مزاج کے۔ اور سمجھانا پڑتا ہے سب کو۔ یہ تو جانوروں کی بات ٹھہری اور یہ بات دیش کی ہے۔"

"پہیلیاں کیوں بجھاتے ہیں، نیل کنٹھ صاحب!"

"تو صاف صاف سنیئے، اب آپ تُل ہی گئے ہیں تو۔۔۔، مونچھ اینٹھتے ہیں نیل کنٹھ چُھپھلانے والے انداز میں گویا ہوتے ہیں۔۔۔ 'سب ایک ہے۔۔۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے۔ آر۔ ایس۔ ایس، بھاجپا، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل، ایک ہی چیز ہیں۔ قاعدے قانون اور صحیح پرشکشن کے لئے آر۔ ایس۔ ایس ہے۔ لڑنے مرنے کٹنے یعنی فوج کا کام کرتی ہے بجرنگ دل، اور راجنیتک استعمال کے لئے ہے بھاجپا ــــــ"

نیل کنٹھ ہنستے ہیں۔ "ای کون نہیں جانتا۔"

"تو آپ کا سمبندھ کس سے ہے؟"

"آپ سے ہے؟"

"مطلب ــــ؟"

"آپ جنتا ہیں تو آپ سے ہے ــــــ ہمارا کام آپ کو گائیڈ کرنا ہے۔"

نیل کنٹھ کہتے ہیں۔ "جانتے ہیں نا۔ گائیڈ کا کام کیا ہوتا ہے۔ وہی ہمارا کام ہے۔"

"تو گویا آپ ہمارے گائیڈ ہوئے۔"

"ارے اصل گائیڈ تو اس وقت ہوں گے جب آپ، ہم کو ووٹ دیں گے۔"

نیل کنٹھ دھڑ دھڑا کر جیپ آگے بڑھا لیتے ہیں، ڈگی میں وِلس نیوی کٹ کا ڈبہ پڑا ہوتا ہے۔ ڈبے سے سگریٹ سلگاتے ہیں اور جیپ سے سر نکال کر ایسے دیکھتے ہیں، جیسے سیدھے سگریٹ کے اشتہار سے نکل کر کوئی شخص جیپ میں سوار ہو گیا ہو اور اسٹرنگ پر ہاتھ رکھ لیا ہو۔

● ●

"کرنا کیا ہے؟"

نیل کنٹھ چاروں طرف گھوم رہے ہیں۔ تناؤ سے پہلے ہی انہیں علم ہو گیا تھا۔ معاملہ زیادہ گڑبڑ ہونے کو ہے۔

کرفیو میں تھوڑی ڈھیل ہوئی تو سیدھے نریندر کے یہاں پہنچ گئے۔

بالکل سنترا دروازے کی آڑ لے کر کھڑے تھے۔

جیپ سے اُتر آیا نیل کنٹھ ــــــ

"سلام چاچا ——"

بالمکند نے صرف ہاتھ اٹھایا۔ یہ آدمی کبھی انہیں پسند نہیں آیا۔ بولتا ہے تو لگتا ہے کہ کبھی شرافت کا منہ ہی نہ دیکھا ہوگا۔ صرف کرتا پائجامہ پہن لینے سے کیا ہوتا ہے۔ انہیں لوگوں نے تو کرتے اور پائجامے کی عزت اُتار لی۔

نیل کنٹھ پریشان ہوتا ہے۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے چاچا جی؟"

"یہ حالات رہیں گے تو طبیعت کس کی ٹھیک رہے گی۔"

نیل کنٹھ کوئی تبصرہ نہیں کرتا۔

"نریندر ہے؟"

"ہاں اندر ہے۔"

"اچھا چاچا جی، ذرا نریندر کو دیکھنے آیا تھا۔"

مسکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بالمکند شرما جوشش مگر مسکرا نہیں پاتے۔ نیل کنٹھ تیزی سے اندر گھستا ہے۔

"نریندر .... او .... نریندر۔"

نریندر ڈرائنگ روم میں مل جاتا ہے۔

"بیٹھو۔"

صوفے پر اوما اور انیل کی پتنی تلسی بیٹھی ہے۔ چپ چاپ۔

"نمستے بھابی"

نیل کنٹھ دونوں کو ہاتھ جوڑتا ہے .... پھر ہنس کر کہتا ہے۔

"ارے سب کے چہرے اترے ہوئے کیوں ہیں۔ ارے بھائی ہنگامے سے آپ لوگوں کو مطلب ہی کیا ہے۔ اتنی چپّی کیوں ہے .... ارے میاں بھائی اپنی اوقات میں رہتے، ملک کو ملک سمجھتے تو یہ سب نہیں ہوتا۔ کیوں تلسی بھابی؟"

تلسی کے پتی انیل کانگریس کے کاریہ کرتا ہیں۔ 'سکریہ' تو نہیں ہیں، پھر بھی کانگریس

کی ایکٹیوٹیز میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔ کانگریس پارٹی سے ان کے پاس خط، دعوتی کارڈ وغیرہ سب آتے رہتے ہیں۔

تلسی نیل کنٹھ کی بات پر منہ بسورتی ہے۔

"پتہ نہیں، راجنیتی کی بات تو آپ اُن سے ہی کیجئے گا۔"

"ارے اُن سے کہہ کر شہید ہونا ہے۔" نیل کنٹھ زور زور سے ہنستا ہے۔ "ہم بولیں گے ایک بھائی تو انیل بھیّا سنائیں گے دس۔ ہم ٹھہرے بھاجپا کے وہ ٹھہرے کانگریسی۔"

تلسی کے چہرے پر تھوڑی سی رونق آگئی۔ 'جتنا دل ہوتا تو گٹھ جوڑ بھی ہوتا۔'

"ارے ایک بار تو گٹھ جوڑ ہوا ہی تھا۔"

"نتیجہ کیا نکلا۔ تم نے لنگی مار دی ——" تلسی پھر سنجیدہ ہو گئی۔ 'چھوڑو مجھے راج نیتی نہیں آتی۔

نیل کنٹھ نریندر کی طرف مڑا۔ کیوں نریندر؟ تم اتنا چپ کیوں ہو؟'

اُس نے ایک وِلز سلگا کر پھر ہونٹ سے لگا دیا۔

"کچھ نہیں۔"

"پریشان ہو؟"

"نہیں۔"

"پھر کیا ہے؟"

"یار —— چپ بھی نہیں رہ سکتا کیا؟"

"اوہ چپ کا روزہ رکھا ہے کیا۔ پھر ٹھیک ہے۔ چلتا ہوں۔ لیکن ایک بات بتانی ہے۔"

نریندر کھنکھارا۔

نیل کنٹھ چپ ہوا۔ نریندر نے اوما کو آنکھوں سے اشارہ کیا، تلسی اور اوما دونوں اٹھ کر باہر چلے گئے۔

"کیا ہے؟"

"تم کو تو معلوم ہے۔ ہم سب پر سنکٹ آیا ہوا ہے۔"

"ہاں۔"

"تم کو اطلاع دینے آیا ہوں۔ کچھ دن ہونٹ سی کر بیٹھ۔ کاریالیوں، دفتروں میں پولیس چھاپے مار رہی ہے۔ کچھ دن کے لئے ہمیں انڈر گراؤنڈ ہونا ہوگا۔ یہ سب بین لگنے کی وجہ سے ہے۔"

"ہونہہ ——"

نریندر کو فکر تھی۔ نریندر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"پارٹی دفتر سے ضروری کاغذات ہٹا لئے گئے ہیں۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ لیکن ...."

اس نے ایک بار پھر زور دیا۔ ...

"کچھ دنوں کیلئے ہمیں انڈر گراؤنڈ ہو جانے کی ضرورت ہے۔ ... اچھا چلتا ہوں۔"

"چائے تو پی کر جا۔"

"نہیں۔ پھر کبھی۔"

نیل کنٹھ تیزی سے اٹھا، باہر آیا، تب بھی بالمکند شرما جوش دیوار سے ویسے ہی ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

"اچھا چلتا ہوں چاچا جی۔"

نیل کنٹھ جیپ میں بیٹھ گیا۔ جیپ اسٹارٹ ہوگئی۔

(۴)

گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔ شمیم کا روتے روتے بُرا حال تھا۔ جمیلہ کے بھی صبر کا باندھ ٹوٹ گیا تھا...

صبح ہوگئی، لیکن منا نہیں آیا۔

دل میں رہ رہ کر دھڑکا ہو رہا تھا۔ چودھری برکت حسین رہ رہ کر سجدے میں

گرے جا رہے تھے۔... اللہ بُری خبر سے بچائیو اللہ .... پروردگار .... معبود... بُری خبر سے محفوظ رکھیو اللہ۔ میرے معبود، میرے رب۔

"سنئے جی!"

آنسو پونچھتی جمیلہ دروازے پر کھڑی ہے۔ ...."کچھ کیجئے گا؟ باہر شور سا ہے۔ کرفیو ختم ہوگیا لگتا ہے.... آپ دیکھئے نا.... باہر جائیے نا.... کچھ کیجئے۔"

"کیا کروں؟"

جیسے برسوں کے بیمار ہو گئے ہوں برکت حسین۔ آنکھیں جل تھل.... کلیجہ میں تپاک۔ باہر آئے.... معلوم ہوا دو گھنٹے کے لئے کرفیو میں ڈھیل دی گئی ہے۔ لوگ سبزیاں اور ضرورت کے سامان خریدنے کے لئے دوڑ پڑے تھے۔

"کہاں رہ گیا۔ ایسا تو نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ موسم خراب، زمانہ خراب۔ گھر میں بیوی بچے —— پہلے سوچا کہ پاس میں گیا ہو.... بجلی آفس میں کسی سے لڑائی بھی کی تھی بات بات پر بگڑ جاتا تھا —— مزاج کا بھی تیز تھا۔ آج کے لڑکے۔ اچھا بُرا دیکھتے نہیں۔ اور بے بات بگڑ جاتے ہیں۔ کسی نے کہیں مار کر....؟"

بُری بات سوچتے ہی دل کی دھڑکن بڑھ جاتی تھی۔

●●

قریب کی پولیس چوکی۔

چودھری برکت حسین نے ٹوپی برابر کی۔ اندر گھسنا چاہا تو سپاہی نے روک دیا۔

"کیا ہے؟"

"ایف۔آئی۔آر۔ درج کرانی ہے۔"

"کیسی ایف۔آئی۔آر؟"

"میرا لڑکا کل رات سے گھر واپس نہیں آیا۔"

سپاہی نے منہ بچکایا —— بڑے میاں کے حلیے کو دیکھا۔ سر پر دو پلی ٹوپی شیروانی کُرتا، شیروانی پر جگہ جگہ لگے پان کے دھبے۔ منہ چلتا ہوا۔ یعنی پان کی گلوری دبی ہوئی۔

پریشان حال۔ قد لانبا اور پوری طرح سے پرانے زمانے کے نوابوں کی یاد دلاتی ہوئی شخصیت۔

"کل رات سے نہیں آیا ــــ؟" سپاہی نے دہرایا۔ کسی نے مار کر پھینک دیا ہوگا ــــ"

وہ لڑکھڑا گئے۔

سپاہی اندر گیا۔ باہر آکر ان کو گھور کر دیکھا۔

"جاؤ صاحب بلا رہے ہیں۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ اندر بیٹھا پولیس افسر فائل میں کھویا رہا۔ انہوں نے گلا کھنکھار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ اس نے بغیر دیکھے ہاتھ کے اشارے سے سامنے والی کرسی پر بیٹھ جانے کو کہا۔

وہ بیٹھ گئے۔

ذرا دیر بعد انسپکٹر نے سر اٹھایا۔

"کیا ہے؟"

"میرا لڑکا کل سے غائب ہے۔"

"نام کیا ہے؟"

"منّا۔"

"عمر؟"

"۲۵ سال ....."

انسپکٹر چونکا۔ "اور نام منّا ہے۔"

"یہ تو پکارنے کا نام ہے۔"

"اصل نام کیا ہے اور کرتا کیا ہے؟"

"تنویر حسین۔ بجلی آفس میں کلرک ہے۔"

"ہونہہ ــــ"

انسپکٹر نے ہونکاری بھری۔ کچھ سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بولا۔

"کیا کہا کل سے غائب؟ یعنی کرفیو والی رات سے؟"

"ہاں۔"

"کچھ کہہ کر گیا تھا؟"

"نہیں۔"

"کسی کی طبیعت خراب تھی؟"

"نہیں۔"

"کسی سے کچھ کہہ کر نہیں گیا۔ کسی کی طبیعت خراب بھی نہیں۔ پھر کرفیو والی رات کیوں گیا! آپ نے سمجھایا نہیں کہ باہر نکلنا منع ہے۔"

چودھری برکت حسین کو اس غیر ضروری جرح سے الجھن ہو گئی۔ خود پر رونا آگیا بولے۔

"نئے بچے ماں باپ کی اتنی ہی قدر کرتے تو پھر میں آپ کے پاس ہی کیوں آتا؟"

"آپ کو کوئی شک ہے؟"

"شک کس پر ہوگا؟"

"منّا کا کوئی دوست۔"

"میں نہیں جانتا۔ ویسے تھا اکھڑ طبیعت کا آدمی۔ گھر پر بھی کوئی ملنے نہیں آتا تھا۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

برکت حسین کو پھر رونا آیا۔ "آپ پوچھ رہے ہیں۔ میں کیا چاہوں گا۔ میرا لڑکا غائب ہے۔ ایک بوڑھا باپ ایسے میں کیا چاہ سکتا ہے۔"

انسپکٹر نے بڑے میاں کو گھور کر دیکھا۔

"محلہ کون سا ہے آپ کا۔"

"کھیم پور۔"

"جی!"

وہ ایک دم سے چونک گئے۔

انسپکٹر مسکرایا۔ "آتنک وادی تو نہیں ہے۔"

وہ پھر لڑکھڑا گئے۔

"چونکتے کیا ہیں۔ خبر ملی ہے کرملی پور، کھیم پور اور زیادہ تر محلّے کے مسلمان لوگ ہی کر رہے ہیں۔ آپ کا لڑکا اگر مارا جاتا تو اُس کی لاش ہم کو ضرور ملتی۔ کل رات سے ہمارے پاس کسی لاش کے ملنے کی سوچنا نہیں آئی ہے۔ آئے گی تو آپ کو خبر کریں گے۔ آپ پتہ لکھ جائیے۔"

"اور ایف۔ آئی۔ آر؟"

"جانچی ایف۔ آئی۔ آر لکھتا ہے۔ جانچی نہیں ہے۔ جائیے، گھر واپس جائیے۔"

انسپکٹر پھر فائل دیکھنے لگتا ہے۔

دماغ میں آندھیاں چھوٹ رہی تھیں۔

⑤

اتنا بڑا شہر ——— کہاں گیا ہوگا منا؟

منا ان کے لئے اب بھی وہی چھوٹا سا منا تھا۔ کچھ بھی نہیں بھولے تھے..... اس کی شرارتیں، کھیل کود ——— سب کچھ یاد تھا ——— منتوں اور دعاؤں سے کھلا پھول تھا، تنویر حسین ——— بچپن سے ہی ضدی، ہٹی، پڑھنے میں دل ہی نہیں لگتا تھا۔ شوق تھا، تو اُن چیزوں کا، خاندان کی کسی پشت میں جس کا شوق نہیں رہا۔ گلی ڈنڈا، کانچ کی گولیاں، اور گلی کے آوارہ چھوکرے۔ وہ پکڑ پکڑ کر گھر میں لاتے، طمانچوں سے خیر مقدم کرتے۔ خاندان کا واسطہ دیتے..... اچھے بُرے کی تمیز سکھاتے، بچپن سے

ہی جو صحبت بگڑی تو زبان خراب ہو گئی منا کی۔ اسکول میں بھی کبھی اچھا رزلٹ نہیں کیا۔ ہمیشہ شکایت ہی آتی رہی۔ یہ کر دیا، وہ کر دیا، کسی کی کاپی گم کر دی، کسی کی کتاب پھاڑ دی۔

سچ ہے کہ آوارگی چہرے سے بھی بولنے لگتی ہے یا چہرے پر اس کے آثار آجاتے ہیں، یہ خیال تھا چودھری برکت حسین کا۔ منا کے چہرے پر کہیں سے بھی وہ پرانا خاندانی پن موجود نہیں تھا۔ پہلے یہ خاندانی پن چہرے چہرے سے جھلکتا تھا۔ اب وقت کے ساتھ جھلکتا ہی نہیں کہ کون کیا ہے۔ کتنے پانی میں ہے۔ کبھی کبھی وہ سوچتے بھی ہیں۔ چلو اب اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ پھر اس خیال کو کچلنے کے لئے کتنے ہی خیال ہاتھیوں کی فوج کی طرح آگے بڑھ جاتے ہیں۔

ضرورت ہے میاں برکت حسین ..... ضرورت ہے۔ یہ سب ڈھونگی باتیں ہیں برابری کی۔ پیسہ لاکھ ہو جائے مگر انسان وہی رہے گا۔ جو اس کے خون میں ہے۔ خاندانی آدمی غریب سے غریب ہو جائے پر آن نہیں جائے گی۔ یہ خوبی ہے۔

چلو چھوڑو، وہ خود کو سمجھاتے ہیں۔ وقت آگے بڑھ گیا ہے..... اور یہ جو وقت ہے، یہ وقت ان کے وقت سے دیگر ہے۔ یہ صرف خاندانی ڈھکوسلوں میں نہیں جیتا ہے۔ یہ وقتِ عملی آدمیوں کا ہے۔ یعنی پیسہ کس کی پکڑ میں کیسے آتا ہے۔ اب ایسی باتیں، جیسی کہ وہ سوچتے ہیں۔ کسی کے پاس اس طرح کی باتیں سوچنے کی فرصت بھی نہیں.....

چھوڑو یار، برکت حسین..... نئے زمانے کو بھی دیکھ رہے ہو۔ کیا یہ کم ہے ——— نئی نئی چیزیں آگئی ہیں۔ آسائش کے نئے نئے سامان۔ تمہارے وقت میں یہ سب کہاں تھے ——— لڑنے مرنے کے جدید ماڈل کے اسلحے۔ موت کتنی آسان ہو گئی ہے؟ موت سب سے آسان ہو گئی ہے۔

کیا منا کو بھی موت لے گئی.....؟

ابھی کرفیو میں ڈھیل ہے..... پورے گھنٹے بھر باقی ہیں.....

بالمکند شرما جوش کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں.....

"جوش صاحب تشریف رکھتے ہیں.....؟"

عام دنوں کی طرح آوازیں وہ جوش نہیں ہے۔ ہانپنے لگتے ہیں.... پن ڈبہ گھوم رہ گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈالنے کے بعد ٹھہر جاتے ہیں....

جوش صاحب....!

دروازے پر نریندر کھڑا ہے۔

"آیئے چچا جان۔ پتاجی اس طرف ہیں۔"

نریندر اشارہ کرتا ہے.... وہ سہمے سہمے سے کمرے میں داخل ہو رہے ہیں۔ چہرہ پیلا پڑا ہوا ہے۔

بالمکند چونکتے ہیں

"کیا ہوا ہے برکت حسین؟"

"منا کل سے غائب ہے۔"

"کیا ——" نریندر زور سے چونکا۔

"گھر نہیں آیا۔" بالمکند کی آنکھوں میں تشویش ہے۔

"شمیم اور حمیدہ دونوں کا روتے روتے برا حال ہے۔ کل تو کرفیو لگا تھا۔ پگلا بغیر کہے رات میں جانے کہاں چلا گیا۔"

"کسی سے کچھ ناراضگی ہوئی کیا۔"

"نہیں۔"

"پھر کہاں چلا گیا۔"

"خدا معلوم۔ اسی واسطے تو طبیعت پریشان ہے۔"

"کل سے نہیں آیا۔ بات تو واقعی تشویش کی ہے۔"

بالمکند نے نریندر کی طرف دیکھا۔

"کیا کرنا چاہیئے؟"

"آپ نے ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کرائی چچا جان۔"

"رپورٹ لکھوانے گیا تھا۔"

"پھر؟"

"رپورٹ نہیں لکھی۔ انسپکٹر نے کہا کر جو رپورٹ لکھتا ہے، وہ ہے نہیں۔"

"یہ سب ان کی بدمعاشی ہے۔"

نریندر دھیرے لہجے میں بڑبڑایا۔

"دیکھا ——" بالمکند شرما جوش غصے میں نریندر کی طرف مڑے۔ دیکھا تماشہ۔ اب یہی ہوگا —— منا غائب ہے۔ یہی ہوگا اب۔ اور یہ سب کرا رہی ہے تمہاری پارٹی۔

"ہماری پارٹی کیوں کرا رہی ہے؟"

نریندر کی آنکھوں میں خفگی ہے۔

"نریندر۔ اور کس کی پارٹی کرا رہی ہے۔ زبردستی کے بند۔ اتہاس کی قبر کھود کر گڑے مردے نکالنا —— گڑے مردے نکال کر لوگوں کو بھڑکانا۔ اخبارات، ریڈیو، ٹی۔ وی سب تمہاری پارٹی کرا رہی ہے۔"

"دیکھئے پتاجی۔ غصہ ہونا ہے تو جی بھر کر غصہ ہو لیجئے۔ لیکن اس طرح چچا جان کے سامنے بے عزت نہ کیجئے۔ ابھی فی الحال میں کچھ نہیں کہہ پاؤں گا۔"

"کہو گے کیا تم؟"

بالمکند شرما جوش کانپ رہے تھے۔

نریندر برکت حسین کی طرف مڑے۔ پتاجی کی طبیعت ان دنوں ناساز ہے۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ میں رپورٹ لکھوا کر آتا ہوں۔ چلئے میرے ساتھ....،

"کیا....!"

"میرے ساتھ چلئے۔"

بالمکند پھر بڑبڑائے۔ اچھا تماشا ہے۔ زخم بھی دو اور مرہم بھی بھرو۔ ارے کیسے بیوقوف بنا رہے ہو تم.... سب تمہاری پارٹی.... زہر سے کام نہیں چلے گا تو'

(میٹھا زہر) دینے میں بھی استاد ہے تمہاری پارٹی.... اب یہی ہوگا۔

نریندر کمرے سے باہر نکل گیا۔

بالمکند دیر تک غصے میں بڑبڑاتے رہے۔

● ●

کرفیو کا اعلان پھر ہوگیا تھا۔

علی پور، بہشتی ٹولہ، اکبر پورہ، دالان والی مسجد، محلہ قریش اور اس طرح کے دیگر محلوں میں آگ زنی اور چھرا مارنے کے واقعات دوبارہ ہوگئے تھے۔ یہ سب کرفیو کی ڈھیل کا کرشمہ تھا ——— بوکھلائے ہوئے لوگوں میں زہر اب بھی موجود تھا۔ اور کچھ زہر تو لوکل اخباروں نے بھر رکھا تھا۔ جنہیں بکنے اور عوامی مقبولیت حاصل کرنے کے لئے یہی وقت ملتا ہے۔

پولس کی گشت پھر جاری تھی۔ سائرن کی آواز اور پی۔ اے۔ سی کے بوٹوں کی گونج پھر سڑکوں پر سنائی دینے لگی تھی۔

● ●

شام کے چھ بجے برکت حسین کے دروازے پر پولیس کی جیپ رکی۔ وہی صبح والا انسپکٹر تھا۔ وہ تیزی سے اتر کر صحن پار کر کے دروازے کی طرف بڑھا۔

برکت حسین بھاگے بھاگے آئے۔

"کوئی بری خبر تو نہیں ہے بھائی؟"

اُن کا کلیجہ زور زور سے کانپ رہا تھا ———

"بری خبر، ابھی نہیں کہہ سکتا۔ شہر کے جنگلی علاقے میں ہمیں ایک لاوارث لاش ملی ہے۔ وہ لاش چوکی میں آگئی ہے۔ ہم وہی آپ کو دکھانا چاہتے ہیں۔"

کمرے کے اندر چیخ کر شمیم کے گرنے کی آواز آتی ہے۔

برکت حسین لرزتے قدموں سے جیپ میں بیٹھ گئے۔

جیپ روانہ ہوگئی ———

(۶)

نیل کنٹھ کو خبر ملی تھی، پولیس امرجیت کو گرفتار کر کے لے گئی ہے۔ شہر میں ہونے والے تناؤ میں اس کی بھی بھومیکا پرکھی رہی ہے۔

تناؤ اب بھی تھا۔ کرفیو میں دو دو گھنٹے کی ڈھیل صبح شام مل جاتی تو جیسے عام زندگی روزمرہ کی خرید و فروخت میں جٹ جاتی۔ مگر تناؤ لگاتار بنا ہوا تھا۔ پولیس کے جتھے ابھی بھی چاروں طرف چھترائے ہوئے تھے۔ امرجیت کی جیپ کے آگے پریس لکھا ہوا تھا۔ ایک اخبار کا پریس کارڈ بھی تھا اس کے پاس۔

نیل کنٹھ جب امرجیت سے ملنے گیا تو وہ گھر ہی تھا۔ ڈرائنگ روم میں نلکانی کے علاوہ پارٹی کے دیگر لوگ بھی جمع تھے۔

نلکانی مٹھائی کے ڈبے سے مٹھائی نکال نکال کر بیٹھے ہوئے لوگوں کو کھلا رہا تھا۔

نیل کنٹھ نے مسکرا کر پوچھا، "میں نے تو سمجھا تھا کہ آپ جیل میں ہوں گے۔ یہاں مٹھائیاں بٹ رہی ہیں۔"

"چلو تم بھی منہ میٹھا کرو۔"

"مگر کس خوشی میں؟"

"ارے دیکھتے نہیں۔ ہماری پارٹی لبس جیت کا اتہاس لکھنے ہی والی ہے۔"

نیل کنٹھ ہنس پڑا۔ نلکانی نے مٹھائی کا ایک بڑا سا ٹکڑا اس کے منہ میں ٹھونس دیا ———

امرجیت نے نعرہ لگایا.... "جے شری رام!"

کمرے میں سب ایک جٹ ہو کر سُر ملا کر بولے، "جے شری رام"

امرجیت مسکرایا ——— "چاروں طرف ہماری وجے پتاکا پھہرا رہی ہے۔ سب رام کی کرپا ہے۔ اب ہماری پارٹی رہے گی، ہم ہوں گے.... اور ہوگا ہمارا اکھنڈ بھارت ورش...."

ملکانی نے آگے جھک کر صوفے کے کنارے میز پر رکھا ہوا ٹیپ آن کر دیا۔ یہ ٹیپ اس نے اجودھیا سے خریدا تھا۔ سیتا رسوئی کے پاس والی دکان سے۔ پولیس چوکی کے پاس بیٹھا ہوا سپاہی بھی ان گانوں کی دھن سنتے ہوئے خود کو جھومنے سے نہیں روک سکا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا۔

کمرے میں ٹیپ بجنے لگا.... مندر وہیں بنے گا....

"جے شری رام"

نیل کنٹھ نے اس بار زور سے کہا۔ سب یک مشت بولے، 'جے شری رام'

ٹھہر کر ملکانی بولا، 'سنکیت اچھے مل رہے ہیں۔ چاروں اور سے اچھی خبریں آرہی ہیں۔ ہم پر جتنا انکش یا پرتبندھ لگایا جا رہا ہے، اس کا لابھ ہم کو مل رہا ہے۔ سماچار پتر ہوں یا دُور درشن، وے جتنا ہمارے ورودھ بول رہے ہیں اس سے کانگریس کو کوئی لابھ نہیں۔ کانگریس کی امیج زخمی ہوئی ہے۔ مسلمان بھی کانگریس کے ورودھ ہو گئے ہیں اور پرتیکریا سروپ ہم پہلے سے ادھک مضبوط ہو گئے ہیں۔ جن سنگھ کے بعد اب تک کے اتہاس میں یہ پہلی بار ہے، جب ہم اتنی جن چیتنا عام ہندوؤں میں جگا پانے میں کامیاب رہے ہیں۔ اور یہی میری سب سے بڑی اپلبدھی اور سپھلتا ہے۔ جب جن سنگھ تھی تب یاد ہوگا ہم نے گئو ہتیا کو روکنے کا ابھیان چلایا تھا۔ اس سمے بھی ہندو جنتا کا ہمیں سمرتھن پراپت ہوا تھا۔ پرنتو اتنا بڑا سمرتھن ہمارے حصے میں پہلی بار آیا ہے اور یہ سمرتھن، یہ جن چیتنا ادشئے ہمیں پاور مارگ تک لے جائے گی۔'

"پاور مارگ"، اس نے اس لفظ پر زور دیا۔ بچوں اور مہیلاؤں سے لے کر عام بدھی جیوی ورگ تک سب ہمارے ساتھ ہیں۔ ہاں کچھ لوگ ابھی بھی خوش فہمی کے راستے جی رہے ہیں۔ جو سیکولر سیکولر چلاتے ہیں اور دھرم نرپیکشتا کی بات کرتے ہیں۔ وے بھی جان رہے ہیں کہ اب یہ ابھیان روک پانا ان کے لئے آسان نہیں ہے۔ کم و بیش وے بھی ہمارے ہی ساتھ ہیں، پرنتو کھل کر ان کو سامنے آنے میں آپتی ہے۔ ایسے لوگ ہمارے لئے گھاتک بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا رویہ اسپشٹ

کریں کہ وے اس کروٹ ہیں یا اس کروٹ ہیں۔ بھوشیہ میں اگر پارٹی ان سے خطرہ محسوس کرتی ہے تو ہمیں ایسے لوگوں کے ورودھ بھی اٹھنا ہوگا۔ لیکن کشل راجنیتی سے ایسے لوگ دو موہا سانپ ہوتے ہیں۔ انہیں توڑنا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن ہم انہیں بھی اپنے پکچھ میں لانے کا ہر سمبھو پریتن کریں گے۔"

ہمارے اصل ہتھیار ہوں گے بچے اور مہیلائیں ——— مہیلاؤں سے گھر گرہستی چلتی ہے۔ بچوں کا دماغ نازک ہوتا ہے اور جلد سچ کو سویکارنے کی چھمتا رکھتا ہے۔ مہیلاؤں اور بچوں کو اپنے پکچھ میں کرنے کا مطلب ہے ایسے لوگوں کو سویم اپنے بس میں کرنا ——— اور وہ ہم کریں گے ——— فی الحال آپ کے لئے ایک سوچنا ہے۔

ملکانی ٹھہر کر بولا، "پارٹی دفتر کو پولیس نے سیل کر دیا ہے۔ لیکن جلد ہی ہم کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈ نکالیں گے۔"

امرجیت نے پاس پڑا ہوا اخبار آگے کیا.... 'دیکھو ہمارے نیتا علیم بخت نے ایک کانفرنس میں کتنی اچھی بات کہی ہے۔ وہ زور زور سے اخبار پڑھ کر سنانے لگا۔

"میں اپنے بارے میں سوچتا ہوں کہ اگر اس ملک کی ۸۰ فیصد آبادی ہندو نہ ہوتی تو میرا کیا ہوتا۔ اگر یہ ملک ہندوؤں کا نہ ہوتا تو علیم بخت کا وہی حشر ہوتا، جو پاکستان میں کسی رام لعل کا ہوتا ہے۔ جہاں رام لعل اپنے حقوق کی بات ہی نہیں کر سکتا، اپنی آواز نہیں اٹھا سکتا، اپنے کو رام لعل تک نہیں کہہ سکتا۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان کا اسلامی راشٹر گھوشت ہو جانا جائز تھا تو ہندوستان کا ہندو راشٹر گھوشت ہونا ناجائز کیوں ہے۔ لیکن اس وقت بھی ہندوستان ہندو راشٹر نہیں بنا۔ ۸۰ فیصد جنتا کے ہندو ہوتے ہوئے یہ قربانی ہندو جنتا ہی دے سکتی ہے۔ اور وہ لوگ جو اس ملک کے بٹوارے کے ذمہ دار ہیں، سیاست کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں نہیں دی جا سکتی۔ سچائی یہ ہے کہ ہندو کبھی ہنسک نہیں ہو سکتا ہندو اہنسا کا ہی دوسرا نام ہے۔

امرجیت چُپ ہوا تو کافی تالیاں پڑیں۔

ایک ممبر نے کہا ـــــــ " دھرم نرپیکھپتا کی مثال یہ ہے۔ ہمارے بخت صاحب۔"

دوسرے نے کہا ـــــــ " کیا خوب اور کھری کھری بات کی ہے۔ یہ ہیں سچے مسلمان۔"

نلکانی نے مسکراتے ہوئے کہا، " ہمیں مسلمانوں سے نفرت نہیں ہے۔ مسلمان کو ہم بھارت کا ہی حصہ سمجھتے ہیں۔ اور اگر ہماری پارٹی ستّہ میں آجاتی ہے تو، ہم مسلمانوں کو پورن سرکھچھا دیں گے۔"

امرجیت ٹھہر کر بولے، " مسلمانوں کے دل میں ہمارے لئے جو گھرنا بھاؤ آگیا ہے، ہمیں اُسے دھو ڈالنا ہے ـــــــ ہمیں اُن کے بیچ جاکر پریم اور سدبھاؤنا کی بات کرنی ہے۔"

نلکانی آگے بولا ـــــــ " اُوپر سے حکم ہوا ہے ـــــــ ہمارے یہاں مسلم پرتی ندھی کتنے ہیں؟ اور حیرت کی بات ہے کہ ہم یدھ استر پر کام کر رہے ہیں۔ لیکن ایک بھی مسلم پرتی ندھی نہیں بنا پائے ہیں۔ یہ شرم کی بات ہے۔"

' پرتیندھی مل جائے گا۔'

لوگوں نے پلٹ کر دیکھا۔ یہ پارٹی کے ایک ممبر تھے۔ سدھنید دبابو۔ دُبلے پتلے، لمبے۔ زیادہ تر کرتا اور دھوتی پہنتے تھے۔

" مل جائے گا۔"

" ہاں، ایک ویکتی ہمارے پاس ہے۔ مسلمان ہے۔ دو دن پہلے بے ہوشی اوستھا میں ہمیں ملا تھا۔ حالت نازک تھی۔ ہم نے اسپتال میں بھرتی کروا دیا۔"

" لیکن آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ بھاجپا میں وہ شامل بھی ہو سکتا ہے۔"

" آج صبح میری اس سے بات چیت ہوئی۔ وہ کچھ ٹھیک تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے بستر سے اٹھنے کی ممانعت کر رکھی ہے۔ یہ جان کر کہ ہم بھاجپا کے ہیں۔ اس نے خود ہی شامل ہونے کی بات چھیڑی۔"

امرجیت اور نلکانی نے ایک دوسرے کو گھور کر دیکھا۔ ' کوئی ویکتی آکر خود سے

پہل کرے تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟"

" ہمارے لئے کوئی شڈینتر بھی تو ہو سکتا ہے؟"

" کیسی بات کر رہے ہو، کیا پورے دیش میں پارٹی کا نیتر تو کرنے والے مسلم پرتی ندھیوں کی کمی ہے۔ ہمارے یہاں نہیں ہے۔ تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ مسلم ہماری پارٹی میں آنا ہی نہیں چاہتے۔"

" ہاں یہ ہے۔"

نلکانی نے سوچتے ہوئے کہا ـــــــ " خود بخت صاحب ہیں، قاسم صاحب ہیں ..... جو نیتر تو کر رہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے جو مسلمان آنا چاہ رہے ہوں، وہ اپنے سماج اور اپنے معاشرے سے کٹنے کی وجہ سے یا کاٹ دئے جانے کی وجہ سے پرتی رودھ کا شکار ہوں۔ لیکن آ سکتے ہیں۔ ـ یہ سوال ہمارے لئے ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کی طرح ہے۔'

امرجیت نے کہا، " مسلمان بھائی ہماری پارٹی جوائن کرنا چاہیں تو اُن کے لئے ہمارے دروازے کھلے ہیں۔"

نیل کنٹھ نے بولنا چاہا۔ ' لیکن ہمارا کھل کر مسلمانوں کے لئے ورودھ بھرے شبد بولنا؟ اپنی دھرم ورودھی پارٹی کو کوئی کیسے اپنا سکتا ہے؟'

'یہیں پر تو ہمیں ایک تیر سے دو شکار کرنے ہیں۔' نلکانی سنجیدہ ہوئے۔ ' راجنیتی میں سب چلتا ہے۔ ہمیں ورودھ میں بھی بولنا ہے اور مسلمانوں کو پھسلائے بھی رکھنا ہے یعنی دونوں طرح کے سماچار میدان میں اتارنے ہیں۔ تاکہ ان کی بھیڑ اتھل پتھل میں ہمارے لئے ایک soft corner بھی بن جائے۔

امرجیت نے کہا، " آخر اتنے دنوں بعد ہماری پارٹی ایک بڑی پارٹی کے روپ میں اُبھری ہے۔ کل ہم ستّا میں بھی آئیں گے۔ مسلمان اس سچ کو کسی حد تک سویکارنے لگے ہیں۔ وے اس ڈر کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ اور واستو میں، ان میں سے کچھ بھاجپا میں آنے کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔"

" اس ویکتی سے کیا بات ہوئی آپ کی۔"

"زیادہ بولنا چالنا تو منع ہے۔ اس نے کیول اتنا کہا کہ وہ بھاجپا میں دل چسپی رکھتا ہے۔

ملکانی بولا "تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم اس ویکتی سے بات کریں گے ــــــ نام کیا ہے؟"

سدھیندو بابو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اس ویکتی نے اپنا نام تنویر حسین عرف منّا بتایا ہے۔"

۷

منّا لوٹ آیا۔

منّا چپ چاپ لوٹ آیا۔ نہ کسی سے کچھ کہا نہ سنا۔ یہ بھی عجیب بات تھی کہ ان دو دنوں میں چودھری برکت حسین کا چوکی سے تین بار بلاوا آچکا تھا۔ اور وہ بھی کس سلسلے میں.... لاوارث لاش دیکھنے کے لیے.... جن کے وارث نہیں مل رہے تھے۔ اور چودھری برکت حسین کو شناخت کرنی تھی کہ یہ اُن کا منّا ہے یا نہیں۔

پہلی بار تو سچ مچ چکرا گئے تھے برکت حسین۔

جب پولیس جیپ کے ساتھ وہ انجان لاش کو شناخت کرنے کے لیے چوکی میں گئے تھے۔ سفید کپڑے سے ڈھکی ہوئی لاش پڑی تھی۔ اور ان سے پوچھا جا رہا تھا ــــ

"پہچانو۔ کیا یہی تمہارا منّا ہے...."

منّا!

اندر جیسے توپیں گرج رہی تھیں۔ بوڑھے لاچار باپ کے نصیب میں کیا اب یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنے مرحوم بچے کی لاش کو سہارا دے۔ بُرا ہوا کرے۔ پر ہے تو اپنا خون ــــ لاش پڑی ہے.... اور ایک عجیب سا خوف کپکپی بن کر ان کے پورے وجود میں اتر گیا ہے....

برکت حسین.... اگر یہ منّا ہوا تو؟

آنکھوں کے آگے گہرا اندھیرا چھاتا جا رہا تھا....

ڈرتے، کانپتے ہاتھوں سے سر کے پاس کی چادر دھیرے سے ہٹائی پھر فوراً ڈھک دی..

"نہیں"

ایک مضبوط اور مطمئن آواز.... یہ میرا منّا نہیں ہے۔

وہ گھر واپس آگئے تھے۔

●●

اس کے بعد بھی تھانے سے دو بار بلاوا آیا۔ چلیے لاش کی پہچان کرنی ہے۔

جمیلہ بگڑی تھی "زندہ لوگوں کی کھوج نہیں کرواتے یہ مردود۔ مُردوں کی پہچان کرواتے ہیں ــــ آپ کا دل ایسے بھی کمزور ہے۔ آپ مت جائیے، منّا لوٹ آئے گا ــــ میرا دل کہتا ہے۔"

اور سچ مچ ماں کے دل میں یہ تاثیر تو ہے۔ جو بچے کے اچھے بُرے خبر کی گندھ خواب خیال میں سونگھ لیتی ہے ــــ پتہ چل جاتا ہے ــــ ہاں شمیم کسی کو کوسنے دیتی تو جمیلہ چلاتی۔

"چپ کر.... وہ لوٹ آئے گا، کسی مصیبت میں ہے، اگر لوٹ آئے گا۔"

●●

اور منّا لوٹ آیا۔

دوپہر کا وقت۔ شدید دھوپ چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ کرفیو اٹھا لیا گیا تھا۔

لڑکھڑاتے قدموں سے اس نے اپنے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

جو پہلی صورت دروازے پر نظر آئی وہ گود میں نشی لیے شمیم تھی۔

شمیم چیخ مار کر منّا سے لپٹ گئی۔

لیکن یہ کیا۔ منّا چپ تھا۔ جیسے اندھیری گلی میں بھوتوں کو دیکھ لیا ہو۔ گم صُم...

جمیلہ بھاگتی ہوئی آئی۔

"خیریت تو ہے؟"

چودھری برکت حسین کمرے سے باہر نکل آئے۔

"کہاں چلا گیا تھا ___؟"

پھر سب منّا کو گھیر کر بیٹھ گئے۔ منّا بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں گھور رہا تھا۔

"کہاں چلا گیا تھا؟" برکت حسین چیخے۔

جمیلہ ملائمیت سے بولی۔ 'دیکھتے نہیں ابھی طبیعت ٹھیک ___ نہیں۔ بہو پانی لانا۔'

شمیم جھٹ دوڑ کر گلاس میں پانی لے آئی ___ منّا نے ایک سانس میں پانی ختم کر دیا۔

"کہاں گیا تھا میرے لال؟"

برکت حسین اس کے چہرے کے زخمی اُتار چڑھاؤ کو دیکھ رہے تھے۔ یا خدا.... یہ چُپّی، یہ خاموشی.... کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں۔

منّا چپ تھا۔ آنکھیں گھر کے افراد کو نہیں گھور رہی تھیں.... گھور رہی تھیں چھت کو.... خلا میں دیکھ رہی تھیں۔ اُن میں کوئی تاثر نہ تھا۔ نہ کوئی جذبات، نہ احساسات۔ بے رنگی تھی، پتھر ہو جانے جیسی کیفیت تھی۔ سامنے والے کو پتھر بنا دینے والی خاموشی تھی

"کچھ بولتے کیوں نہیں؟"

چودھری برکت حسین نے آگے بڑھ کر اسے جھنجوڑا ___ پاگل ہو گئے ہو، ہوش کھو بیٹھے ہو۔ کہاں چلے گئے تھے۔ اس طرح اچانک۔ بتایا تو ہوتا۔ بیوی تھی۔ بچے تھے۔ ہمارا خیال نہ کیا ہوتا، ان کا کیا ہوتا۔ ٹھیک تھے، تو خبر بھجوائی ہوتی۔ ارے کچھ تو کیا ہوتا۔ میاں تم کیا جانو.... ان دو دنوں میں کیا کیا افتاد ہم پر گزر گئی۔ کیا کچھ نہ سہا۔ کیسی کیسی باتیں سوچ لیں۔ تھانے رپورٹ لکھوائی۔ اب ایک بار پھر وہاں جا کر لکھوانا ہوگا کہ تم زندہ لوٹ آئے۔ وہ پوچھیں گے، کہاں رہے اتنے دن؟ تب بھی بولنا تو ہوگا۔

"مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔"

منّا نے منہ بنا کر کافی دیر پر جملہ ادا کیا۔

"کیوں ___؟"

"میں نے کہا نا۔ مجھے ابھی کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔"

"لیکن کہاں چلا گیا تھا۔ اچانک چپ چاپ۔"

"آپ لوگ کیوں میری جان کے پیچھے پڑے ہیں؟"

منّا کی لرزتی آواز پر جیسے سب چُپ ہو گئے۔

برکت حسین نے گھوم کر جمیلہ کو دیکھا۔ اشارہ کیا۔

"جاؤ ___ منّا کو آرام کرنے دو۔"

شمیم اب بھی رو رہی تھی۔ "میری قسمت پھوٹ گئی ___ انہیں کیا ہو گیا ہے۔ میری بچی کا کیا ہوگا؟"

منّا چپ چاپ مڑ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ماحول میں کرفیو جیسا سناٹا پھیل گیا۔

تنہا کمرہ .... خاموش کمرہ.... کبھی کبھی کمرہ بولتا ہے.... اور ہم سانپ کے ڈسنے سے دہلتے رہتے ہیں.... کبھی کبھی کمرہ وہ ہیبت طاری کرتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں.... خود کا حساب لیتا ہے کمرہ.... جرح کرتا ہے، دلیلیں دیتا ہے.... سوال کرتا ہے.... لتاڑتا ہے.... اور زخمی کرتا ہے....

اور ابھی ___ اس وقت ___ جرح، دلیلوں اور سوالوں کی ترنگوں میں تنویر حسین عرف منّا کھویا ہوا تھا۔

یہ سب کیا ہو گیا؟

کیسے ہو گیا؟

تم نے اچانک ___ ہار کیسے مان لی؟

وہ جرح میں کسی وکیل کی طرح الجھتا۔ بڑے لوگوں کو قائد بنا کر دیکھ لیا۔ وہ صرف کٹھ پتلی ثابت ہوئے۔ عام سی کٹھ پتلی۔ بے جان ___ وہ دبتے ہیں یا سمجھوتہ کرتے

ہیں....."

" تو تم بھی سمجھوتہ کر رہے ہو؟"

" یہ سمجھوتہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک کڑوا سچ جو سامنے ہے۔" اس سے خود کو باہر نکالنے اور بچانے کا ایک راستہ ہے۔

" تو کیا اس کے لئے؟"

" ہماری پہنچ اگر ان تک نہیں ہوگی تو پارلیامنٹ میں ہماری آواز کی گونج تک نہ ہوگی۔"

"نیتا بننا چاہتے ہو منا؟"

کمرہ ہنستا ہے۔ . . . بجلی آفس کی کلرکی کے بعد اب نیتا گیری کا نمبر ہے۔ بہت بڑا خواب لے کر جی رہے ہو۔ مسلمانوں کی نمائندگی کی بات کر رہے ہو۔ ان مسلم نیتاؤں سے جی بھر گیا کیا؟

" ہاں سب سے جی بھر گیا۔ وہ خود مرنے کے لئے سامنے نہیں آتے۔ ہمیں مرواتے ہیں۔ ہمیں سامنے کرتے ہیں۔ ہم پر گولیاں چلواتے ہیں۔ سب کو دیکھ لیا۔"

" اس لئے اب خود نیتا بننا چاہتے ہو؟"

" میں نیتا کہاں بن رہا ہوں۔ میں صرف برے دن سے واپسی چاہتا ہوں، جو خبریں مل رہی ہیں اس سے نجات چاہتا ہوں..... اور اس کے لئے ضروری ہے کہ —— کل میری بچی بڑی ہوگی —— کیا وہ محفوظ ہوگی؟ کون محفوظ ہوگا ——؟ میں تو صرف اپنی شرکت چاہتا ہوں کہ وہ سمجھیں کہ ہم کیڑے مکوڑے نہیں ہیں۔ ہم ان میں بھی شامل ہیں۔"

" لیکن اس شرکت سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔ تم کون سا ذلیل ہونے سے بچ جاؤ گے —— ؟"

کوئی آواز سر نکالتی ہے۔ تم قاسم بنو گے یا علیم بخت کی بھومیکا نبھاؤ گے تو مسلمانوں کے درمیان سے کاٹ دئے جاؤ گے۔ خود اپنے گھر سے تمہارا وشکار ہوگا —— ،

آواز بار بار شب خوں مارتی ہے.... خیر چھوڑو.... ہوا کیا تھا میاں تنویر حسین.... تم اچانک چلے کہاں گئے تھے.....؟

اس رات....

تنویر حسین کے لب پتھر ہو گئے تھے۔

● ●

کرفیو والی رات سے چار دن پہلے

انیم والی کوٹھی کے شوکت میاں کے یہاں آس پڑوس کے چار پانچ لوگ بیٹھے تھے۔ ان میں تنویر حسین بھی تھا۔

معاملہ وہی تھا۔ اگر کچھ ہوگیا تو ہم کیا کریں گے؟

کسی نے کہا، اکبر پورا، کھیم پور، علی پور، بہشتی ٹولہ وغیرہ محلوں میں مسلمانوں کی صورتحال زیادہ بھیانک نہیں ہے —— اس لئے کہ ان محلوں میں مسلمان اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ ایک تو حملہ ہوگا ہی نہیں.... اور دوسرا؟"

" دوسرا کیا؟"

بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک آدمی نے اعتراض کیا۔" ہم میں حملہ کرنے یا حملہ کا جواب دینے کی ہمت ہے؟ پہلے یہ بتائیے۔"

شوکت میاں بولے۔ مسلمان اکثریت والے محلوں کے بارے میں یہ سوچنا کہ یہاں کچھ نہیں ہوگا۔ سراسر بے بنیاد ہے۔ جبکہ اصلیت یہ ہے کہ یہ سامپردایک جماعتیں ایسے ہی محلوں کو پہلے اپنا نشانہ بناتی ہیں۔ اور مسلمانوں کے پاس ہے کیا، ہتھیار کے روپ میں؟

"اگر وہ حملہ کرتے ہیں تو جواب دینے کے لئے ہمارے پاس لاٹھیوں کے سوا اور کچھ ہوگا بھی نہیں۔"

اور تازہ صورت حال یہ ہے کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی یوجنا بنا رہے ہیں۔"

"فضا خراب ہے کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

" اور طے ہے کہ کچھ بھی ہوا تو مسلمان ہی مارے جائیں گے۔"

”اسی لئے ——— شوکت میاں نے خوف سے سہمے چہروں کو پڑھا ——— آپ نے سنا ہوگا۔ کئی محلوں میں بم بنائے جا رہے ہیں۔ چُپ چُپ یہ کام زوروں پر ہو رہا ہے۔ ہم بھی یہ کام کریں گے۔“

انہوں نے ایک طرف کونے میں بیٹھے ہوئے شریف بھائی کو اشارہ کیا۔

”یہ شریف بھائی ہیں۔ اکبرپورا میں رہتے ہیں۔ سلائی کا کاروبار ہے۔ یہ سکھائیں گے آپ کو بم بنانا۔“

منّا نے مسکرا کر دیکھا شریف بھائی کو ———

شریف بھائی ۴۰ - ۴۵ کی عمر کے ہوں گے ——— سنجیدہ آدمی .... وہ اٹک اٹک کر بولے .... جمانا نازک ہے .... بُرے وخت کے لیے مسلمانوں کو تیار رہنا چاہئے ———“

”لیکن سیکھنا کہاں ہوگا۔“

”یہیں آجایئے گا ———“

شوکت بھائی نے منّا کو دیکھا ——— میاں، کلیم پور کی صورتِ حال سب سے زیادہ نازک ہے۔ جب سے اس چھوٹے رگھو کی ہتیا ہوئی ہے، بھاجپا کے لوگ اس ہتھیا کو سمپردایک رنگ دے رہے ہیں۔

منّا کی آنکھیں پھیل گئیں .... گھر .... ابّا .... اماں .... شمّو .... نشّی .... ایک نظر میں بے بس اور لاچار یہ سارے نظر میں گھوم گئے ....

”خطرہ تصور سے زیادہ ہے۔“

منّا نے پلٹ کر پوچھا ——— ’میں کب سے سیکھنے لگوں‘

”ابھی، اسی وخت۔“

شریف بھائی مسکرائے، پھر گھر جا کر چوری چھپے بنانا مت بھولئے گا۔

”کلیم پورہ کی حالت نازک ہے، منّا کو اب اس کے علاوہ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا ———“

یوں تو دنگوں کی چھُٹ پُٹ ریہرسل ہوتی رہی تھی۔ لیکن کیا معلوم تھا کہ اچانک اتنی جلدی صورت اس حد تک نازک ہو جائے گی ——— اتنی جلد دنگے کی پرشٹھ بھومی تیار ہو جائے گی کہ سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔

جمعہ کے روز ویسے بھی کلیم پور میں صبح سے اس بات کی چرچا تھی کہ آج کچھ ہو کر رہے گا ———

●●

منّا صبح میں پان کی دکان پر تھا۔ پان کی دوکان پر آپس میں کچھ لوگ باتیں کر رہے تھے

”چار ٹرک باہر سے آدمی بلائے گئے ہیں۔“

”چار ٹرک؟“

پھر جیسے اس سے کچھ سُنا نہیں گیا۔ گھر میں آکر بُت بن گیا۔ لگا سر پر ایک خونی تلوار لٹک رہی ہے۔ منّا کو لگا ابھی مشتعل لوگ آئیں گے، پورے گھر میں آگ لگا دیں گے، سب مارے جائیں گے۔

اس دن منّا نے بجلی آفس سے بھی چھٹی کر لی ——— جمعہ کی نماز پڑھنے بھی نہیں گیا ہاں دروازے کے باہر جہاں اس نے کرائے پر دو دکانیں دے رکھی تھیں، ان کے پاس چلا آیا۔ یہ کرایہ دار بھی مسلمان تھے اور گیارہ بجے کے آس پاس ہی دکان بند کر کے چلے گئے تھے۔ ۱۱½ بجے کے آس پاس اس نے دیکھا بہت سی دکانوں کے شٹر گر گئے، جمعہ کی نماز کا وقت قریب آرہا تھا۔ سڑک پر انسانوں سے زیادہ پولیس نظر آرہی تھی۔ پی۔ اے سی کے جوانوں کے جتھے بندوق اور ہرڈل اٹھائے ایک طرف جاتے دکھائی دئے۔

”اگر کچھ ہو گیا تو؟“

منّا کے سامنے بس یہی سوال تھا۔ ان کے یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ شوکت بھائی کے یہاں ہے .... کیا اسے وہاں جانا چاہئے ——— اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ سڑک پر بھاگم بھاگ اور پولس دوڑ شروع ہو گئی۔ ساڑھے بارہ بجے اور ڈیڑھ بجے کے درمیان واقعات نے دنگوں کا لباس پہن لیا۔

شہر میں کرفیو لگ گیا۔

منّا بار بار اس خیال کی سطح پر تھا کہ کرفیو سے کیا ہوتا ہے۔۔۔۔ اُن کی پلاننگ ہے تو وہ آئیں گے۔ مسلمانوں پر حملہ کریں گے۔۔۔۔ وہ تو مقابلہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ حملہ کے لئے مناسب وقت تو رات ہے۔۔۔۔ اور پھر پولس تو خود ان کے ساتھ ہے۔

"لیکن کرفیو میں؟"

پھر اُسے کرفیو پاس کا خیال آیا ——— اسپتال کا بہانہ بنا دے گا۔ ماں سخت بیمار ہے ——— کچھ ناٹک کرے گا ———

سچ تھا کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ وہ بغیر کسی کو کچھ بتلائے چپ چاپ باہر نکل گیا

●●

کھیم پور سے تو وہ چپ چاپ باہر نکل گیا۔ چپل کی آواز بھی شور کر رہی تھی کھیم پور اور ٹکوا سے کراس کرتے ہی نالے کے اُدھر شو پوری کا علاقہ ہے۔ اُدھر کرفیو نہیں تھا۔ شو پوری ہو کر ہی انیم والی کوٹھی جایا جا سکتا تھا۔ شو پوری میں ڈم، مدھم روشنی میں ایک پان کی دوکان کے پاس کچھ لوگ کھڑے تھے۔

پھر اسے کچھ نہیں معلوم ———

اس کے سر پر کسی نے ڈنڈے سے وار کیا۔ وہ چکرا کر گر گیا۔۔۔۔

جب ہوش آیا تو وہ ڈاکٹر نریندر کی کلینک میں تھا۔ اور سدھیندو رائے اس پر جھکے ہوئے تھے۔۔۔۔

●●

یہ اتفاق تھا کہ سدھیندو رائے اپنی سائیکل سے نالہ کراس کر رہے تھے۔ انہوں نے زخمی حالت میں گرے ہوئے منّا کو دیکھا۔ پھر کسی طرح اس کے اسپتال لے جانے کے بارے میں سوچا۔ مگر اچانک خیال آیا کہ ذرا دُور پر اُن کے ڈاکٹر دوست اور پارٹی کے کاریہ کرتا ڈاکٹر نریندر رہتے ہیں۔

سدھیندو رائے زخمی منّا کو ڈاکٹر نریندر کی پرائیویٹ کلینک میں لے گئے۔ پولیس میں رپورٹ جان بوجھ کر نہیں لکھوائی کہ پولیس ایسے میں مصیبت کھڑی کر سکتی تھی۔

چوٹ شدید تھی۔ منّا کو ہوش تو آ گیا لیکن سر پھٹا جا رہا تھا۔ اچانک اسے سب کچھ یاد آ گیا ——— کرفیو، اس کا باہر نکلنا۔ ٹھیک اسی وقت اس کے کانوں میں ہلکی سی صدا سنائی پڑی۔ "جے شری رام۔۔۔۔"

دھندلے سے دو خاکے تھے جو باتیں کر رہے تھے۔ یہ ڈاکٹر نریندر اور سدھیندو رائے تھے۔ اسے ہوش میں آتا دیکھ کر سدھیندو رائے لپک کر گئے۔

"کیسے ہو؟"

اس نے سر پر ہاتھ رکھا، جیسے دماغ کی ساری نس کڑکڑا رہی ہو۔

"ابھی تو تم بہتر نہیں ہو۔ لیٹے رہو۔" ڈاکٹر نریندر مسکرا کر آگے بڑھے۔

"کس محلّے کے ہو ———؟"

"کھیم پور"

سر میں تیز چینک ہو رہی تھی۔

"نام ———"

اُس نے بیٹھتے ہوئے سر کو تھامتے ہوئے بتایا۔

"تنویر حسین۔"

"مسلمان ہے ———!"

ڈاکٹر نریندر مسکرا کر سدھیندو رائے سے بولے۔

●●

دوسرے دن صبح میں ڈاکٹر نریندر خود اس کے پاس چائے کا طشت لیکر پہنچے۔ سدھیندو رائے پہلے سے ہی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔

"مارننگ!" ڈاکٹر نریندر مسکرائے۔ "اب کیسے ہو؟"

"بہتر ہوں۔ لیکن سر اب بھی پھٹ رہا ہے۔"

"باہر کرفیو لگا ہے، گھر کوئی میسج بھجوانا ہے...."

"ہاں" کہتے کہتے وہ ٹھہر گیا.... نیم بے ہوشی اس پر طاری ہو رہی تھی....

"ابھی طبیعت پوری طرح درست نہیں ہوئی۔ جتنی چوٹ دماغ پر پڑی تھی، وہ اچھے اچھوں کے ہوش اڑانے کے لئے کافی ہے۔ دماغ کی نس پھٹ سکتی تھی، یادداشت گم ہو سکتی تھی۔"

"بہتر ہے اسے ابھی تم اپنی نگرانی میں رکھو۔"

ڈاکٹر نریندر اور سدھیندو رائے پھر پارٹی اور کاریہ کرموں کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

منّا کو عجیب سا لگا —— کیا اس پارٹی میں بھی اچھے لوگ موجود ہیں......

سدھیندو رائے نے اس کی جان بچائی۔ ڈاکٹر اس کی خیریت پوچھنے آتا ہے۔ مفت علاج کر رہا ہے....

اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ دماغ اب بھی پھٹ رہا تھا۔ غنودگی اسے بوجھل کر رہی تھی۔

دوپہر میں اس کی طبیعت ذرا ٹھیک لگی تو اس نے سدھیندو رائے سے پوچھا۔

"آپ بھاجپائی ہیں؟"

یہ سوال ایسا تھا جیسے پولس مجرم سے پوچھتی ہے.... بتاؤ، تم مجرم ہو.... تم نے قتل کیا ہے۔

"ہاں۔ ہوں تو؟"

"لگتے نہیں ——"

سدھیندو رائے ہنسے "تم کیا سمجھتے ہو، بھاجپائیوں کو سینگ ہوتی ہے؟"

وہ ہنس پڑا ——

"سینگ نہیں۔ پھر بھی۔"

"ظالم کا تصوّر ہوگا تمہارے پاس۔"

وہ چپ رہا ——

"سب بکواس" سدھیندو رائے مسکرائے "ہماری پارٹی کو ناحق بدنام کیا گیا ہے —— انسانوں کی عام نظر میں جو قدر اور عزّت ہے۔ وہی معاملہ ہماری پارٹی کے ساتھ ہے —— اب بتاؤ کیا ہم تمہیں جنگلی اور دنگائی لگتے ہیں؟"

"نہیں ——"

"ارے جو دنگا کرتے ہیں۔ وہ بھی تو آدمی ہوتے ہیں۔ مصلحت پسند اور سیاسی۔"

"آپ نہیں ہیں۔" منّا کو خود یہ حیرت تھی۔

"بالکل نہیں —— ہم تو ایک بات کہہ رہے ہیں۔ اور بات اگر یہی ہے تو اس پر ڈٹے رہنا اور دکھانا ہی کام رہ جاتا ہے —— سیاسی کھلواڑ تو دوسرے لوگ کر رہے ہیں ——"

سدھیندو رائے کو کچھ خیال آیا۔

"شام میں تمہارے محلّے میں دو گھنٹے کی ڈھیل ہے۔ گھر جانا چاہو یا خبر بھجوانا تو.... ویسے خبر بھجوا سکتے ہو۔ ابھی تمہاری طبیعت زیادہ ٹھیک نہیں۔ اس لئے آج بھر آرام کرو اور گھر خبر بھجوا دو۔"

"نہیں ——"

اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔

"کیوں۔ اچانک جا کر سرپرائز دو گے۔"

وہ بس آہستہ سے مسکرایا

"آج آرام کر لو۔ کل صبح ہی تمہارا نام کٹوا دیں گے۔ اب تم بہتر ہو۔"

"شکریہ۔"

منّا کو لگ رہا تھا.... ستّا اب ان سے زیادہ دور نہیں ہے.... یہ چاروں طرف چھا چکے ہیں.... ہر جگہ.... ہر محاذ پر.... ان سے فرار ناممکن ہے....

یہ سوال پہلے بھی اس کے دل میں کوندا تھا —— جب وہ حکومت میں آ ہی

رہے ہیں تو پھر کیا کرنا چاہیئے، دل کے کسی کونے سے آواز اٹھی تھی ..... ہمیں بھی ان کی پارٹی جوائن کر لینی چاہیئے ....

لیکن....

اور اس لیکن کے دائرے سے باہر شک و شبہات کی باروری لائن بچھی تھی.... لیکن ایک خطرہ اور بھی تھا کہ اگر پارٹی حکومت سنبھال لیتی ہے اور مسلمان اس سے کٹے کٹے رہتے ہیں تو پھر انہیں اپنے حقوق سے بھی ہاتھ دھونا ہوگا....

منّا کے چھوٹے سے دماغ میں یہ بات آگئی تھی....

اس نے سدھیندو رائے سے پوچھا۔

"ایک بات پوچھوں۔"

"ضرور۔"

"میں آپ کی پارٹی جوائن کرنا چاہتا ہوں۔"

● ●

"کیا ہوا ہے۔ کچھ بولتے کیوں نہیں آپ ؟"

دروازے پر گود میں نشی کو لئے شمیم کھڑی ہے۔

اور دنوں کی طرح غصہ نہیں آیا شمو پر۔ ڈانٹا نہیں۔ بگڑے نہیں۔ نشی کو گود میں لے لیا۔

نشی گود میں آتے ہی ہلکنے لگی۔

شمیم نے آنکھوں میں اترتے ہوئے آنسو کو پونچھا۔" آپ نے سب کو رلا دیا۔"

منّا نے ایک اچٹتی سی نظر شمیم پر ڈالی ..... سب کچھ وہی ہے.... گھر..... کمرہ.... شمو.... امّاں.... صرف وہ بدل گیا ہے.... وہ بدل گیا ہے.... وہ شمو کی طرف مڑا۔ آواز میں رکھائی شامل تھی۔

"کھانا لگا دو۔ بھوک لگی ہے ——"

⑧

'جوش صاحب.... بالمکند شرما جوش صاحب.... تشریف رکھتے ہیں ؟'

چودھری برکت حسین نے دروازے پر کھڑے کھڑے آواز لگائی۔ آواز لگا کر جیب سے پن ڈبّہ نکالا۔ پن ڈبّہ سے پان کی ایک گلوری نکالی۔ منہ میں ڈال کر چباتے رہے....

اندر سے نقاہت میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔

"کون ہے بھائی.... برکت.... برکت حسین!"

دروازے پر جوش صاحب کھڑے ہیں.... ارے آؤ بھائی.... اندر آجاؤ....'

کمرے میں چپّی ہے۔ کافی دنوں بعد مل رہے ہیں دونوں ایک دوسرے سے بیچ میں صرف ایک دن منّا کے غائب ہونے پر برکت حسین بالمکند سے ملنے آئے تھے.... پھر فضا ہی ایسی رہی کہ کوئی کسی سے کیا ملے....

"یہ سب کیا ہو رہا ہے بالمکند؟"

برکت حسین کی آواز کانپ رہی ہے۔

"یہ ہو رہا ہے برکت حسین کہ تم سے نظریں ملاتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔"

"واقعات نے کہیں کا رہنے نہیں دیا۔ ایک دیوار تقسیم نے کھڑی کر دی تھی۔ اس دیوار کو توڑنے میں برسوں لگے.... اب یہ نئی دیوار.... اب تو جان ہی جائے گی.... ہم کہاں رہیں گے ——؟"

"ہونہہ....."

برکت حسین پیک تھوکنے کے لئے اگالدان ڈھونڈتے ہیں۔ ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے دیکھ کر جوش صاحب طنز کرتے ہیں....

"میاں بدل رہے ہو۔ اتنے دن میں بدل گئے تم۔ میاں برکت حسین۔ ذرا ان دیواروں پر نظر ڈالئے.... پان کے سرخ نشانات، جہاں بھی نظر آرہے ہیں، سب

آپ ہی کی رہینِ منت تو ہیں۔ پھر یہ اکال دان کیوں ڈھونڈا جا رہا ہے؟"

"وہ ....."

ہنستے ہوئے برکت حسین پیک دیوار پر تھوک دیتے ہیں۔..." ہاں سچ کہتے ہو، سب کچھ بدل رہا ہے .... بدلنا پڑ رہا ہے میاں جوش.... کبھی کبھی ان دوستوں پر رشک آتا ہے جو ہم سے پہلے دنیا کا ساتھ چھوڑ گئے۔ کم از کم یہ بُرے دن دیکھنے سے بچ گئے نا ...."

جوش صاحب ٹھنڈی سانس بھرتے ہیں۔ ..."بُرے دن.... جو ہو رہا ہے... اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو لگتا ہے.... اس سے بھی بُرے دن آنے والے ہیں، اتنے بُرے دن، جن کے تصور بھی نہیں کئے ہوں گے ہم نے۔"

"ارے چھوڑو میاں .... چلو ایک بازی ہو جائے شطرنج کی۔"

جوش صاحب نے شطرنج تو نکال لیا۔ لیکن آنکھیں بساط سے زیادہ پچھلے دنوں ہوئے واقعات کے محاسبے میں پھنسی رہیں۔

مہرہ چلتے ہوئے برکت حسین بولے۔ 'منا تو آگیا ہے، لیکن بدلا بدلا سا ہے'

"کچھ بتایا نہیں میاں کہ کہاں گیا تھا۔"

"نہیں۔ پولیس کے پوچھنے پر بتا دیا کہ کرفیو کی وجہ سے ایک دوست کے یہاں ٹھہر گیا تھا۔"

"تم نے گم سم رہنے کی وجہ نہیں پوچھی ؟"

"کچھ بولتا ہی نہیں۔ گم سم چپ چاپ سوچتا رہتا ہے۔"

"پھر بھی پوچھنا تو چاہیے تھا کہ اچانک کہاں چلا گیا تھا۔"

"اب کیا فائدہ جوش میاں۔ لیکن جو ہوا ہے، اچھا نہیں ہوا ہے۔"

برکت حسین مہرے گرا دیتے ہیں۔"... اچھا چلتا ہوں جوش میاں۔ آج کھیل میں بھی دل نہیں لگا۔ پہلے سوچا تھا کچھ دیر بیٹھوں گا۔ دل بہلاؤں گا۔ مگر... خدا حافظ...."

برکت حسین چلے گئے....

جوش صاحب کے اندر کوئی آواز حرکت کرتی ہے ....

"... یہ دنیا جیسی ہے ویسی ہی رہے گی، بالمکند شرما جوش تمہارے کہنے سے نہیں بدلے گی اور اس دنیا میں تم جیسوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

وہ تیز تیز چلتے ہوئے کھلے میں آجاتے ہیں.... دماغ پر لگاتار کوئی ہتھوڑے برسا رہا ہے....

"یہ سب... میاں بالمکند شرما جوش.... تم ایک مرتی ہوئی صدی کا تماشہ دیکھنے کے لئے زندہ ہو۔ اپنے گھر میں ہی کس پر ادھیکار ہے تمہارا؟ اپنے بچوں پر....؟"

ایک گھٹی ہوئی سانس چھوڑتے ہیں وہ ....

"میرے بچے کہاں ہیں.... یہ تو بھاجپائی ہیں یا کانگریسی۔ یہ میرے بچے نہیں ہیں۔"

آواز کی دھمک سر پر مستقل پڑ رہی ہوئی تھی۔

حیرت گاہ

①

فضا شانت ہوگئی۔

لیکن کیا سچ مچ فضا شانت ہوئی تھی؟

ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا تھا کہ کرفیو ختم کر دیا گیا۔ مگر نکڑوں پر مسجد اور مندر کے چوراہوں پر، چوک پر جیسے پولیس چوکی بیٹھی تھی اور سچ پوچھئے تو فضا ویسی ہی بارڈری تھی، جیسے کچھ دنوں پہلے کی ریہرسل کے دَوران تھی۔ ڈر اور خوف لوگوں کے دلوں میں برابر بیٹھا ہوا تھا۔

اس بیچ تلاشی کا سلسلہ شروع ہوا —— پولس نے اچانک گھروں میں گھس کر ریڈ کرنا شروع کیا۔ کھیم پور کے علاوہ اکبر پورہ اور قریش محلّہ کے کئی لوگوں کی گرفتاری عمل میں آئی۔

اس دن اچانک پولیس نے چودھری برکت حسین کے یہاں ریڈ کر دیا۔

دروازہ کھولو ——

منّا گھر پر تھا۔ دروازہ کھول دیا۔

پولس کے سپاہی دندناتے ہوئے آگے بڑھ آئے۔ ایک نے آگے بڑھ کر منّا سے بدتمیزی کے انداز میں کہا۔

"بم کہاں ہے میاں جی؟"

"تمیز سے بات کرو۔"

منّا بپھرا تو پولس کے ایک سپاہی نے ڈنڈے سے منّا کو زور سے ٹھیلا۔

"سالے پولس سے جبان لڑاتا ہے۔"

منّا اڑ گیا —— "آپ تلاشی نہیں لے سکتے۔"

ایک سپاہی دوسرے سپاہی سے کہہ رہا تھا ...! سالے سب پاکستان سے ملے ہوئے ہیں۔"

منّا نے کچھ بولنا چاہا تو ایک سپاہی نے زور سے کہا .... "چپ .... ہمیں آرڈر ملا ہے۔"

پھر دیر تک اس آرڈر کی تعمیل ہوتی رہی .... چیزیں پھکاتی رہیں۔

چودھری برکت حسین سہمے سہمے سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔

ایک سپاہی ان کے پاس آکر مذاقیہ انداز میں بولا۔ "بم بنانا آپ سکھاتے ہو بابا جی ——!

بابا جی وہ ایسے لہجے میں بولا تھا کہ دوسرے سپاہی ہنس پڑے۔ اندر تلاشی کے کے بعد باقی دو سپاہی لوٹ آئے تھے۔

"چلو۔ یہاں سے کچھ نہیں ملا۔"

"چلو۔"

کڑیل مونچھوں والے سپاہی نے پلٹ کر برکت حسین سے پوچھا۔

"بابا، یہاں کوئی تہہ خانہ تو نہیں۔ سچ سچ بتائیے، ورنہ اگلوانا تو ہم جانتے ہی ہیں ...."

"ارے چلو یار۔"

دوسرے سپاہی نے اُسے کھینچا۔

جمیلہ اور شمیم بُری طرح سے کانپ رہی تھیں۔ یہ تو خیر تھا کہ سپاہیوں نے خواتین کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی .... منّا اندر ہی اندر تاؤ کھا رہا تھا .... یہ سب .... یعنی حد ہوگئی

ہے ـــــ ظلم کی انتہا کر دی ہے سالوں نے....

لیکن وہ تو....

کیا وہ مانیں گے۔ اگر اس نے بتانا بھی چاہا تو.... وہ کوئی پبلک فیگر تھوڑا ہے۔ اس نے تو بس دُور اندیشی کی ایک چال چلی ہے۔ یہ چال غلط بھی ہو سکتی ہے۔ مگر ـــــ

منا نے پکڑ کر شمو کو ڈانٹا۔

"کوئی بھی آتا ہے تو تم لوگ اندر کیوں چلی آتی ہو۔ کوئی شرم و حیا نہیں ہے۔ پولیس والے بدتمیزی سے پیش آتے تو...."

"ایسے ہی بدتمیزی سے پیش آتے، منہ نہ نوچ لیتی"

جمیلہ نے بہو کا ساتھ دیا۔

چودھری برکت حسین کے منہ میں جیسے تالہ لگ گیا تھا۔ ایسی بے عزتی۔ پولیس والا کس درجہ بدتمیزی سے اُن سے پیش آ رہا تھا۔ انگریزوں کا زمانہ ہوتا تو چلو کوئی بات ہوتی۔ غیر ہیں۔ ـــ ظلم کر رہے ہیں۔ غلامی ہے۔ اور غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کیلئے پاپڑ بھی بیلنے پڑتے ہیں گولیاں بھی کھانی پڑتی ہیں اور گالی بھی۔ مگر یہاں...

اپنے ہی وطن واسیوں سے یہ ذلّت.... یہ ذلت ان کے لئے ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ وہ کس قدر بے بس تھے۔ کتنے لاچار... انہیں لگتا ہے... پولیس کی طاقت دن بڑھتی جا رہی ہے.... اور پولیس میں... فوج میں... مسلمانوں کے لئے انتقام اور نفرت کا جذبہ بھی بڑھتا پھیلتا جا رہا ہے۔ ـــ برسوں کی پرانی کہانی.... میل ملاپ کے تاریخی قصے انہی قصوں کو تو دہراتے ہیں بالمکند شرما جوش...

یار برکت حسین۔ نئے بچوں سے پوچھو تو غالب و اقبال کے نام پر بغلیں جھانکیں۔ کون ہیں یہ، میری پوتی مالو پوچھتی ہے... دادو... آپ مسلمان ہیں کیا.... آپ اُردو پڑھتے ہیں... اردو ـــ مسلمان ـــ بچے بھی پوچھتے ہیں مجھ سے۔ آخر مسلمانوں سے کیا ہمدردی ہے مجھے۔ کیوں ان کا پچھ لیتا ہوں ـــ ان کے بارے میں بُرا کیوں سننا نہیں چاہتا۔ اس کا الٹا جواب بھی ہو سکتا ہے کہ میاں ہمدردی نہیں ہونے کی وجہ کیا ہے۔ اور ان کے بارے میں بُرا کیوں سننا چاہو

گا ـــــ میاں، جب برسوں سے، مدتوں سے رہنا سہنا ایک ساتھ ایک طرح سے ہوا ہے تو پھر ان سے خود کو کاٹنے کی بات کیسے سوچوں برکت حسین ـــ اب تو ہم تم جسم کے ایک ٹکڑے ہی لگتے ہو۔ تمہیں تکلیف ہوتی ہے تو دل پر چوٹ پہنچتی ہے۔ بچے اس درد کو نہیں سمجھتے۔ بچے اردو اور مسلمان جانتے ہیں ـــــ بچے نیا اتہاس اور نیا سبق جانتے ہیں ـــــ کل تو سارے کام اُردو میں ہوتے تھے۔ آپا حضور کی قابلیت تو فارسی میں بھی دیکھتے بنتی تھی۔ اس بیچ کو ہم کیسے جھٹلا دیں کر میاں زبان کی چاشنی دیکھنی ہو تو اُردو کے دامن میں اتر کر دیکھو۔ نہیں برکت حسین میاں بچے اپنے زمانے کے اتار چڑھاؤ کو زبان جانتے ہیں۔ ہمارے تمہارے درد کو نہیں سمجھتے۔"

برکت حسین آہ کھینچتے ہیں... بالمکند جوش میاں.... تم سچ کہتے ہو... ہم اُردو بولتے ہیں۔ اس لئے ہم اس ملک کے تیسرے درجے کے شہری ہیں۔ انہیں حق حاصل ہے کہ ہمیں خوفزدہ کر کے ہمارے گھر کی "تلاشی لے سکتے" ہیں۔ قانون، قاعدے، اب ہمارے لئے نہیں رہے جوش میاں... لگتا ہے.... دھیرے دھیرے مسلمانوں کے لئے ملک کی تہذیب اور سیکولر تہذیب کے طور طریقے سب اٹھتے جا رہے ہیں... اس لئے اب اگر منّا بگڑتا ہے کہ آپ کل پاکستان کیوں نہیں چلے گئے... تو اُسے جواب دیتے نہیں بنتا یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہاں کون سے خوش ہو تم.... وہاں بھی مُدتوں برسوں رہ کر اُردو بول کر مہاجر ہی کہلا رہے ہو تم... تم بلوچی ہو، سندھی، پٹھان ہو... مگر مسلمان کہاں ہو....

پاکستان میں کون سا مارکا سٹ کم ہے۔ جو وہاں جاتا... کون سی خوشی ہے وہاں مگر جوش میاں... جس ملک پر ناز تھا، اُس کے باسیوں اور فوج نے ہم بُرا نے لوگوں کو زخمی کر دیا ہے...'

●●

احساس اور جذبات کی موجیں اُچھل پہ آئیں تو آنکھیں بھر آئیں۔ کارنس سے اتار کر شیروانی پہنی۔ لاٹھی تھامی۔

منّا نے آواز لگائی۔

'کہاں چلے؟'

"اور کہاں جا سکتا ہوں؟"

اس کی آواز نرم تھی۔ "جائیے مگر جلد لوٹ آئیے گا۔"

●●

انیل کافی دنوں بعد لوٹا تھا ـــــ انہوں نے غور سے انیل کو دیکھا۔ انیل آگے بڑھا۔ چرن چھوئے۔ انہوں نے آشیرواد دیا۔

"جگ جگ جیو۔ چاند سا بیٹا ہوئے؟"

"اسی آسرے پر تو جی رہا ہوں چاچا۔ دیکھئے بھگوان کو ہماری خوشی کب منظور ہوتی ہے"

"ناامید کیوں ہوتے ہو۔؟"

"ناامید نہیں ہوتا چاچا۔ لیکن کبھی کبھی لگتا ہے، سارے دکھوں کے لئے کیا اکیلے ہم ہی رہ گئے ہیں۔"

"سارے دکھ؟"

برکت حسین چونک گئے ـــــ

"اب آپ سے کیا کہوں چاچا.... ایک دکھ تو بچے کا ہے۔ تلسی کی جان الگ گھلتی جا رہی ہے.... اور اس پر ملک کا حشر.... ان بھاجپائیوں پر تو غصہ آتا ہے۔ صرف حکومت کی چاہ.... اور چاروں طرف آگ بھڑک رہی ہے۔"

"چھوڑو بیٹا ان باتوں کو.... کچھ دوسری باتیں کرو۔"

انیل کے چہرے پر بل پڑ گئے۔ اب اس دیش میں کچھ دوسری باتیں بھی ہیں۔ چاچا آنکھوں کے سامنے دیش ٹوٹ رہا ہے۔ عام دیکتی کو سامپردائیکتا کا زہر کھاتا جا رہا ہے۔۔ وہ ہماری آپس کی مثالی ایکتا سے کھیل رہے ہیں۔ اب دوسری باتیں کون سی ہیں چاچا!"

برکت حسین نے اسے غور سے دیکھا۔ بچپن میں گود میں کھلایا تھا اب سیاسی زبان میں، نیتاؤں والی بھاشا میں بات کر رہا تھا۔

"آج کل پارٹی میں زیادہ آنا جانا لگتا ہے۔"

"زیادہ کیا ہے بس۔ پہلے پریس کے کام سے جاتا تھا۔ اب راجنیتی میں تھوڑا بہت

مزہ ملنے لگا ہے۔

انیل نے ٹھہر کر پوچھا۔ لیکن آپ کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں چاچا ـــ

برکت حسین نے گہری سانس بھری۔ پھر کم سے کم لفظوں میں تلاشی اور پولیس کی بدتمیزی کی داستان بتا دی۔

انیل طیش کھا گیا۔

"مُنّا نے مارا کیوں نہیں؟!"

"کسے مارتا ـــ جان سے جانا تھا کیا؟"

"آپ نہیں جانتے چاچا۔ ان کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کے حوصلے بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔"

"تو تمہاری پارٹی کیا کر رہی ہے۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مدعا ہی ایسا اٹھایا ہے ـــ جے شری رام جیسے اب صرف ان کی جھولی میں ہیں۔ ہم سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ عام آدمی بیچارا تو ناسمجھ ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہے یہ مندر بنا رہے ہیں تو یہی صحیح ہیں۔"

"اس کا مطلب تم بھی سمجھتے ہو کہ یہ پاور میں آ سکتے ہیں۔"

"نہیں۔ لیکن ان کی طاقت کا بھی اندازہ ہے۔ یعنی یہ آ بھی سکتے ہیں، اس بات کو پوری طرح سے نظرانداز بھی تو نہیں کیا جا سکتا چاچا۔"

اور اگر آ گئے تو....؟

"تب سمجھئے ـــ انیل نے پوری گمبھیرتا سے کہا۔ تب آپ ہی نہیں ہم بھی سرکھشت نہیں یعنی سچ بولنے والے۔ اور تب وشواس رکھئے دیش ٹوٹ جائے گا۔"

انیل پھر سے سیاستدان کی طرح تقریر پر اتر آیا تھا۔

برکت حسین نے جھٹ بات بدل دی

"نریندر کہاں ہے؟"

نریندر ـــ انیل نے منہ بنایا۔ آج کل بھاجپا اور آر۔ ایس ایس والوں کی خوب

میٹنگیں چل رہی ہیں۔ اور آپ تو جانتے ہیں کہ نریندر پکا بھاجپائی ہے۔

برکت حسین نے دعا دی... بیٹا بھاجپائی ہو یا کانگریسی۔ دونوں میری آنکھوں کے سامنے پلے ہو.... گودی میں کھیلے ہو... میں تو یہی دعا دیتا ہوں کہ بھائیوں میں میل محبت بنی رہے۔ سب سے بڑی چیز یہی ہے۔

اندر سے کھکھارنے کی آواز آئی تھی۔

انیل بولا... لگتا ہے تایا جی آرہے ہیں۔ اچھا چاچا جی... میں چلا۔

بالمکند شرما جوش نے برکت حسین کو دیکھا — میاں، آج شطرنج اکیلے ہی کھیل رہا تھا تم آگئے تو... چلو ایک بازی ہو جائے۔ اور ہاں... کچھ تازہ تازہ اشعار ہوئے ہیں۔ وہ بھی سن لینا۔

چلئے۔ جب اشعار ہو ہی گئے ہیں تو آپ کہاں بخشنے والے ہیں۔

۲

مالو صبح سے کھانس رہی تھی۔

بالمکند پچھلے دنوں کا زخم بھلانے کے لئے پھر سے شاعری کی دنیا میں واپس آچکے تھے... کمرہ تھا اور ان کا ٹہلنا... ٹہلتے ٹہلتے... ریک سے، اردو کتابوں کے درمیان سے کوئی کتاب اٹھا لیتے۔ اٹھتے چلتے۔ پھر شاعری کی دنیا میں کھو جاتے...

اماں قافیہ تنگ ہے... بات نہیں بن رہی...

ٹہلتے ٹہلتے... وہ ٹھہرے... مالو کھانس رہی ہے۔ پریشان ہو گئے بالمکند — غیر ذمہ دار لڑکے۔ بچی کھانس رہی ہے۔ یہ نہیں کہ ڈاکٹر کے یہاں لے جائیں۔

نریندر — انہوں نے پکارا —

دو ایک پکار کے بعد بہو کی آواز سنائی پڑی۔

کیا ہے باؤ جی۔

"یہ مالو کھانس کیوں رہی ہے؟"

"ہلکا ہلکا بخار ہے باؤ جی۔"

"بخار ہے؟" وہ ٹھہر گئے۔ ڈاکٹر کو دکھایا؟

"نہیں۔"

کیوں؟

اوما نے سر جھکا لیا۔ وہ کام سے چلے گئے۔

"گھر میں اور کوئی نہیں ہے۔"

"میں ہوں نا؟"

اوما نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ اوہ — بالمکند نے سمجھا۔ انیل ہوگا۔ بہو بولنے سے کترا رہی ہوگی — انہوں نے انیل کو پکار لگائی۔ انیل آگیا تو وہ شکایت کے لہجے میں بولے "گھر میں ہو تو گھر کا کچھ خیال بھی تو رہنا چاہیے۔"

"ہوا کیا ہے؟"

مالو بیمار ہے۔ ڈاکٹر کے یہاں لے جانے والا کوئی نہیں۔

انیل کے ماتھے پر شکن پڑ گئی — نریندر اپنی ذمہ داری سمجھتا ہی نہیں۔

"چلو۔ نریندر نہیں ہے تو کیا ہوا۔ تم تو ہو۔"

بالمکند کہتے کہتے ٹھہر گئے۔ انہوں نے دیکھا، انیل کے چہرے پر شکن پڑ گئی ہے تجربات کے حوادث سے گزرتے ہوئے سرد اور گرم موسموں کا اندازہ تو ہو ہی گیا تھا انہیں... کہ اب وہ پرانا زمانہ نہیں رہا۔ تعظیم و تکریم کی روایت بھائیوں کے درمیان سے بھی اٹھتی جا رہی ہے۔

انیل کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

"تایا جی۔ مجھے پریس کا کام ہے۔"

ڈاکٹر جسوال پڑوس میں ہی تو رہتے ہیں بیٹا۔

"اب میں کیسے کہوں۔ مجھے کام ہے۔"

انیل ٹھہرا نہیں۔ فوراً چلا گیا۔

وہ چھن سے رہ گئے۔ بھائیوں کے درمیان خلش اس حد تک بڑھ چکی ہوگی۔ انہیں پتہ نہ تھا ـــ وہ چھوٹی سی بچی۔ مالو... اُس کا قصور کیا ہے۔

مشاعرے کے لئے غزل پوری نہیں ہوئی۔ مگر مشاعرے میں تو جانا ہے۔ پچھلے دنوں مچے دنگوں اور فرقہ واریت کے خلاف یہ مشاعرہ ہے... ایسے مشاعروں میں تو جب نا چاہئے نا اپنا آپ نکال کر ہلکا کرنا چاہئے نا... بیٹھے ہوئے لوگ... شعروشاعری کی ادبی فضا اور غزل کا حسن ـــ ذرا دیر کو جی بھی بہل جاتا ہے اور بالمکند شرما جوش کو روحانی تسکین بھی مل جاتی ہے۔

مالو... رے مالو...

آواز لگاتے ہوئے پیچھے تک آئے... لیکن دادو کہنے والی سریلی آواز چپ ہی رہی بستر پر مالو بڑی بخار سے تپ رہی تھی... انہوں نے پیشانی چھوا اور لگا ہاتھ جیسے گرم گرم توے پر پڑگیا ہو۔

" ارے اسے تو سخت بخار ہے۔ بہو..."

ہارلکس کا گلاس لے کر اوما کمرے میں آگئی... اس کے چہرے پر غصہ تھا۔ وہ شکایت کے لہجے میں بولی۔

"میں پہلے ہی آپ کو منع کرنے والی تھی بابوجی۔ زبان خالی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہماری بچی مرے چاہے جئے۔ کسی کو کیا فرق پڑتا ہے۔"

"بہو!"

اوما جیسے بہاؤ میں بہہ گئی تھی... بہت ضبط کیا ہے بابوجی... چھوٹے چھوٹے کام سے لے کر پورے گھر کی صفائی تک۔ جیسے ایک نوکرانی میں ہی رہ گئی تھی۔ دوسرے کسی کو خیال بھی نہیں... ارے آدمی ایک گھر میں رہتا ہے تو اس کے سُکھ دکھ کے بارے میں تو پوچھتا ہے نا۔ یہاں تو یہ بھی نہیں... یہ بھائی ہیں انکے ـــ ہمارے یہاں تو ایسا نہیں ہوتا۔

اوما کو موقع ملا تھا ـــ

بالمکند نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "بہو دھیرے بول۔ اس طرح کی باتوں سے کیا فائدہ۔ لاؤ میں لے جاتا ہوں۔"

"نہیں میں لے جاتی ہوں۔"

اوما ہارلکس پلاتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی... یہاں سب کو میری بات زہر لگتی ہے میری بچی مر رہی ہے۔ لوگوں سے یہ بھی نہیں ہوتا کہ اُس کی خیریت ہی آکر پوچھ لیں۔

بالمکند شرما جوش بے دلی سے اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔ مالو کی بیماری، بہو کا غصہ اور آپس میں بڑھتے ہوئے فاصلے اب شعروشاعری کچھ بھی بھلی نہیں لگ رہی تھی... ایک بار پھر وہ پچھلے دنوں کے ماحول میں پہنچ گئے تھے اور دماغ میں صرف توپیں گرج رہی تھیں اور چیخیں سنائی دے رہی تھیں ـــ

(۳)

انیل کا آفسیٹ پریس کا بزنس تھا۔ پریس کے سلسلے میں کام لانے کے لئے وہ زیادہ تر سرکاری اور پارٹی دفتروں کے چکر کاٹتا رہتا تھا... پارٹی آفسوں سے ہی اُسے اتنا کام مل جاتا کہ اس کے لئے جلد انجام دینا آسان نہ ہوتا۔ کلینڈر، اشتہاروں سے لے کر بینر، پتر یکائیں اور چھوٹے موٹے بروشیر تک... ایسے ہی کام کے سلسلے میں کانگریس پارٹی سے اُس کا جو ناطہ جڑا وہ پروفیشن سے لے کر اس کی ذاتی دلچسپی کا بھی ایک حصہ بنتا گیا۔ پارٹی دفتروں میں اس کے تجربے بڑے انوکھے ہوتے۔ جیسے کانگریس سیوا دل میں اس نے ایک آدمی کو پچھلے برس چپراسی کے طور پہ چائے پلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے خود اُس کے ہاتھوں سے چائے پی تھی۔ اور اس بار اُسے شاندار جیپ سے آتے دیکھا تو وہ چونک پڑا۔ یار یہ پارٹی آفس ہوتی ہے یا حیرت کرنے کی جگہ... اُس آدمی کا نام جاوید تھا اور پچھلے کئی برس سے وہ اپنے علاقے کے ادھیکچھ پد کو پراپت کرنے کی لڑائی لڑ رہا تھا۔ سو ایک موقع مل گیا... اور چائے پلاتے پلاتے جاوید جیپ میں بیٹھنے کے لائق

ہو گیا ـــــ

انیل کو رشک آتا تھا۔ ایک موقع ملے تو آدمی کہاں سے کہاں اُٹھ آتا ہے۔ اور ایک اس کا بزنس ہے۔ بے غیرتوں کی طرح ٹرّاتے رہو۔ بھاگتے دوڑتے رہو۔ یہاں تو پیسہ بھی ہے نام بھی ہے ـــ اتفاق سے سیوادل کی معرفت ایسے لوگوں سے واسطہ پڑ گیا تھا، جن کے اثر و رسوخ بھی زیادہ تھے۔ پچھلے لوک سبھا چناؤ کے وقت سیوادل کے کئی لوگوں نے پارٹی دفتر میں اپنا اپنا بایوڈاٹا بھجوایا تھا۔ یونہی مذاق مذاق میں اس سے بھی کہا گیا۔ "بھائی سارے لوگ بھر رہے ہیں۔ تم بھی اپنا بایوڈاٹا دے دو۔"

"لیکن میں کیا دوں گا۔ میں نے تو پارٹی کے لئے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔"

رامیشور نیکھرا جی مسکرائے تھے ـــ "انیل شرما جی۔ ارے کرتا کون ہے۔ لکھ دیجئے اتنے پرنکیپن شور میں بھاگ لیا۔ سیوادل ریلی میں رہے۔ اپنے یہاں کیمپ لگایا باقی تفصیل ہم سویم بتادیں گے۔۔۔ ارے سب چلتا ہے۔ آپ ایک بایوڈاٹا دے ہی دیجئے۔"

"سب فاس چلتا ہے تو پھر دے ہی دوں گا۔"

انیل نے ایک بایوڈاٹا بھی جمع کر دیا۔ پسند کی کانسٹی چیونسی میں اپنے شہر کا نام بھر دیا لیکن بایوڈاٹا جمع کرنے سے بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ لیکن اس سے ایک بات ہوئی نیتاگیری کی بھوک بڑھ گئی ـــ جیسے اب وہ جاننے کو بے چین رہتا تھا کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔۔۔ کب ہو رہا ہے اُسے کیا کرے! ہولی دیوالی میں بڑے بڑے افسروں تک مٹھائی لے جانے سے لے کر سبھاؤں کے نام پر پیسے تک خرچ کرنے سے وہ چوکتا نہیں تھا۔ اب تو پاس پڑوس کے لوگ اس کے پاس کام بھی لے کر آنے لگے تھے۔ یہ کرا دیجئے۔ آپ کی پہنچ منتریوں تک ہے۔ آپ سے ہو جائے گا۔ آپ جو پیسہ کہیں ہم آپ کے ہاتھ پر رکھ دیں مگر کام ہو جانا چاہیئے۔

لیکن بُرا ہو نریندر کا۔ گھر میں ہی اس کا پرتیدوندی (مخالف) موجود تھا۔ نریندر کو انیل کے ملنے والے کانگریسی پسند نہیں تھے تو انیل کو ہندو دھرم کا بھونڈا پردرشن کرنے والے بھاجپائی۔۔۔ جیسے وہ نیل کنٹھ کا بچہ جو بے شرم ہو کر ہاتھ جوڑتا تھا۔

انیل بھیا۔ جے شری رام۔

ایک بار اس نے ٹوکا بھی تھا۔ "ارے نیل کنٹھ۔ ہم کو کا کہتے ہو جے شری رام۔ رام جی تو بس تمہارے ہیں اب۔"

نیل کنٹھ نے ٹھہاکا لگایا ـــ "ایسا کیا ہوا بھیا ـــ رام جی تو سب کے ہیں ـــ سارے جگ کے رام۔"

"سارے جگ کے پہلے تھے۔ اب تو تمہارے ہیں۔۔ تمہاری پارٹی کے۔"

"پارٹی وارٹی کی بات یہاں چھوڑیئے بھیا۔ آپ ہیں تو ہمارے بڑے بھائی سمان۔ دیکھئے گا ایک دن آپ بھی ہماری اور لوٹ آیئے گا ـــ"

انیل کھیج سے بھر گیا۔ اس کا گھر نہیں ہوتا تو وہ بھی دس گالیوں سے دعوت کرتا نیل کنٹھ کی لیکن ایک تو اس کا گھر، اُس کے چھوٹے بھائی کا دوست۔ اور بچپن سے ستا آیا تھا۔ گھر آئے مہمان کی بے عزتی نہیں کرنا چاہیے، سو چپ رہنے میں ہی اس نے بھلائی سمجھی۔

نیل کنٹھ من ہی من مسکراتے ہوئے اندر نریندر سے ملنے چلا گیا۔

●●

انیل سے بھی آئے دن پارٹی اختلاف کو لے کر اس کی بحث ہوتی رہتی، کہنا چاہیئے، معاملہ دل کی سطح پر کچھ اتنا بڑھا تھا کہ اب ملنے ملانے میں بھائیوں جیسی بات رہی نہیں تھی۔ اس بات کو نریندر بھی جان رہا تھا اور انیل بھی محسوس کر رہا تھا۔

خیالات کی سطح پر اس فرق نے دونوں بھائیوں کے بیچ رنجش پیدا کر دی تھی ـــ کہا گھر کا تو ماحول پہلے سے ہی بن گیا تھا لیکن دھیرے دھیرے ان کے آپسی تناؤ سے بھی جو فضا بن رہی تھی، اس نے گھر کا سکون چھین لیا تھا۔

انیل گھر آیا تو تلسی پہلے سے ہی اُچھنائی، بیٹھی تھی۔ پتی کی چھتر چھایا ملتے ہی اُس نے رونا دھونا شروع کر دیا۔

"ارے ہوا کیا؟"

"اب ہونے کو رہ کیا گیا ہے اس گھر میں۔"

انیل کا ماتھا ٹھنکا۔ صاف صاف کیوں نہیں بتاتی۔

"یہ صاف صاف پوچھتے ہیں... "تلسی زور زور سے رونے لگی تھی.... "جیسے جانتے ہی نہیں۔ سارا دن اکیلا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور گالیاں کھانے کے لئے ہمیں چھوڑ جاتے ہیں"

"کسی نے کچھ کہا کیا؟"

"اب اس کے علاوہ اور ہے کیا اس گھر میں ــــ مالو کو آپ نے نہیں گنے ــــ اور اوما نے جو کھری کھوٹی باؤ جی کے رہتے ہمیں سنائی ہے.... ارے میں کہتی ہوں... آپ کی کوئی حیثیت ہے بھی اس گھر میں کہ نہیں۔ کتنی بار کہا، اس گھر سے جھنجھٹ ہٹا لیجئے ــــ یا تو اپنا چوکا چکی الگ کرا لیجئے یا پھر کہیں اور مکان لے لیجئے۔"

انیل بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

تلسی اب بھی روئے جا رہی تھی۔

انیل نے ٹھہر کر کہا، "تم سچ کہتی ہو... پانی سر سے اونچا ہونے لگا ہے۔ باؤ جی کی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ باؤ جی نے ہمیں اپنا ہی کب سمجھا۔ بس ماں تک۔ ماں تھی تو اس گھر کا واتاورن ہی دوسرا تھا... ماں کے بعد تو ہم ایکدم اناتھ ہو گئے۔ یوں بھی باؤ جی نے.... سچ کہوں تو کبھی بیٹے جیسا ہمیں نہیں سمجھا۔ ہاں بس دکھ تکلیف میں خیر خبر پوچھ لی۔"

"خیر خبر بھی نریندر اور گھر والی کی ہی پوچھتے ہیں۔ ہماری کہاں۔ ہم مریں یا جئیں۔"

"لیکن یہ تو باؤ جی کی شروع سے عادت ہے" ــــ اماں کہتی تھیں، باؤ جی ہمیں اپنے انداز سے تعلیم دلوانا چاہتے تھے۔ اماں اور اماں کے ماتا پتا کو یہ پسند نہیں تھا۔ باؤ جی چاہتے تھے کہ ہم اردو پڑھیں۔ ہمارے لئے ملا مولوی رکھے جائیں۔ جبکہ اماں اور اماں کے ماں باپ سمجھ چکے تھے کہ وقت بدل چکا ہے۔ لیکن باؤ جی نہیں سمجھے۔ مسلم نوابوں اور گھرانوں کی جو چاٹ انہیں کل لگی تھی، وہ آج بھی لگی ہوئی ہے۔ اس لئے باؤ جی کو ہم دوش نہیں دیتے۔ باؤ جی بھی ہم سے کٹے کٹے رہتے ہیں۔

"لیکن یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ اوما بولے جا رہی تھی باؤ جی کو بڑی بہو کا بھی تو کچھ لحاظ

ہونا چاہئے تھا ــــ

●●

انیل نے آتے ہی صبح کے یہ جو کارنامے سنے تو دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ آئے دن ایسی باتوں نے جینا حرام کر کے رکھ دیا تھا۔ آنکھوں کے آگے اماں اترتی تھیں... اماں جو کہا کرتی تھیں... ارے نادانو... تم کچھ بن گئے تو یہ سب میرے کارن ہے۔ بھگوان کا نام لو جو میری جیسی ماں نصیب ہوئی ورنہ تم لوگوں کے باؤ جی کم ضدی نہیں تھے۔ ارے میں تھی، جو اپنی ہٹ پر قائم رہی۔ ورنہ تمہارے سروں پر ٹوپیاں چڑھی ہوتیں۔'

باؤ جی ایسے کیوں ہیں؟ اُسے تو اب دور دور تک کوئی بھی ایسا نظر نہیں آ رہا تھا۔ آزادی کو تو برسوں گزر گئے۔ اب دور دور تک دیکھئے تو باؤ جی جیسے لوگ نہیں ملیں گے... ارے تین چار سال بہت ہوتے ہیں پریورتن کے ــــ کتنا بڑا پریورتن آ گیا ــــ سب کچھ بدل گیا۔ باؤ جی کے سنسکاروں میں نہیں آیا ــــ یاد آیا ایک بار اسی سنسکار کی بات پر باؤ جی بگڑے تھے۔ تم لوگ سمجھتے ہو کہ بس سارا دن پوجا پر بیٹھا رہوں تبھی سنسکار ہے۔ ارے صبح اٹھتا ہوں۔ نہا دھو کر رام نام جپتا ہوں۔ پوجا کر لیتا ہوں۔ یہ بھی سنسکار ہے۔ پھر اس کے بعد میری دنیا ہے... اور اپنی دنیا اپنی طرح سے جیتا ہوں میں... اور جان لو... اپنی دنیا اپنی طرح سے جینا کسی دھرم میں گناہ نہیں ہے۔

جب کالج میں تھے تو دوست یار حیرت کرتے تھے۔ تمہارے باؤ جی اردو پڑھتے ہیں شاعر ہیں؟ اچھا لکھ بھی لیتے ہیں ــــ سچ تو یہی تھا کہ اس وقت تک اردو پڑھنے اور لکھنے کے دستور سے باہر نکل آیا تھا زمانہ ــــ غیر مسلموں کا اردو پڑھنا اب حیرت کی بات تھی۔ حیرت کی بات اس لئے کہ گنے چنے پرانے زمانے کے کچھ لوگ ہی رہ گئے تھے۔ انیل اور نریندر کو تو اردو کے کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نظر نہیں آتے تھے ــــ مگر باؤ جی کی دنیا یہی تھی... یہی مختصر سا جہاں انہوں نے آباد کر رکھا تھا ــــ اور شاید اسی غم میں پگھلتے رہتے تھے کہ ان کے بچوں نے ان کے طور طریقے، رہن سہن نہیں سیکھے۔ اب یہ سب ان کے بعد ختم ہو جائے گا۔

●●

شام میں نریندر آیا تو نریندر کٹا کٹا سا تھا۔ ایک بار باتھ روم جاتے ہوئے دونوں

کی تحریبھی ہوئی۔ زیندر کی آنکھوں میں تیکھا پن تھا۔ جیسے اپنل سے چڑھا ہوا ہو ـــ اپنل بھی چپ رہا ـــ دونوں بہوئیں اپنے اپنے کمرے میں بند تھیں۔

شام کو بالمکند کو چائے کی طلب ہوئی... بہو... بہو کہتے ہوئے نیچے آئے۔ ہوا میں الفاظ اچھالے...

"ارے کوئی اس بھوکے پیاسے کو چائے پلا سکتا ہے۔ ایک کپ چائے کا سوال ہے ـــ"

آئے تھے اچھے موڈ میں، بشکل سے بنایا تھا اچھا موڈ۔ سوچ تھا صبح کا زہر کافور ہو گیا ہوگا۔ لیکن نیچے اترنے پر آواز لگاتے ہی جو پہلی چوٹ ان پر ہوئی تھی، وہ تھی ـــ بڑی بہو نے زور سے دروازہ بند کیا تھا۔ جھٹ سے اس زور سے بند کرنے کا مطلب تو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے.... بہو ناراض ہے۔ مگر اس میں انکا کیا قصور.... اچھے موڈ کا فوراً ہی ستیاناس ہو گیا تھا ـــ تبھی ساڑی کا پلو برابر کرتی بغل والے کمرے سے اوما نکلی۔

"باؤجی چائے چاہیئے۔"

"ہاں۔ مالو کیسی ہے۔"

"اندر آئیے نا۔ اب اچھی ہے... دڈو... دڈو پوچھ رہی تھی۔"

"ٹھیک ہے بہو۔ جب تک میں مالو سے بات کرتا ہوں... تم چائے بناؤ ـــ"

وہ کمرے میں آئے... مالو اب چہرے سے صحت مند لگ رہی تھی... دڈو کو دیکھ کر مالو نے تالی بجائی...

"آگئے دڈو... واہ... واہ... آگئے دڈو؟"

"ہاں آگیا۔ لیکن مٹھائی نہیں لایا۔"

"کیوں؟"

"پہلے طبیعت خراب کر لیتی ہے... دڈو کو چائے کے لئے نہیں پوچھتی ہو.... اور.... چائے تو ممی بنانے گئی ہیں۔"

"ہاں ـــ"

"اچھا ایک بات پوچھوں دڈو۔"

بخار کے بعد صحت مندی کے آثار نے مالو کو کھلا دیا تھا ـــ

"یہ دنگے کیوں ہوتے ہیں دڈو... دنگوں میں لوگ ایک دوسرے کو جان سے مار دیتے ہیں۔ مندر توڑ دیتے ہیں۔"

"چپ!"

"کوئی مندر توڑے گا تو میں ایک جھاپڑ لگاؤں گی۔"

"چپ"۔

"اچھا یہ مسلمان لوگ مندر توڑتے ہیں نا"

"چپ... وہ زور سے ڈکرے، یہ کون سکھاتا ہے الٹی سیدھی تجھے۔"

"پاپا کے دوست آتے ہیں نا۔ میں سب سنتی ہوں۔"

وہ سنجیدہ ہو گئے... یہ چھپ چھپ کر بڑوں کی باتیں سننا اچھی بات نہیں ہے بیٹا۔ مندر مسجد کوئی نہیں توڑتا ـــ وہ پیار سے بولے۔ اور ایک بات اور سن لو بیٹیا ـــ تم بڑی ہو؟

"ہاں۔"

"تم اور بڑی ہوگی؟"

"ہاں۔"

"اور ایک دن کالج میں پڑھوگی۔"

"پڑھوں گی۔"

"پھر پاپا جتنی ہو جاؤ گی؟"

"ہاں۔"

تو ایک بات غور سے سن لو بیٹی۔ ابھی جو کچھ سن رہی ہو، وہ کوئی بات سچ نہیں ہے کسی بات پر وشواس مت کرنا۔ اس سے تمہاری پڑھائی پر اثر پڑے گا۔ تمہارے کل پر۔ آنے والے کل پر۔ کل تمہارے پاس ان باتوں پر سوچنے وچارنے کے لئے کافی وقت ہوگا۔ بس کل غور کرنا ان پر اور ان پر غور کرنے کے لئے کسی دوسرے کا سہارا مت لینا۔ اپنے صحیح دماغ

کا فیصلہ ہی سننا ہے ایسی کوئی بھی بات کی، تو پھر میں ناراض ہو جاؤں گا۔ میں کچھ نہیں بولوں گا۔

"اچھا دو۔"

مالو خوش ہو گئی۔

اوما چائے لے کر آ گئی۔ وہ چائے پینے لگے۔ مگر ذہن میں ابھی بھی خلفشار مچا تھا — یہ نریندر گھر میں پارٹی کا کاریالیہ کیوں بنا رہا ہے۔ گھر میں ایسی باتیں کیوں کرتا ہے۔ نریندر آیا تو وہ پوچھیں گے... آخر پوچھنے کا یہ حق بھی تو انہیں نریندر ہی نے دیا ہے.... انہیں جیسے کچھ یاد آ گیا...

◉ ◉

اس دن رات کے گیارہ بج گئے تھے.... وہ کسی مشاعرے سے لوٹے تھے کہ دروازہ پر نریندر کو دیکھ کر تھم سے گئے ——

نریندر نے دیکھتے ہی پوچھا۔ "تایا جی، مشاعرے سے آرہے ہیں کیا؟"

وہ جیسے ایک دم سے بدمزگی کے شکار ہو گئے ——

"ہاں۔ کیوں؟"

"کیا ملتا ہے وہاں... آپ ہمارے ساتھ تو بیٹھتے نہیں کبھی..." نریندر کی آواز ٹوٹ رہی تھی...

اچانک جانے کیا ہوا، وہ بپھر گئے ——

"نریندر۔ یہ گھر کس کا ہے؟"

"آپ کا"

"یہ چھت...؟"

"آپ کی ہے" نریندر گڑگڑا کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم کون ہو؟"

"آپ کے لڑکے"

"تمہیں اتنا بولنے کا ادھیکار کس نے دیا؟"

وہ غصے میں تھر تھر کانپ رہے تھے۔ بہت کچھ تم بھی دیکھ رہے ہو.... بہت کچھ ہم

بھی دیکھ رہے ہیں۔ جو نہیں سمجھو یا نہیں سمجھ سکو تو پھر آئندہ مت بولنا۔ تم یہاں، اس گھر میں، دھرم کے نام پر جن بے پڑھے لکھے راجنیتک بھرشٹ لوگوں کو لے کر آتے ہو، میں نے کبھی اعتراض کیا، کہ اس گھر کی ہوا سدا سے بھرشٹ ہو رہی ہے..."

وہ اپنی آواز پر کنٹرول بھول گئے... "اسے اپوتر مت کرو... اسے اشدھ مت کرو۔ میں نے کبھی کہا تم بھی مت کہنا۔ آئندہ خیال رہے..."

ان پر جیسے دورہ پڑا تھا۔ وہ غصے میں تھر تھر کانپ رہے تھے۔ نریندر، اوما، تلسی انیل سب حیرت سے انہیں گھور رہے تھے..

دوسرے دن صبح کے ناشتہ پر نریندر نے کہا۔

"آپ ناحق ناراض ہو گئے تایا جی... میرا مطلب وہ نہیں تھا..."

نریندر مسکرا رہا تھا۔ اما تو ڈر گئی تھی۔ لیجئے نا تایا جی... یہ لیجئے — نریندر سبزی کی پلیٹ ان کی طرف بڑھاتا ہوا کہہ رہا تھا — اپنے دھرم کو ماننا گناہ ہے کیا.... دھرم کا پرچار گناہ ہے کیا۔ یہی تو کرتے ہیں ہم.... پہلے مغل پھر انگریز۔ اپنا گھر، اپنا کبھی نہیں لگا۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ ہم بھی داس ہیں اور دوسرے دھرم والے بھارت کو اپنے پرچار اور پرسار کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ اور اگر یہی کام ہم کرتے ہیں تو ہم دوشی بن جاتے ہیں۔ ہم پر ہی آروپ اور لانچھن آتے ہیں۔ ہمیں ہی بدنام کیا جاتا ہے۔ آپ بھی ہمیں غلط سمجھتے ہیں کھائیے نا لیجئے نا..."

اتنا کہہ کر اس کی ہمت بندھی تھی — آپ کو تو ہمارا ساتھ دینا چاہیئے — ہماری پارٹی کے لوگ کہتے ہیں کہ نریندر تم تو اپنے گھر میں ہی ٹوٹے ہوئے ہو۔ سچ تایا جی، اس پر شرم لگتی ہے۔ انیل بھیا ایک ایسی پارٹی کے لئے ہمارے وردھ ہیں جو سوارتھی (خود غرض) ہے اور پورے دیش میں ہونے والے دنگوں میں جس کی پرمکھ بھومیکا رہی ہے۔ ہماری پارٹی کو تو ناحق بدنام کیا جاتا ہے... آپ دیکھ رہے ہیں اکھنڈ دیش جاگ رہا ہے، اکھنڈ بھارت ورش...

"اکھنڈ بھارت ورش..."

بالمکند شرما جوش جیسے یکایک کسی ڈراونے خواب سے جاگ جاتے ہیں۔ اکھنڈ بھارت لیکن اکھنڈ بھارت کہاں ہے... وہ تو کھنڈ کھنڈ بھارت کو دیکھ رہے ہیں... زہر کا ریلا بہہ رہا ہے.... چاروں طرف سے زہریلے سانپ اپنے اپنے بلوں سے نکل کر اُسے گھیر کر کھڑے ہو گئے ہیں...

یہ بچے کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو... ہر بڑے کام اور بُرائی کو کیسے کیسے ناموں سے تسلی اور پنیہ قرار دیتے ہیں ___ پھر اسی دلیل کے ذریعہ اپنا ہی گھر توڑنے میں لگ جاتے ہیں....

لیکن یہ بچے ان کے بچے کہاں ہیں.... یہ تو بھاجپائی ہیں... یا کانگریسی.... یہ ان کے بچے کہاں ہیں...

پھر وہی کمرہ ہے... ان کا اپنا کمرہ.... ان کی تنہائی کا رفیق، مونس و غمخوار... یہ ان کا کمرہ ہے... جہاں وہ اپنی تنہائیاں پیوست کرتے ہیں، اپنا اتیت یاد کرتے ہیں اور سب کچھ بھول جاتے ہیں۔

(۴)

نلکانی کہتا ہے ایک فساد چاہیے۔ اس شہر کو پھر ایک فساد چاہیے۔ ایک ماہ گزر گیا۔ لوگ اپنی دنیاؤں میں واپس آنے لگے ہیں ___ دیپ سل جلتی ہے تو ہم لوگوں کے دلوں میں بنے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر نریندر وہسکی کا ایک چھوٹا سا پیک تیار کرتے ہیں۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ ہے۔ یہ چوتھا پیگ ہے۔ ان پر ہلکا ہلکا خمار چھانے لگا ہے۔

"گھبراؤ مت نلکانی۔ اگلے الیکشن میں مجھے ٹکٹ ملنے ہی والا ہے۔ پھر اس شہر کی تقدیر بدل دوں گا۔"

سدھیندر رائے مسکراتے ہیں۔ "ڈاکٹر نریندر، آپ پر نشہ چھانے لگا ہے۔"

"یہ نشہ نہیں ہے سدھیندر رائے۔ یہ جیت کا نشہ ہے۔ ایک بار پارٹی کو شہ میں آجانے دو ___"

نلکانی پھر کہتا ہے۔ "دلوں میں زہر بھرنے کے لئے ایک فساد ضروری ہے۔ ہمیں یہاں بھاجپا کا ووٹ بنک تیار کرنے کا حکم ہوا ہے اور محض ایک پھلجھڑی چھوٹ کر رہ گئی۔"

"جے شری رام ___"

نیل کنٹھ مسکراتا ہوا کمرہ میں داخل ہوا ___ سب کو جے شری رام کرتا ہوا وہ کرسی پر دھنس جاتا ہے۔

"کیا خبر ہے؟" نلکانی بیڑی سلگاتے ہیں۔

"خبر ابھی نہیں ہے نلکانی جی... ہم تو جہاں بھی گئے ہیں، لوگ باگ ہماری ہی پارٹی کو بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔"

سدھیندر رائے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ان کا دھیان بدلنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے...."

اوپر سے آئے نردیش (حکم) پر وہ دھیمے دھیمے آپس میں باتیں کرتے رہے... باتوں کا مدا یہ بھی تھا کہ پارٹی اگلے چناؤ کے لئے بس دیش میں ہے کہ وہ رام جی کو مدا بنائے یا نئے طرح کے بجٹ کو ___ ورلڈ بینک کے پاس گروی پڑے بھارت کے ارتھ تنتر کا مدا رکھے یا اسے بُرا بھلا کہنے والوں کا منہ بند کئے جانے کے بارے میں غور و خوض ہو ___ یہ بھی تھا کہ کمیونزم پر دیش کی تمام پارٹیوں کو ڈیبیٹ کی صلاح دی جائے ___ اور اس سے ان لوگوں کی ان پارٹیوں کی قلعی کھول جائے جو بی۔ جے پی کو کمیونل کہتے ہیں۔

"تحسین کہاں ہے؟"

نلکانی کو جیسے کچھ یاد آگیا۔ "اب طبیعت تو ٹھیک ہے۔؟"

"ہاں"

"اب پہلے جیسا کھویا کھویا تو نہیں رہتا؟"

"نہیں۔ ہم نے اپنی گتی ودھیوں کی جانکاری دے دی ہے۔ اور آدھے میں سویم کو

سیٹ کرنے میں سے تو لگے گا ہی کیونکہ بینکلی وہ مسلمان ہے۔ اور اوپر سے ہماری پارٹی مسلم ورودھی تو نظر آتی ہی ہے ـــــ‘‘

وہ دھیرے دھیرے آپس میں کچھ باتیں کرتے رہے۔

نیل کنٹھ کچھ گھبرایا سا نظر آرہا تھا۔

● ●

منا گھر میں داخل ہوا تو کچھ گھبرایا سا تھا۔ ہاتھ میں کپڑوں کا ایک تھیلا تھا جس میں کچھ پمفلٹ اشتہارات اور چھوٹی چھوٹی اسٹیکرس تھیں، ظاہر ہے جن پر بھڑکاؤ باتیں لکھی تھیں۔ جیسے مندر ہے اور وہیں بنے گا، جیسے اسٹیکرس گھر کے دروازوں کے باہر اور بس گاڑیوں میں چپکانے کیلئے تھے ـــــ ان میں کچھ اسٹیکرس مسلم ورودھی بھی تھے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی پہلی ٹکر ابا سے لگی۔

برکت حسین اُسے دیکھتے ہی ٹھٹھک گئے۔

رات کے ۱۰ بج گئے تھے۔ گو شہر کی فضا ٹھیک تھی۔ دنگوں کی خوفناک ریہرسل کے بعد فضا میں دہشت کے جراثیم تو موجود رہتے ہی۔ کھیم پور میں ابھی بھی دہشت برقرار تھی۔ یہیں ایک ہندو جھونپڑے کی ہتیا ہوئی تھی۔ اور اس کے بدلے سے لے کر ابتک فضا میں تناؤ برقرار تھا ... یہاں مسلمان گھرانے زیادہ تھے۔ ہندوؤں کے گھر کم تعداد میں تھے۔ لیکن آکروش اور غصہ زیادہ تھا۔ کھیم پور کو گھیرتے والے محلوں میں ہندو اور مسلم محلے برابر کے تھے۔ اس لئے کھیم پور کے ہندوؤں کو خطرہ تو تھا لیکن یہ امید بھی تھی کہ کچھ ہوا تو پاس پڑوس کے محلے والے ہندو بھی میّن کو چھوڑیں گے نہیں۔ ماحول دھیرے دھیرے عام زندگی میں لوٹ رہا تھا، لیکن چہروں پر خوف کی دھول اور شک کی پرتیں موجود تھیں۔

سب سے عجیب حالت ان دنوں منا کی تھی۔ کرفیو کی رات غائب ہونے کے بعد سے لے کر اب تک وہ جیسے کسی ڈراونے خواب کے بیچ پھنسا ہوا تھا ـــــ اُسے لگ رہا تھا ... آکٹوپس کے پنجے اُسے گھیرتے جا رہے ہیں ـــ ایک دلدل ہے، اور اس دلدل میں وہ اتنا پھنس گیا ہے کہ ... باہر نہیں نکل سکتا ... لیکن یہ سب اچانک نہیں ہوا تھا ـــ یکایک نہیں

ہوا تھا۔ یہ تو ملک کی بدلتی ہوئی صورت حال اور سیاست کے نئے ماپ ڈنڈ کی وہ انتہا تھی جہاں وہ جینے کا راستہ بھول چکا تھا ... ایسا سوچتا تھا منا۔

ہوش سنبھالا تو چودھری برکت حسین کے خانوادے میں ـــــ ہوش کے نوالے لیتے لیتے یہی تو جانا تھا ... کہ ایک لمبے عرصے تک مسلمانوں نے یہاں حکومت کی تھی۔ بابر بھی ایک بادشاہ تھا۔ ہلاکو بھی۔ نادر شاہ بھی ... اورنگ زیب بھی ـــــ ہندوؤں سے جزیہ لیا جاتا تھا۔ اسلام کا بڑا نام تھا ـــــ جو گھر میں سنتا ـــ ابا کے منہ سے یا اردو کتابوں میں ....
اسکول جا کر معلوم ہوتا کہ میاں منا، تم تو سب کچھ غلط جانتے ہو۔ تم جن کی بہادری کے قصّے رٹتے رہے ہو، وہ لوگ بہادر نہیں تھے ـــ نادر شاہ تمہارے ملک کے خزانے خالی کرنے آیا تھا۔ اورنگ زیب اور بابر نے مندر توڑے ـــــ گھر باہر، پریبھاشائیں، تعریف سب بدلتی رہیں۔

پڑھنے میں دل تو لگتا نہیں تھا۔ اول فول سوچنے میں ہی زیادہ وقت گزرتا رہا۔ ادھر بڑا ہوا اور ادھر یہ سوچ ذہن پر حاوی ہوگئی کہ پہلے مسلمانوں نے قہر برپا کیا تو اب یہ ـــــ کبھی جن سنگھ ... کبھی آر۔ ایس۔ ایس کے نام پر مسلمانوں کا دامنِ زندگی تنگ کرتے رہیں گے ـــــ وہ ایسا ہوگیا کہ دھیرے دھیرے تنگ نظر ہوتا گیا۔ محرم کے اکھاڑے میں اُسے چاروں طرف مُسلمان چہرے ... مسلمانوں کی بھیڑ نظر آتی تو وہ خوش ہو جاتا۔ ڈنڈا اچھالا بجاتے ہوئے مسلمانوں میں اُسے اسلام کے عروج کا خواب نظر آتا۔ مسلمان کی بدحالی، نوکری اور دیگر معاملوں میں تنگ نظری کے لیے وہ حکومت اور ہندوؤں کو قصوروار مانتا۔ جیسا کہ اس نے ایک بار ابا سے اپنی بے روزگاری کے دنوں میں کہا تھا۔

’پڑھ لکھ کر کروں گا بھی کیا۔ مجھے یہاں نوکری تھوڑے مل جائے گی‘

برکت حسین اس کا حیرت سے منہ دیکھ رہے تھے۔

● ●

یہ ہندوستان نہیں حیرت گاہ تھی اس کے لئے قدم قدم پر حیرتیں ـــــ لوگوں کے چہروں پر حیرت اُگی تھی۔ ہر دن کے اخبار میں حیرت اُگی تھی۔ فساد نہیں ہوتا تھا، تب حیرت ....

ریل گاڑی ٹھیک وقت پر چلی، تب حیرت، کوئی کام اپنے صحیح طریقے سے ہوگیا، تب حیرت.... اور اسی حیرت گاہ میں سہما سہما منّا چلا جا رہا تھا۔ اور وقت گھڑیوں پر ناچ رہا تھا

پہلے اس نے تقسیم وطن کے حالات سن رکھے تھے۔ کچھ کتابوں میں پڑھے۔ کچھ بزرگوں سے قصّے سُنے اور پھر ملک کے حاشیئے پر یہ قصّے وہ روز پڑھنے لگا... فساد.... آگ زنی .... چاروں طرف فساد .... چاروں طرف مسلمانوں کا قتلِ عام ہو رہا ہے ——

بجلی آفس میں کلرکی کرتے ہوئے کتنی ہی بار اس کے اندر کا مسلمان بھڑکا تھا یہ مسلمان دفتری ساتھیوں، کلیگ سے بات بے بات الجھا بھی —— لڑا بھی —— پھر دوستی یاری بھی ہوئی —— 'میاں جی' کہہ کر چڑھایا بھی گیا۔ اسے بُرا بھی لگا۔ پھر دوستی کی رو میں بہہ گئے —— چائے پی گئی، سگریٹ سلگائے گئے —— اور مسئلہ اپنی جگہ بنا رہا ——

منّا محض ایک آدمی تھا —— دائیں بائیں سے واقف نہیں تھا۔ جتنا ذہن سمجھاتا، اسی پر چلتا.... اور اسی پر چلتے ہوئے اس نے فیصلہ لیا تھا کہ وہ بھاجپا سے جڑ جائے گا۔ جبکہ یہ جڑ جانے والی بات بھی اتفاق سے اس کے دل میں آئی تھی اور پھر اسی اتفاق کے راستے پر وہ چل نکلا ——

چل نکلا ——

دُور تک اندھیرا تھا —— اندھیرا ——

منّا کو لگتا تھا، اس کی آواز اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہے.... وہ محض ایک روبوٹ ہوگیا۔ مشینی آدمی.... وہ کٹھ پتلی ہوگیا ہے.... وہ کسی اور کے اشارے پر چل رہا ہے.... اسے کوئی اور نچا رہا ہے.... وہ پھنس گیا ہے....

●●

کمرے میں داخل ہوتے ہوتے وہ چونک گیا ——

چودھری برکت حسین اُسے گھور رہے تھے ——

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے مُنّا۔ چہرہ اتنا سپید کیوں ہو رہا ہے...."

منّا کو جیسے کرنٹ لگ گیا۔ ہاتھ میں تھاما ہوا کپڑے کا تھیلا کانپ گیا۔ اُسے لگا، ابّا کی آنکھیں چھپے میں گھُسی جا رہی ہیں.... کیا ہے.... نکال.... جادوگروں کی طرح ہوگئی ہیں ابّا کی آنکھیں۔ ابّا آنکھیں بند کریں گے اور.... سب کچھ دیکھ لیں گے..... مگر آنکھیں بند نہ کریں تب بھی.... کان تو سلامت ہے نا.... اور آواز تو باہر بھی گونجنے لگی ہے.... باہر بھی گونجنے لگی ہے۔

جیسے منّا کا دوست شبّی چونکا تھا ——

"کیا سُن رہا ہوں یار؛ سچ ہے ؟"

"ہاں۔"

اس کے ہاں کہنے پر وہ کیسا کٹھور ہوگیا تھا —— 'پاگل ہوگیا ہے کیا —— دماغ چل گیا ہے ——' شبّی نے پوچھا —— 'اچھا بتا —— نماز پڑھنے جاتا ہے؟ کم از کم جمعہ کی نماز —— روزہ رکھے گا اس برس —— تُو اللہ رسول کے خلاف جا رہا ہے منّا —— تُو گندے راستے پر چل پڑا ہے ——

اخلاق احمد اس کے اسکول کا دوست تھا۔ وہ تو جیسے اسکو مارنے کے لئے دوڑا تھا ——

"کافر ہوتا تو کوئی بات نہیں۔ لیکن اپنا بھائی —— اخلاق کی 'مسلمان' ہوتی داڑھی ہلی۔ سُرمہ لگی آنکھوں میں غصّہ کا طوفان مچلا —— اب تو اسلام کے خلاف چلے گا کم بخت —— تُو خود کے مسلمانوں کے خلاف بولے گا.... اسی لئے جوائن کیا ہے نا....؟

ایک دن سلیمان رنگ ریز اُسے کھوجتا ہوا اس کے آفس آیا تھا۔ وہ بل کھڑکی پر تھا۔ سلیمان اسی کے محلّے کا تھا۔ ہم عمر۔ اس لئے بچپن سے ہی دوستی تھی۔ سلیمان نے اسے اشارہ سے ایسے بلایا جیسے —— اسکے ہاتھوں ہوئے اچانک قتل کے بارے

میں دریافت کر رہا ہو ۔ ۔ ۔ ۔"

"یار ، میں نے سُنا تو دوڑا دوڑا آرہا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ یہ میں کیا سُن رہا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ تو ۔۔۔؟"

بہت دیر کے بعد وہ دہاڑا ۔ "جینا مشکل کر دیا ہے تم لوگوں نے ۔ جب تب آ کر مجھ سے ایسے سوال کرتے ہو جیسے میں نے کسی کی جان لے لی ہو ۔ ہاں ، میں نے بھاجپا جوائن کر لی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ تم اسے قتل کر دینے والی پارٹی سمجھتے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ڈرتے ہو ۔ ۔ ۔ جتنا ڈرتے ہو ، اتنا ہی ڈرایا جاتا رہا ہے تمہیں ——— میں پوچھتا ہوں ۔ کیوں ڈرتے ہو اتنا ۔ مقابلہ کیوں نہیں کرتے ———"

"مقابلہ ——— ؟"

سلیمان اَن پڑھ تھا ۔ مقابلہ کی بات بھلا اس کی سمجھ میں کیسے آتی ۔

وہ دھیرے دھیرے نرم پڑا ——— "تم کیوں نہیں سوچتے کہ کل یہ پارٹی حکومت میں بھی آسکتی ہے ۔ تم اس کی اس قدر مخالفت پر اترے رہے ، پھر کیا ہوگا سلیمان میاں تم ان کے خلاف بولتے رہے ، بولنا بند نہیں کیا تو کیا حکومت میں آنے کے بعد یہ تمہیں زندہ چھوڑیں گے ۔ ارے یہ تمہیں ملک چھوڑنے کے لئے بے بس کر دیں گے ——— چھوٹی چھوٹی باتوں پر تم پر پابندی عاید کریں گے ۔ اذان لاؤڈ سپیکر سے مت دو ۔ اتنی بڑی تعداد میں مسجد مت جاؤ ۔ نماز مت پڑھو ۔ تم کیا سمجھتے ہو ۔ عرب ممالک ——— وہ اسلامی ممالک جن پر تم فخر کرتے ہو ، تمہاری مدد کو آجائیں گے ۔ انہوں نے ایران عراق کی مدد کی ۔ ۔ ۔ ؟ صومالیہ کی مدد کی ——— ؟ تمہاری کیوں مدد کرنے آئیں گے یہ ؟ تم ، زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا ، اُبلاؤ گے ، غلط حرکتیں کرو گے یا زیادہ سے زیادہ آتنک وادی بنو گے ——— مجھے لگتا ہے یہ لوگ یہی چاہتے ہیں ۔ تم لوگ اپنے ہوش گنوا دو ، آتنک پر اُتر آؤ تاکہ یہ تمہارا دمن کر سکیں ۔ تم پاگل ہو جاؤ ۔ تاکہ انہیں پاگل کتوں کو شوٹ کرنے کا اچھا سا بہانہ مل جائے ———"

سلیمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ، کیا کہہ رہے ہو منا بھائی ۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ۔ لیکن جو آرہا ہے ، اس سے لگتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے کوئی غلط

کام نہیں کیا ہے ۔"

● ●

سلیمان چلا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن منا اب تک خوف و ہراس کے پل پر سوار تھا ۔ کیا محض اتنی سی وجہ سے ——— ؟ اس نے یہ خطرہ مول لیا ہے ۔ کہیں اس کا کوئی سوارتھ بھی ہے ——— کوئی غرض ——— یا سیاست میں کود پڑنے کی انجان للک ——— خطرہ بہت زیادہ ہے اور مسلمان مخالفت کا راستہ چھوڑتے نہیں ہیں تو ۔ ۔ ۔ ۔ خطرہ سوچ اور تصور سے زیادہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ مخالفت مسلمانوں کو بہت مہنگی پڑ سکتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔

● ●

چودھری برکت حسین اُسے گھور رہے ہیں ۔

"گھڑی دیکھ رہے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ بہو کتنی پریشان ہو جاتی ہے ۔ تمہیں سویرے آنا چاہئے ۔"

"اوہ ——— ہاں ۔ ۔ ۔ ۔"

منا جیسے کسی خوفناک حادثہ کا شکار ہوتے ہوتے بچا ۔

"یہ تھیلے میں کیا ہے ؟"

وہ چونک گیا ۔ ۔ ۔ ۔ "نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ کچھ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ کچھ نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

"اچھا جاؤ ۔ کھانا کھا لو ———"

منا آگے بڑھ گیا ۔ برکت حسین اب بھی اُسے تعجب سے گھور رہے تھے ۔

"پاگل لڑکا !"

وہ دھیرے سے بڑبڑائے ———

○○

الزیمرس[1]

①

نیچے سے آواز مستقل آرہی ہے.... 'پتاجی آجائیے.... کھانا کھا لیجئے....
آجائیے....' سچ تو یہ ہے کہ انہیں صاف صاف سب کچھ سنائی پڑ رہا ہے....
مگر.... کسے پکارا جا رہا ہے.... کون پکار رہا ہے.... یہ.... آنکھوں کے آگے
پھیلتا اندھیرا.... جھل مل.... جھل مل کرتا سویرا.... سب کچھ سُرخی مائل دُھواں
دُھواں سا....

"پتاجی.... کیا کر رہے ہیں.... آتے کیوں نہیں....؟"

یہ کون چلّا رہا ہے.... کیوں چلّا رہا ہے۔ کس قدر بے سُری آواز ہے.... وہ سکڑ
گئے ہیں۔ دماغ بھک سے اڑا جا رہا ہے.... ایسے جیسے برین ہیمرج ہو گیا ہے....
نام کیا ہے.... ان کا.... کون ہیں وہ....؟

"وہ اٹھنا چاہتے ہیں.... مگر نہیں.... بیٹھے رہتے ہیں.... اسی انداز میں....
جیسے گھنٹوں سے بیٹھے ہیں.... یہ سب کیا ہے...."

جیسے سب کچھ بھول جانے کی حالت ہوتی ہے.... وہ بھول چکے ہیں....

---

[1] بھولنے کی بیماری

نیچے کھانا لگ چکا ہے۔ ڈائننگ ٹیبل پر اوما، نریندر اور مالو بیٹھ چکے ہیں۔

"پتاجی نہیں آئے۔"

اوما برا سا منہ بناتی ہے.... "ناراض ہوں گے...."

"ناراض کیوں ہوں گے؟" نریندر سوال کرتا ہے۔

"میں جا کر ددّو کو بلاؤں؟" مالو پوچھتی ہے۔

"ہو سکتا ہے بابوجی کو ہماری آواز سنائی ہی نہ پڑی ہو؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"جاؤ مالو.... ددّو کو بلا لو۔"

مالو ہرنے کی سی ہوتی دوڑ جاتی ہے....

کمرے کا دروازہ کھلا ہے.... بوڑھا آئینہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے.... سفید
کرتا، سفید پائجامہ.... اجلا شفاف چہرہ.... چہرے پر وقت نے کچھ جھرّیاں بھی کھڑی
کر دی ہیں۔ — یہ چہرہ کس کا ہے.... یہ کون ہے.... آئینہ کے سامنے کھڑا ہوا بڈھا
.... آں وہ زبان نکالتے ہیں۔ آئینہ بھی منہ چڑھاتا ہے.... وہ ہاتھوں کو کان کے پاس
لے جا کر لہراتے ہیں....

مالو دیکھتی ہے.... تعجب سے۔

بوڑھا ہاتھوں کو ہلاتا ہے۔ مٹھیاں باندھتا ہے۔ آئینہ والا بوڑھا بھی وہی کرتا ہے۔
بوڑھا پھر منہ چڑھاتا ہے.... آئینہ والا بوڑھا بھی منہ چڑھاتا ہے۔

بوڑھے کو اس کھیل میں مزہ ملنے لگتا ہے....

دروازہ سے مالو چیختی ہے.... ددّو....!

بوڑھا پلٹتا ہے.... کون....؟

"ددّو...."

مالو پاس آ کر بوڑھے کے ہاتھوں کو پکڑتی ہے۔ "ددّو، چلئے نا.... نیچے پر تیکھا ہو
رہی ہے.... کھانے پر...."

"آں.... آں...."

بوڑھا آئینہ سے ہٹ کر منہ چڑھاتا ہے۔ کانوں کے پاس لے جاکر ہاتھ ہلاتا ہے۔

"دڈو... چلونا۔"

"کہاں چلوں ـ ـ ـ ـ"

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو دڈو...."

"دیکھوں گا...."

"مجھے ڈر لگتا ہے دڈو...."

"تو بھاگو یہاں سے۔"

بوڑھا مارنے کو ہاتھ ہلاتا ہے۔ مالو وہاں سے روتی ہوئی بھاگتی ہے... روتی ہوئی تیز تیز گھر کی سیڑھیاں اترتی ہے۔

"نریندر چونک کر پوچھتا ہے...."

"ارے کیا بات ہے مالو.... روکیوں رہی ہے؟"

"دڈو نے بھگا دیا۔ مارنے کو ہاتھ اٹھایا۔"

"کیا —— ؟"

نریندر اور اوما ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے ہیں۔

"تم نے کھانے کے لئے نہیں کہا؟"

"کہا...... مالو روتے روتے چُپ ہو جاتی ہے۔ 'دڈو تو آئینہ کے سامنے کھڑے تھے۔ آئینہ کو منہ چڑھا رہے تھے۔"

"کیا بکتی ہے۔" نریندر نے ڈانٹا۔

"ہاں ڈیڈی۔ دڈو کو کچھ ہو گیا ہے۔ دڈو نے مجھے پہچانا نہیں۔"

اوما نے شک سے دیکھا... کہیں بابوجی کو کچھ....'

"کچھ کیا؟"

"آپ جاکر دیکھئے تو سہی ——"

نریندر دوڑتا ہوا کمرے میں گیا تو اس وقت تک بوڑھا بستر پر گاؤ تکیہ کے سہارے اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

"باؤجی ——" نریندر نے پکارا

بوڑھے نے آنکھیں اٹھائیں۔ پلک جھپکائیں.... 'کون نریندر؟'

نریندر کے پیچھے کھڑی اوما نے پلٹ کر مالو کو دیکھا۔

"آپ اچھے تو ہیں؟" نریندر گھبرا گیا تھا۔

"ہاں۔ ٹھیک تو ہوں۔"

"لیکن مالو کہہ رہی تھی...."

بالمکند نے ٹھنڈی سانس بھری... پتہ نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی سب کچھ بھول جاتا ہوں۔ سامنے والا کون ہے؟ میں کون ہوں.... کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

"چلئے کھانا کھا لیجئے ——"

نریندر ان کا ہاتھ پکڑ کر نیچے لے آتا ہے ——

(۲)

کمرے میں پُراسرار چپی تھی۔ چپی جو کسی طوفان کی اطلاع دیتی ہے ——

نریندر چُپ تھا اور ننکاتی اس کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔

"ابھی تک سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے۔ سنو نریندر، تم پر سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ تم چُپ رہتے ہو.... تمہیں غصہ بھی کم آتا ہے.... تمہاری آنکھوں میں دوسروں کو مسحور کرنے والی کیفیت موجود ہے.... ہمارے لئے ضروری ہے مسلمانوں اور ان کی الہامی کتابوں کو صحیح طور پر جاننا۔ اب سنو جو میں کہہ رہا ہوں.... دلّی میں ہونے والی اگلی دھرم سنسد میں یہاں کا نیتر تو [illegible] تم کرو گے۔" ——

نریندر صرف مُسکاتا ہے ـــــ

"ایک بات پوچھوں ـــــ ڈھانچہ ٹوٹ گیا تو ہم مندر بنالیں گے۔ اور مندر بن گیا تو۔۔۔ گئو ہتیا بند کرنے کے سرکاری حکم کے بعد جن سنگھ جیسی ٹھپ ہو گئی تھی ویسا دن تو نہیں آئے گا؟"

نلکانی مسکرائے۔۔۔ "یہ بچوں جیسے سوال کیوں پوچھنے لگے نریندر۔ ابھی تو کاشی ہے متھرا ہے۔ اور باقی باتیں تو تم جانتے ہو۔۔۔۔ اب ہم کس آدھار پر لڑائی لڑ رہے ہیں۔ عام ہندو سے لیکر بدھ جیوی کلاس تک ـــــ کیا سب تم کو ہمارے ساتھ نہیں دکھ رہے۔ ارے ہماری ریلیوں پر پرتیبندھ لگتا ہے۔ تب بھی ہم ہی ہیرو بنتے ہیں۔ فائدہ ہمیں ہی ہوتا ہے۔ اور سرکار ہی الو بنتی ہے ـــــ تمہیں آشچریہ نہیں ہونا چاہیئے متھرا اور کاشی کے نعرے بھی آج کے نہیں۔ ۱۹۸۴ء میں پہلی دھرم سنسد میں ۷۶ پنتھ سمپردایوں کے ۵۵۸ دھرم چاریوں نے حصہ لیا۔ اسی میں پہلی بار رام جنم بھومی اور کاشی وشو ناتھ مندر کی مکتی کا نرنئے لیا گیا ـــــ

"جانتا ہوں ـــــ نریندر دھیرے سے بولا ـــــ دھرم سنسد اور مارگ درشک منڈل دونوں ہی وشو ہندو پریشد کے سنگٹھن ہیں۔ دھرم سنسد اہم مسئلوں پر مارگ درشک منڈل کو صلاح دیتی ہے۔ اس کے بعد مارگ درشک منڈل اسے منظور کر کے وشو ہندو پریشد کو سونپتا ہے۔"

نلکانی دوبارہ مسکرائے۔۔۔۔ اب جان گئے ہو گے کہ مارگ درشک منڈل کا ایک بڑا کام پورا ہو چکا ہے ـــــ دھرم سنسد میں لئے گئے پہلے اہم فیصلے پر آر۔ ایس۔ ایس اپنی وجے کی مہر لگا چکی ہے ـــــ رام جنم بھومی وجے کے بعد اب کاشی اور متھرا کی باری ہے۔ یہ رتھ چلتا رہے گا، اس سمئے تک، جب تک ہم شتابدی پرانی واستا کے اس وستر (لباس) کو اتار نہیں پھینکتے ہیں۔"

نلکانی مسکراتے ہیں۔۔۔ کام بہت سے کرنے ہیں۔ سمے کم ہے۔ ہمارے پاس شیگھر (جلد) پرکاشت کرنے کے لئے پبلیشر بھی ہیں ہم نے آدھونک اتہاس کی

روپ ریکھا تیار کر لی ہے۔ چھینے دو مہینے یا سال بھر میں اتنی کتابیں بازار میں آجائیں گی کہ لوگ پرانے اتہاس کو بھول جائیں گے۔

"اس کے لئے کچھ نئے اتہاس گڑھنے بھی تو پڑیں گے۔"

"تھا ستو ـــــ مسکراتے ہیں نلکانی ـــــ ستیہ کی کھوج کے لئے کبھی کبھی ایسا کرنا پڑتا ہے۔ داس کو مکتی دلوانے کے لئے کبھی کبھی جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس لئے ہماری دھارمک کتابوں میں اس جھوٹ کو غلط نہیں کہا گیا ہے۔ جو سچ کا درشن کرنا چاہتا ہو اور ویکتی व्यक्ति کو नरक سے مکتی دلاتا ہے۔ ایسا جھوٹ ہزار سچ پر بھاری ہے۔"

"اب سنو، نلکانی کی آواز ہوا کے دوش پر لہرا رہی تھی۔۔۔۔ ہم ہر کونے سے اٹھیں گے۔۔۔ چپے چپے سے اٹھیں گے۔۔۔۔ ہم چاروں دشا سے اٹھیں گے۔ ہم ندی جل، سمندر، پہاڑ، چٹان، چاروں اور (और) سے جٹیں گے۔۔۔۔ ہم جٹیں گے ہم چپے چپے پر پھیلیں گے۔۔۔۔ اور ہم وجئی (विजयी) رہیں گے۔"

"مجھے نیل کنٹھ سے ملنا ہے۔"

"جاؤ ـــــ نیل کنٹھ کو شیو پوری مارگ پر ایک سبھا سمبودھت کرنا ہے ـــــ

نلکانی مسکرائے ـــــ ابھی کل کا بچہ ہے ـــــ ہمیں اسے تیار کرنا ہے۔ اور ہاں سنو ـــــ تحسین کو ابھی زیادہ سامنے مت لاؤ ـــــ یہ دلّی جہانگری نہیں ہے چھوٹا شہر ہے۔ بیچارہ مفت میں بدنام ہو کر مارا جائے گا ـــــ یہ ہمارے لئے دُربھاگ کی بات ہو گی۔ ہمیں تحسین سے آگے بھی کام لینا ہے۔"

"ٹھیک ہے ـــــ چلتا ہوں۔"

"جے شری رام ـــــ"

نلکانی ہمیشہ کی طرح مسکرائے۔ نریندر کمرے سے باہر نکل گیا۔ نلکانی نے پہلی بار یہ احساس کرایا تھا کہ پارٹی کے لئے وہ کتنا اہم ہے۔ وہ بھی تو سارے کام دھندے چھوڑ کر ادھر کچھ دنوں سے بس پارٹی کے لئے ہی سمرپت تھا ـــــ وقت قربانی چاہتا ہے

اور یہ قربانی دینے کے لئے انسان کو تیار ہونا پڑتا ہے۔ اگلی دھرم سنسد میں جانے کے لئے اس کو مانسک (ذہنی)، سطح پر تیار ہونا تھا ——— اگلا مُدّا .... یعنی ۱۹۸۴ء کی پہلی دھرم سنسد کے نرنئے کے لحاظ سے اب باری متھرا کے شری کرشن جنم بھومی کو مکتی دلانے کی ہے ... اور نریندر کے لئے اس کا لٹریچر جاننا ضروری ہے۔ ممکن ہوا تو آدھونک (جدید) لٹریچر ——— آنکھوں کے آگے نلکانی مسکراتے ہیں.... دا ... کو مکتی دلانے کے لئے کبھی کبھی جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے.... اس لئے ہماری دھارمک کتابوں میں اس جھوٹ کو غلط نہیں کہا گیا ہے۔ جو سچ کا درشن کرنا جانتا ہے اور ویکتی کو نرک سے مکتی دلاتا ہو....

کام بہت ہے .... اور نئی اسٹریٹجی تیار کرنے کی ذمہ داری کا کام — عوام کو صرف بات نہیں چاہیئے۔ اتہاس چاہیئے، گھٹنائیں چاہیئں۔ گھٹناؤں کی ستیاؤں (سچائی) کے لئے سن۔ تاریخ چاہیئے۔ دماغ میں بٹھانے کے لئے دلیلیں چاہیئں اور چاہیئے جھوٹ پر جمے رہنے کی قلعہ بند سچائی۔

شیو پوری مارگ.... تنبو لگا تھا ——— منچ پر نیل کنٹھ آسین تھا۔ بھگوا جھنڈے پھہرا رہے تھے۔ ماحول میں جے شری رام کی گونج مچی تھی ——— ٹیکا دھاری جوان، مرد، عورتیں اور بچے سبھا کی شوبھا بڑھا رہے تھے.... جس وقت نریندر منچ کی طرف بڑھا، مائک پر نیل کنٹھ کی آواز گونج رہی تھی:

ہم جیتیں گے
ہم جیتیں گے
تم دیکھو گے
ہم جیتیں گے
وشواس رکھو، ہم جیتیں گے
ہم ہر ایک منچ سے جیتیں گے
ہم چپہ چپہ جیتیں گے

ہم وادی وادی جیتیں گے....'

سموہ (بھیڑ) تالیاں بجا کر ابھی نندن کر رہی تھی ——— نیل کنٹھ ٹھہر ٹھہر کر، اور سوچ سوچ کر بول رہا تھا

''.... اور آپ دیکھ رہے ہیں، سرکار لو کھلا گئی ہے۔ ہماری بڑھتی طاقت سے۔ ہمیں نیچا دکھانے کے لئے سرکار اپنی طاقت، اپنے بل بوتے کا ناجائز استعمال کر رہی ہے ارے سرکار کہتی ہے کہ ہم سامپردائیک ہیں۔ ہندوؤں کو کہتی ہے سرکار کہ سامپردائیک ہے۔ کیوں کہتی ہے ....؟ اس لئے کہتی ہے کہ بے چارے بھولے بھالے ہندو سوئے سوئے اب جاگ کر اپنا حق مانگنے کو تیار ہوئے ہیں۔ سرکار نے مسلمانوں کو کبھی سامپردائیک نہیں کہا، ان کے لئے سات خون معاف۔ کرسچن اور دوسرے لوگوں کو نہیں کہا، وہ زور زبردستی، دھرپکڑ کر اپنے دھرم پرچار کا ابھیان چلائیں ——— اُن پر سب معاف ——— لیکن اگر ہندو کریں، اگر ہندو اٹھیں تو وہ سامپردائیک ——— میں آپ کا ادھیک سمے نہیں لوں گا.... اب بھاجپا کے ایک پرمکھ کاریہ کرتا نریندر شرما جی آپ کو بتائیں گے کہ ہمارے لئے بھوش (مستقبل) میں کن کن چنوتیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔

تالیوں کی گڑگڑاہٹ کے بیچ نریندر مائک سنبھالتا ہے ——— بس چند پرشن آپ کے سامنے ——— کچھ تتھیہ (حقیقت) رکھنے کی اجازت .... اور.... (مسکراہٹ) ——— وشو (دنیا) میں کیا ہو رہا ہے۔ اسلامی دیش جس طرح آپس میں مل کر ایک وشال طاقت بننے والے ہیں۔ کیا آپ کو کچھ اندازہ ہے۔ کیا ہو سکتا ہے بعد میں۔ اس کو چھوڑیئے۔ کیا ہو رہا ہے، اس کی ایک جھلک میں آپ کو دکھاؤں — ابھی حال میں ۲۸ نومبر ۹۲ء کو دس مسلم دیشوں نے مل کر ایک اسلامی سنگٹھن بنایا — ایشیا کا یہ حصہ بہت جلد ایک مہاشکتی کے روپ میں ابھر کر آپ کے سامنے آئے گا — ابھی حال ہی میں سوویت سنگھ میں ہونے والے بدلاؤ کا جائزہ لیں۔ سوویت سنگھ کے مسلم اکثریت والے راجیہ پرتھم وشو یدھ (پہلی جنگ عظیم) کے پہلے ترک سامراج کا ایک حصہ تھے۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکی کو ملنے والی ہار کے بعد روس ان دیشوں پر لگاتار حاوی ہوتا

گیا اور دیشوں کو بٹر پتا گیا ـــــ لیکن کیا ہوا ـــــ ۱۹۹۰ء میں جب نیا اتہاس رچا گیا تو وہ علاقے چھ آزاد دیش کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک بڑا سچ یہ رہا کہ اتنے برسوں کے روسی شاسن (حکومت) کے باوجود نہ تو ان کی بھاشا بدلی، نہ دھرم نہ سنسکرتی۔ یہاں کے لوگ ترک نسل کے ہیں۔ اسلام ان کا دھرم ہے۔ اور سنسکرتی بھی ایک ہی ہے۔

اسلام والے جہاں رہتے ہیں، وہ اسلام کے اصولوں میں ہی بندھے رہتے ہیں۔ اور 'بٹوک' سا ہندو بچارہ کوری دھرم نرپیکھتا کے پیچھے اپنا ہندو منتر گنوا رہا ہوتا ہے۔ ادھر وشو میں اسلامی مہاسنگٹھن بنانے کی یوجنا چل رہی ہے۔۔۔ اور ادھر ہندو ایک مندر نہیں بنا پا رہا ہے ـــــ ایک ڈھانچہ ٹوٹتا ہے تو اسے اپنوں کے منہ سے شرم شرم جیسے شبد سننے کو ملتے ہیں۔

ذرا غور کیجئے۔ مٹھی بھر مغل شاسک آتے ہیں اور ہندو روند دیئے جاتے ہیں۔ انہیں جبراً مسلمان بنایا جاتا ہے۔ اسلامی مہاسنگٹھن کے ابھرنے کا مطلب ہوگا۔۔۔ پورے وشو کی داستا، غلامی ـــــ خطرہ جتنا بڑا ہے، ہم اسے اتنا آنک نہیں پا رہے ہیں ـــــ

مسلمان بادشاہوں کو مندر توڑ کر مسجد بنانے کی مہارت تھی۔ اس کی ہمارے دیش میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ اب یہی دیکھئے۔۔۔۔ کرشن جنم بھومی متھرا ـــ کنس کے کاراگار میں ۳۱۶۸ (ق م) شری کرشن کا اوترن ہوا تھا۔ اس استھان سے انیک (بہت) براہمی شلالیکھ اور دوسرے پراتتویہ وشیش۔ پراپت ہوئے۔ جن سے پتہ چلا کہ ق م پہلی شتی میں شاڈاس نام کے شک راجہ کے کاریہ کال میں اس جنم استھان پر واسو دیو شری کرشن کے ایک مندر کی بنیاد رکھی گئی ـــــ چوتھی شتی میں گپت سمراٹ چندرگپت وکرمادتیہ نے یہاں ایک وشال مندر بنوایا۔ چینی سیاح ہیون سانگ کے وقت بھی یہ مندر موجود تھا۔ جسے ۱۰۱۷ء میں محمود غزنوی نے تڑوا دیا۔ ۱۱۵۰ء میں راجہ وجے پال دیو نے دوبارہ اس جگہ پر کیشو کا ایک بڑا مندر بنوایا۔ اس کو سکندر لودی نے ۱۶ ویں شتی میں توڑ دیا۔

بندیلا نریش ویر سنگھ جودتو نے ۱۶۱۳ء میں اس جگہ پھر مندر بنوایا۔ اورنگ زیب نے ۱۶۶۱ء میں اس مہان مندر کو بھی دھارا شائی (برباد) کر دیا۔

ہم بناتے رہے، وے اجاڑتے رہے ـــــ سوچئے وشو میں مسلمان دیش ایک دوسرے سے مل رہے ہیں اور یہاں ہم اب بھی آپس میں بکھرے پڑے ہیں۔ ہم اپنے مندروں کی واپسی چاہتے ہیں تو ہمیں دیش دروہی اور سامپردائک تک کہا جاتا ہے۔

'تتھیہ آپ کے سامنے ہیں۔ نرنئے آپ کو لینا ہے۔ کون سامپردائک ہے؟'

نریندر مائک سے ہٹا تو دیر تک تالیاں گڑگڑاتی رہیں۔ منچ کے ایک کونے میں خاموش تحسین بھی بیٹھا تھا ـــــ

●●

سبھا سماپتی کے بعد، تقریباً آدھے گھنٹے بعد ان کے باہر نکلتے ہی سدھیندر رائے نے خبر سنائی، وہ اکبر پورہ کے پاس سے، ایک نکڑ سبھا سے آ رہے تھے۔

سدھیندر رائے بولے ـــــ

"فضا پھر گرم ہو گئی ہے ـــــ"

نیل کنٹھ نے کہا ـــــ "ہماری باتوں کا یہاں بھی اثر ہوا ہے ـــــ"

تلکانی طے تو بولے ـــــ "ایسی سبھائیں ابھی لگاتار ہونی چاہئیں او جنتا میں داخل آکروش کو ہمیں نشچت طریقے سے کیش کرنا ہوگا ـــــ"

ہاں اس بیچ تحسین کا منہ سوجا ہوا تھا۔ جیسے اسے کوئی بہت بڑی قیمت چکانی پڑ رہی ہو

پولیس کے سائرن پھر شہر میں گونجنے لگے تھے۔

پولیس کے جوان چاروں طرف چھتر اگئے تھے۔

اور ایک بار پھر دھیرے دھیرے شہر کی فضا بارودی رنگ اختیار کرنے لگی تھی۔

●●

"کل آپ کو کیا ہو گیا تھا؟"

نریندر پوچھ رہا تھا۔

"ہاں مجھے کچھ ہو گیا تھا" بالمکند نے خود سے پوچھا.... میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ جیسے دماغ میں کچھ رہا ہی نہیں۔ ایک دم سے خالی.... ہاں ایسا ہی تو لگا...."

"شام میں ڈاکٹر کے یہاں چلیں گے، نریندر کو تکلیف ہوئی۔ یہ اچھی بات نہیں ہے پتا جی ——— ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا؟"

"نہیں ——— پہلے کبھی نہیں ہوا۔"

"اور کیا لگتا ہے....؟"

"بس سب کچھ بھول جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ بستر کیا بلا ہے۔ تکیہ کیا ہے.... بیٹھا ہوا ہوں کہ کھڑا ہوں۔ آئینہ کیا ہے۔ سامنے کون کھڑا ہے۔ کچھ بھی پہچان نہیں پاتا۔"

نریندر چپ ہو گیا۔

بالمکند بھی کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

●●

کانگریس آفس اور ادھر ادھر کے چکر لگا کر انیل تھک چکا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ اب گھر واپس ہو جائے۔ دن بھر کی باتوں کا جمع خلاصہ یہی تھا کہ کانگریس عوام میں اپنا اثر کھو رہی ہے۔ کم از کم مسلم ووٹ تو اس کے حصے سے نکل ہی گئے۔ اب کانگریس جتنے بھی پینترے کر لے.... انیل کو بزنس کے نرم ہو جانے کا بھی اندیشہ تھا۔ اس پر بھی کانگریس کی چھاپ پڑ چکی تھی ——— کانگریس پارٹی دفتروں سے اسے بہت کام ملتا رہا تھا۔ اب سوال تھا، اگر کانگریس ستہ پکچھ کھو دیتی ہے تب؟ وہ تو سیدھے گھاٹے میں آ جائے گا ——— تب ان کے پاس کام ہی کیا ہوگا ——— زیادہ نہیں، لیکن، سیاست کی اتھل پتھل کو لے کر تھوڑا پریشان تو تھا ہی۔

گھر آیا تو تلسی کا منہ بنا ہوا تھا۔ بیگ میز پر رکھ کر وہ تلسی کی طرف مڑا۔

"ارے کبھی تو اچھے موڈ میں بھی رہا کرو۔"

"اچھا موڈ خاک ہوگا۔ تمہیں گھر کی چنتا کب رہی ہے۔"

"کیا ہوا؟"

"انیل کچھ پریشان سا ہوا" ———

"باؤجی کی طبیعت خراب ہے!"

"خراب ہے؟"

"نریندر ہی سب کچھ کرتا ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ، باؤجی ناشتہ کھانا بھی نریندر کے ساتھ ہی کھاتے ہیں۔ خدمت کے لئے بھی اوما ہی تیار رہتی ہے۔"

انیل کا ماتھا ٹھنکا۔ "تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"راج نیتی کے آدمی آپ ہیں۔ آپ کو راج نیتی ہی نہیں سمجھ آ رہی؟"

"نہیں ———"

"باؤجی بیمار ہیں ——— بوڑھے ہیں۔ کبھی بھی .... کچھ بھی ہو سکتا ہے.... اس سیوا کا ارتھ جانتے ہیں؟"

انیل کا ماتھا پھر ٹھنکا.... بڑھاپے میں ماتا پتا کے سیوا کا ارتھ؟

تلسی نے پھر منہ بنایا ——— "اتنا بڑا مکان ——— جائیداد ——— بینک بیلنس ——— سب کچھ نریندر کا ہوگا ———" وہ تھوڑی اداس ہو گئی ——— مالو بھی ہے.... مالو کے بارے میں بھی باؤجی کو کتنی بار اوما سے کہتے سنا ہے.... اس کے وواہ کے بارے میں پریشان مت ہونا ——— ارے، کبھی کبھار تو جا کر بابوجی کی خیر خبر لیتے رہیئے۔ ڈاکٹر کے یہاں لے جانے کو کہیئے ——— ورنہ جان لیجئے آپ کے حصے میں کچھ نہیں رہے گا ——— ہاں ———

وہ ٹھہری ——— "اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ بابوجی کو تیار کیجئے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی وصیت نامہ تیار کرا لیں۔ آپ بڑے ہیں۔ آپ کا زیادہ حق ہونا چاہیئے۔ آنکھوں کے سامنے وصیت تیار ہو گی تو باؤجی حق نہیں مار سکیں گے"

تلسی نے پھر زور دیا ——— "تم نہیں جانتے نریندر اور اس کی پتنی ہے۔

بہت چالاک ـــــ راج نیتی میں تم سے بھی دس قدم آگے ـــــ نریندر کو دیکھو... بیٹے کی آواز پہچانتا ہے.... اس کروٹ بھی شک... اس کروٹ بھی۔"

"مطلب!"

"ادھر باؤجی کی جائیداد ہے... ادھر بھاجپا آگئی تو اس کے وارے نیارے۔ تم تو مہا مورکھ ہو ـــــ"

مہا مورکھ کی بات انیل کو بُری لگی۔ "وہ کیسے؟"

"تمہیں راج نیتی کی سمجھ ہی نہیں ہے۔ اب کانگریس کا زمانہ نہیں ہے۔ چاروں طرف بھاجپا کی طوطی بول رہی ہے۔ دیکھنا کل نریندر کا پلّہ کتنا بھاری ہوگا ـــــ دھرم بھی ملے گا، پنیہ اور پیسہ بھی۔ جب کہ تمہارے حصّے میں کچھ بھی نہیں ہوگا ـــــ تم دھرم سے بھی جاؤ گے، دھن سے بھی اور جاگیر سے بھی ـــــ"

انیل چونک کر بولا "باقی باتیں ٹھیک ہیں۔ لیکن دَل بدلو سدھانت کو میں نہیں مانتا۔ اب چاہے کانگریس رہے چاہے جائے ـــــ ایک بار جو لیبل لگ گیا سو لگ گیا ـــــ"

"وہی تو تمہاری مورکھتا ہے۔ راج نیتی میں دَل بدلو کو گالی نہیں سمجھا جاتا۔ عزت اور آدر ملتی ہے ـــــ خیر ـــــ جیسی تمہاری اِچھا۔ ویسے باؤجی کی خیر خبر ضرور لے لو ـــــ"

"ابھی لیتا ہوں ـــــ"

انیل تیزی سے باؤجی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

● ●

"ھالے یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے برکت حسین! تم اسے کیا نام دوگے۔ کیا سچ مچ یادداشت پر اثر پڑا ہے یا...."

"کچھ نہیں میاں۔ صبر رکھو۔ کچھ نہیں ہوا ہے تمہیں۔"

"نہیں کچھ ہوا کیسے نہیں ہے، برکت حسین۔"

بالمکند شرما جوش گہری اداسی میں کھو گئے... "بہت کچھ ہوا ہے.... ہوا کچھ کیسے نہیں ہے برکت حسین ـــــ میں بھول رہا ہوں۔ یہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ لیکن جو بھولنا چاہتا ہوں وہی نہیں بھولتا۔ جن سے آنکھیں چرانا چاہتا ہوں وہی زخمی کر دیتے ہیں مجھے ـــــ"

چودھری برکت حسین پریشان ہو اٹھتے ہیں.... "خدا نخواستہ بلڈ پریشر وغیرہ تو چیک کراتے ہو نا جوش میاں؟ شوگر، ڈائبٹیز وغیرہ کی شکایت تو نہیں میاں، اس عمر میں ہر پل خطرے کی گھنٹی بجتی رہتی ہے۔ ہوشیار رہنا چاہیے اس عمر میں۔"

"اب ہوشیار کیا رہنا برکت حسین۔ سانسیں ناطہ توڑ لیں، سو زیادہ بہتر ـــــ تمہیں یاد ہے۔ تب کیا صورت ہوئی تھی ہماری۔ پنجاب جل رہا تھا۔ لاہور جل رہا تھا.... پورا ملک جل رہا تھا۔ کیسے عجیب عجیب قصّے تھے۔ شک و شبہ کی کھائیاں تھیں۔ لیکن یہی لگتا تھا، آزادی کے چراغ ادھر جلے، ادھر زخم بھرے۔ اور اب۔ برکت حسین! آسمان میں منڈلاتے ہوئے گدھ نظر آتے ہیں مجھے۔ خوفناک گدھ... انسانی بوٹیوں پر لپکتے ہوئے ـــــ اور یہ بچے ـــــ ڈنڈا، بھالا، ترشول، بھانجتے ہوئے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں ـــــ"

چودھری برکت حسین آہ بھرتے ہیں ـــــ "یہ سب.... یہ سب کیوں یاد کر رہے ہو جوش میاں۔ ناحق خود بھی پریشان ہوتے ہو، ہمیں بھی پریشان کرتے ہو ـــــ"

آواز کمزور پڑ جاتی ہے۔ "کیا کہوں.... اپنا آپ نکالنے والا بھی تو کوئی ہو۔ درد بانٹنے والا ـــــ تم آجاتے ہو تو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جاتا ہے برکت حسین ـــــ کیا کیا دیکھ رہا ہوں۔ بالائی منزل پر جاتا ہوں تو آسمان پر دھواں ہی دھواں نظر آتا ہے۔ شفق کی سرخی ایسے دکھتی ہے کہ جیسے انسانوں کا خون مل دیا گیا ہو۔ اور... سب کچھ ختم ہوتا نظر آتا ہے ـــــ سب کچھ ـــــ"

برکت حسین کی آنکھوں میں ایک قطرہ طوفان مچلتا ہے۔ ' یار جوش میاں۔

کبھی کبھی پرانے ساز چھیڑ کر رلا دیتے ہو تم بھی۔ آخر کیا سننا چاہتے ہو تم۔ کیوں یہ گلے شکوے لے کر بیٹھ جاتے ہو .... تم اخلاق اور تہذیب کی ان نسلوں کی آخری کڑی ہو —— سمجھے آخری کڑی۔ اس کے بعد اس ملک کا خدا حافظ۔ ہم نہیں ہوں گے، اور یہی سوچ سوچ کر دہشت ہوتی ہے کہ یہ ملک کن لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جائیگا— یہ پرانی تہذیب کن لوگوں کے پاس گروی رکھیں گے۔ ہماری خون محنت سے سینچی گئی آرزو کا کیا ہوگا ——"

چودھری برکت حسین کی آواز لرز جاتی ہے....

جوش صاحب نظر اٹھاتے ہیں.... یہ کتابیں دیکھ رہے ہو۔ قلم، کاغذ، دوات، اب کچھ بھی چھونے کی، اٹھانے کی خواہش نہیں ہوتی .... باہر شور ہے۔ اپنے ہی بچے نظر پھیرے ہوئے لگتے ہیں، دوسروں کو کیا کہوں.... باہر دھواں ہے.... جنگ کے جراثیم گھلے ہیں۔ کس سے کہوں۔ کس سے فریاد کروں۔ اور یہاں۔ میرے یہاں.... پرکھوں کی میراث یہ گھر.... یہ گھر بھی ٹوٹنے کو لگتا ہے۔

برکت حسین چونکتے ہیں۔

"میں مطلب نہیں سمجھا جوش میاں ——"

"اب تم جان گئے ہوگے۔ میرے دو ہی بچے ہیں، لیکن ایک مشرق ہے۔ دوسرا مغرب میں جانتا ہوں مشرق اور مغرب کو ملانے کی کارروائی بے سود ہے میاں۔ اس لئے اب تھک کر بیٹھ گیا ہوں —— ان کی باتیں سنتا ہوں، ان کی آپسی جھڑپ دیکھتا ہوں، ان کے درمیان بڑھتی دوریاں دیکھتا ہوں۔ پھر خیال آتا ہے اس گھر کا .... پرکھوں کی میراث اس گھر کا.... تو اس گھر میں ایک دراڑ دکھتی ہے مجھے —— ایک خلیج نظر آتی ہے —— گھر درمیان سے بٹا نظر آتا ہے۔ یہ محض خیال نہیں ہے برکت حسین۔ یہ آنے والے کل کی سچائی ہے۔ وہ مجھ سے بولتے نہیں ہیں۔ ابھی ظاہر نہیں کرتے۔ مگر جب میرے پاس آتے ہیں تو میں ان کے ہونٹوں پر تھرکتی ہوئی خاموشی میں اس سچ کو پہچان لیتا ہوں۔ دراصل وہ بٹوارے کے خواہش مند ہیں۔"

"کیا کہتے ہو جوش میاں ——"

"ہم بوڑھے ہو چلے ہیں برکت حسین۔ بچے بس اسی بات کا احساس کرانا چاہتے ہیں .... کہ ہر بوڑھے آدمی کے حصے میں ایک موت ہوتی ہے۔ موت جو اگلے پائیدان پر کھڑی ہوتی ہے.... اور اس پائیدان پر قدم رکھنے سے پہلے بوڑھے کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں جاگیر، جائیداد اور مکان کا وصیت نامہ بھی تیار کرا لے .... مگر اس سے پہلے...."

جوش صاحب کے لب کانپے....

"میں ایک بیان دینا چاہتا ہوں.... ایک ضروری بیان...."

"کیسا بیان؟"

"کئی دنوں سے دماغ میں اتھل پتھل ہے۔ مگر وصیت کرنے سے پہلے.... مرنے سے پہلے...."

آواز کئی بار ٹوٹی.... کئی بار سنبھلے بال مکند جوش۔ پھر نظر نیچی کر لی۔

"لیکن میں بھی تو ٹوٹ گیا جوش میاں۔"

جوش صاحب نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ابھی نہیں۔ ابھی وقت نہیں آیا ہے۔"

کہہ کر خاموش ہو گئے —— مگر آنکھوں کے آگے جیسے لگاتار خونی رتھ یاترائیں گزرتی رہیں ——

(۳)

وہی کمرہ.... کبھی کبھی خود سے باتیں کرتے ہوئے کسی پراسرار چہرے کی طرح تکنے لگتا ہے....

"کون ہو تم؟ پہچانتے ہو خود کو....؟"

"نہیں ——"

وقت کی دھمک سنو میاں۔ یہ نگاڑے کیا کہتے ہیں۔ ذرا آواز تو دو۔ کان لگاؤ۔

اور سُنو... یہ وقت کی سوئیاں اب کہاں جا کر ٹھہرتی ہیں... بالمکند شرما جوش... یہ نئے زمانے کے بچے ہیں... یہ تمہارے وقتوں کی گھونٹ سے نہیں بندھے... یہ آزاد ہیں، خود مختار ہیں...

"میں کون ہوں.... اور یہ سب...."

کمرو اچانک اوجھل اوجھل سا دکھنے لگتا ہے... سب کچھ مدھم مدھم... کسی کو پکارنا چاہتے ہیں... آواز لگانا چاہتے ہیں.... ٹھہر جاتے ہیں.... دھواں دھواں سا منظر... مشاعرہ چل رہا ہے.... بالمکند شرما جوش کا نام پکارا جاتا ہے۔ وہ شیروانی درست کرتے ہیں۔ چم چماتی شیروانی اور چمچماتا سفید رنگ۔ چہرے مہرے سے ہمیشہ کشمیری لگے.... جوش صاحب کلام پڑھنا چاہتے ہیں.... لیکن.... نعتیہ کلام کی فرمائش ہونے لگتی ہے ——

نعتیہ کلام.... وہ بھی ایک ہندو کے منہ سے ——

"اب پڑھیے نا، جوش صاحب۔"

"واہ بھئی کیا نعت لکھی ہے۔"

"نعت میں تو جوش صاحب کا جواب نہیں...."

"اُنہی کے دم سے تو رونق آجاتی ہے مشاعرے میں...."

اور وہ پانچ چھوکرے، پانچ پاپی، بس پانچ قدم کے فاصلے پر ہیں... مسکراتے ہیں... منہ سے شاید.... جوش صاحب کو کچھ ایسا ہی لگتا ہے.... ہوٹ کر رہے ہیں .....کرو میاں.... اچھا لگتا ہے....

"واہ... وا...."

اور یہ پانچ پاپی تھے، شہر کے پانچ بے روزگار مسلمان لڑکے .... پانچوں شاعر .... پانچوں اُنہیں گھیرے رہتے.... وہ اس چوکڑی کو پانچ پاپی ہی کہتے۔ نئی نسل ہے' نئی نسل والوں کی بات بھی سننی چاہیے، انہیں ہمیشہ سے اس کمپنی میں مزہ آیا —— ان پانچ پاپیوں کی کمپنی میں....

شیخو میاں رنگریز کا لڑکا، فیض سقراطی —— ان لڑکوں کو انوکھا سا نام رکھنے میں بھی مزہ آتا ہے۔ فیض سقراطی بنا مشاعروں میں اکڑتا پھرتا ہے۔ ایک نمبر کا بقراط۔ بی۔اے فیل احمد ربانی —— حبیب تنویر، نازاں خیال اور باقر مرزا —— ان میں سے سب بے روزگاری کے ترشول پر لٹکے ہیں اور شاعری، ان کا محبوب مشغلہ ہے ——

یہ پانچوں پاپی اچانک کسی کونے سے ان کے سامنے آجاتے ہیں ...."مشاعروں میں یہ نعت آپ کیوں پڑھتے ہیں جوش صاحب —— " فیض سقراطی پوچھتا ہے۔

"حبیب تنویر خود کو ترقی پسند کہتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے۔ جانتے ہیں یہ مشاعروں کے لوگ آپ سے نعت کیوں سننا چاہتے ہیں۔ کیونکہ آپ ایک ہندو ہیں اور آپنے —"

وہ بچوں کی سنتے ہیں.... بچوں کی صاف گوئی میں انہیں مزہ ملتا ہے۔ تبھی تو ان بچوں کو سگے بچوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں.... وہ کیا جانیں کہ نعت کہنا کتنا مشکل کام ہے۔ غزل کو تو ان لوگوں نے حالاتِ حاضرہ سے جوڑ کر بکاؤ اور بازارو بنا دیا ہے۔ ہمارے وقت میں غزل کا کیا عالم تھا۔ ایک ہی طرح پر پورا شہر مغز ماری کرتا تھا۔ دیکھنا یہ ہوتا تھا کہ اس گرہ پر ہم کیسے اشعار کہتے ہیں۔ فلاں استاد نے اس طرح کو کیسے نبھایا تھا۔ تب غزل ایک شاندار اور رشک آمیز تہذیب کا ایک حصہ تھی —— مثنوی لکھی جاتی تو بادشاہِ وقت کے قصیدے بیان ہوتے.... یہ تو ایک تہذیب کا حصہ تھا۔ دیکھنا یہ بھی ہوتا تھا کہ فلاں شاعر اصنافِ سخن کے کس کس صنف میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ نعت بھی تو اسی مشق کا ایک حصہ ہے۔ مگر یہ بچے...."

وہ سنتے ہیں۔ مسکراتے ہیں.... بولنے اور اُبلنے دیتے ہیں بچوں کو....

"انہیں لوگوں نے...." حبیب تنویر کو غصہ ہے.... ادب کو چند جانوروں کا نوالہ بنا رکھا ہے ——"

"چلو میاں۔ اپنا ادب اپنے پاس رکھو تم۔ اور سناؤ۔ زندگی کے اصل امتحان کی کون کون سی تیاریاں چل رہی ہیں ——"

'ناکامی کی ـــــ باقر مرزا ہونٹ چباتے ہیں ـــــ "بس جوش صاحب اس سوال پر مت آیئے .... کہ ہم کیا کر رہے ہیں .... ابھی اس وقت یہ سوال ہمارے نزدیک کسی پستول کی گولی سے کم نہیں ہے ـــــ"

نازاں خیال آہ بھرتا ہے۔ 'جوش صاحب سوال تو ہمیں ملی ہوئی تعلیم کا بھی ہے۔ یعنی ہم .... ہم پانچوں جہاں سے آئے ہیں، وہاں جن اسکولوں کا منہ دیکھنا نصیب ہوا، وہ سرکاری تھے ـــــ انہیں چھوڑیئے تو سیدھی بات کہتا ہوں، جیسی تعلیم چاہئے تھی، ویسی ہمیں نہیں ملی۔ دوسروں کے مقابلے کافی پچھڑے ہوئے۔ 'لُٹے ہیں ہم .... اور امتحان میں پہلے سے ہی ہمارا ریزلٹ آؤٹ رہتا ہے ـــــ

احمد ربّانی ہنستا ہے۔ 'شاعری نہ ہوتی تو ہمارے جینے کا کوئی مقصد ہی نہ ہوتا۔ آج اور کل پر تبصرے، نکتہ چینی اور شاعری۔ اس کے سوا ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ ....'

جوش صاحب جلتے ہوئے ان پانچ پاپیوں کو دیکھتے ہیں اور پھر سے اپنے کمرے کی خاموشی میں پناہ ڈھونڈھ لیتے ہیں....

وہ کون ہیں .... مشاعرہ .... یہ کمرہ ....

یہ سب کیا تھا...؟

زندگی کے یہ کیسے رنگ ہیں.... ایک طویل زندگی سے اکتا کر وہ تھک چکے ہیں۔ ہنسی، قہقہے، سب بے معنی .... مالو کی ہنسی بھی اچھی نہیں لگتی اب .... گھر بھی پرایا سا لگتا ہے.... پھر کھو جاتے ہیں .... مالو کون...، انیل نریندر کون ...، نہیں ـــــ وہ ڈر گئے ہیں ـــــ فضا سے .... ماحول سے .... اپنے آپ سے .... اپنے گھر سے .... اور ....

"بابوجی .... آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟"

انیل ان کی آنکھوں میں جھانک رہا ہے....

سب مصلحت پسند .... وہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے۔

"ڈاکٹر کے یہاں چلئے گا ....؟"

اس کی آواز میں کمزوری چھپی ہے۔

"نہیں ـــــ ٹھیک ہوں۔"

"کبھی ہمیں بھی ـــــ سیوا کا اوسر (موقع) دیا کیجئے۔ تلسی کہہ رہی تھی۔ جانے کیا بات ہے۔ بابوجی ہم سے ناراض رہتے ہیں۔"

وہی کمزور آواز ـــــ وہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔

"غلط فہمی ہوئی ہے۔ ناراض کیوں ہونے لگا بھلا۔"

"تو اسے بھیجدوں۔ سر میں تیل ڈالنے کے لئے۔ کافی خشکی جھلک رہی ہے۔"

انیل کو موقع مل گیا ـــــ

"نہیں ـــــ"

آواز برف کی طرح یخ ہے ـــــ

"نہیں کیوں بابوجی؟"

"بوڑھا آدمی اپنی خواہشوں کا غلام ہوتا ہے۔ یہ ہاں اور نہیں اس کے موڈ کے تابع ہوتے ہیں.... سمجھ رہے ہو .... نہیں نا ـــــ جب مرضی ہوگی بلا لوں گا۔ ہاں کچھ کہنا ہو تو کہو ـــــ"

"جی...."

انیل اٹک گیا ہے....

"کوئی بات نہیں۔ صاف صاف کہو...."

انیل ان کا چہرہ پڑھ رہا ہے .... لیکن ـــــ کیا پڑھ پائے گا ـــــ بھلا؟

"وہ۔ آپ جانتے ہیں.... میں .... اتنا بڑا کاروبار پھیلا رہا ہوں .... جانتے ہیں نا...."

"نہیں ـــــ" وہ دھیرے سے مسکراتے ہیں۔

انیل چونکا۔ "نہیں جانتے ہیں۔"

"آگے کہو ـــــ" چہرہ سپاٹ ہے۔

"اب کیا کہوں.... بزنس کے لئے، بزنس بڑھانے کے لئے.... پیسہ بھی تو چاہئے.... آپ کے بعد...."

وہ کہتے کہتے اٹک گیا ہے.... جیسے غیر ضروری طور پر یہ جملہ اس کے منہ سے نکل آیا ہو.... آپ کے بعد کیا؟ بابو جی کو بُرا بھی تو لگ سکتا ہے.... نہیں۔ وہ غلط کہہ گیا....

"میرا مطلب ہے...."

وہ مسکراتے ہیں.... دبی۔ الجھی مسکراہٹ....

"کہو.... کہو.... مجھے لگتا ہے نریندر بھی وہی کہنا چاہتا ہے، جو تم...."

"کیا نریندر بھی آپ کے پاس آیا تھا؟"

"ہاں۔"

"بابو جی میں.... دراصل...."

"تم لوگ میری زندگی میں بٹوارہ چاہتے ہو.... یہی نا، گھر، جاگیر اور جائیداد کا۔" اُن کی آواز بھاری ہو گئی ہے۔ "یقین رکھو۔ ابھی نہیں مر رہا ہوں میں اور مرنے سے پہلے...."

"تلسی کو بھیج دوں بابو جی.... تیل لگانے کے لئے.... خشکی۔"

اُن کے چہرے پر ورم آ گیا ہے ——

"نہیں۔ رہنے دو۔ ابھی شانتی چاہتا ہوں...."

انیل چلا گیا —— اندر باہر کمزوری کی ایک لہر چل پڑی ہے.... جیسے سمندر میں جوار بھاٹا آتا ہے۔ لہریں شور مچاتی رہیں.... ویسا ہی جوار بھاٹا.... بچے اب گھر توڑنے میں لگے ہیں.... بٹوارہ چاہتے ہیں.... کتنے پیوند لگیں گے اس گھر کو....؟ کتنے پیوند....

جوار بھاٹا کا شور جیسے ہر پل ذہن پر پتھر مار رہا ہے۔ ان سب سے بچنے کے لئے اخبار اٹھاتے ہیں.... خبروں پر نظر دوڑتی ہے۔ پھسلتی ہے۔ آگے بڑھتی ہے اور

جیسے حیوانیت اپنا ننگا رقص شروع کر دیتی ہے.... نہیں.... اور نہیں.... اور نہیں.... ریڈیو کھولتے ہیں.... ٹی۔ وی آن کرتے ہیں.... اور.... وہی ریلیاں، بند، آندولن، ہڑتالیں.... اور موت.... ان گنت موت.... ان گنت.... سانحے، حادثے.... وقت کے حاشئے پر کوئی آتنک وادی کھڑا ہے.... ہاتھ میں اسلحہ لئے.... وہ چیخ رہا ہے.... اور گولیاں برسا رہا ہے....

نہیں....

وہ زور سے چیخ مارتے ہیں.... بچے.... بہو.... دوڑے دوڑے آتے ہیں.... مگر.... یہ سب کون ہیں.... سب کے چہرے.... بس دھواں دھواں.... جھل مل جھل مل کر رہے ہیں....

کون ہو تم لوگ.... وہ پہچان نہیں پا رہے ہیں.... بچے پریشان ہیں.... وہ خوفزدہ سے بچوں کی طرف دیکھے جا رہے ہیں....

(۴)

شہر میں پولس سکیورٹی فورس بڑھا دی گئی ہے —— ایک انجان سا خطرہ ہر جگہ، ہر گھر میں محسوس کیا جانے لگا ہے۔ شہر میں ہونے والی سبھاؤں اور دستخط ابھیان سے بھی لوگوں کے اندر 'بدلاؤ' آیا ہے۔ پولس انتظامیہ اس خطرہ کو بھانپ رہی ہے۔ اسی لئے شہر میں پولس کی گشت بھی بڑھا دی گئی ہے۔ ادھر دکانیں ۹-۸ بجے تک کھلی رہتی تھیں۔ انتظامیہ کے نئے حکم کے مطابق اب دکانیں ۷ بجے شام سے بند کر دی جاتی ہیں۔

شام سے ہی شہر، شہر خموشاں جیسا منظر پیش کرنے لگتا ہے.... اُجاڑ، ویران، سنسان —— کم سے کم چلتے ہوئے لوگ.... اِکّا دُکّا گزرتی ہوئی گاڑیاں..

ان میں زیادہ تر ہارن دیتی گاڑیاں پولس کی ہی ہوتی ہیں ــــــ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ مسلمان زیادہ ڈرے ہوئے ہیں۔ مسجدوں تک جانے والے مسلمانوں کی تعداد میں بھی کمی ہوئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے بھی مسلمان ہیں جو کرایے دار کے طور پر ہندو کے یہاں رہ رہے ہیں تو انہیں ایک انجانا سا خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ خطرہ یہ نہیں کہ ہندو مالک مکان مار ڈالے گا، خطرہ مالک مکان کو بھی ہے کہ ان کے یہاں مسلمان کرایہ دار کیوں ہے؟ وہ منع کرتے ہیں کہ آپ کے یہاں داڑھی والے لوگ نہیں آنے چاہئیں۔ زور سے سلام علیکم اور خدا حافظ کی آوازیں باہر تک نہیں پہنچنی چاہئیں۔ اس سے آپ بھی خطرہ میں پڑ جائیں گے اور ہم بھی۔

بڑے بوڑھے لوگ اپنے اپنے زمانے کو یاد کرتے ہیں، تقسیم کے واقعہ سے اس عہد کو جوڑتے ہیں۔ یاد کرتے ہیں کہ تقسیم وطن کے وقت بھی اس شہر میں کبھی فساد کی نوبت نہیں آئی تھی مگر اب ــــــ یعنی حالات تقسیم سے زیادہ برے ہیں۔ کم از کم ان کی باتیں تو یہی اشارہ دیتی ہیں

ادرادھر پانچ پاپی ہیں۔ شہر کا ایک پرانا سا ہوٹل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک میز پکڑ لیتے ہیں اور تبصرے شروع ہو جاتے ہیں۔ ان پانچوں کی الگ الگ محبوبائیں بھی ہیں۔ ہوٹل میں آنے اور چائے پینے تک محبوباؤں کو لے کر ہنسی مذاق ہوتے ہیں، پھر سنجیدگی کے کفن اوڑھ لیے جاتے ہیں ــــــ "کیا ہوگا" کا خوف بہت زیادہ ہے ۔ ۔ ۔ اس خوف کے پانی پر کاغذ کی کمزور ناؤ چلتی کم اور اچھلتی زیادہ ہے۔

حبیب تنویر کو اس کے دوست ترقی پسند کہہ کر چڑھاتے ہیں۔ وہ سنجیدہ ہوتا ہے۔
"فضا میں بارود ہے اور گھر میں مصلّے بچھ رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ مسجد میں جانے والے نئے لڑکوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ ہندوؤں میں بھی نئی نسل کے ساتھ یہی ماجرا ہے۔ تھک ہار کر عام ذہن نے کیا مذہب کے دقیانوسی لبادہ کو قبول کر لیا ہے؟"
"اپنا ایمان اپنے پاس رکھو۔ لیکن ہمیں کیوں کافر بناتا ہے۔" نازاں خیال ہنستا ہے ــــــ"

اِن پانچوں پاپیوں میں کوئی انفرادیت نہیں تھی۔ جو ان کی خاص شناخت بن سکتی ہو۔ نہ ان کا ڈیل ڈول، نہ ان کا لہجہ ــــــ یہ پانچوں کسی بھی مسلمان محلے یا گھروں میں مل جائیں گے ۔ ۔ ۔ جو بے روزگار ہوں اور جنہیں شاعری کا شوق ہوگیا ہو ۔ ۔ ۔ اور جن کی ایک عدد محبوبہ ہو ــــــ

"خبر کیا پوچھتے ہو ــــــ" نازاں خیال اجودھیا سے ہو کر آیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ وہ خبر دیتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اجودھیا، فیض آباد سڑک پر جگہ جگہ ٹوٹے ہوئے میناروں کے ٹکڑے ابھی تک جوں کے توں پڑے ہیں ــــــ کوٹیا، فقیانہ اور ٹیڑھی بازار کے تباہ شدہ مکان دوبارہ تعمیر ہو رہے ہیں۔ ریلیف کیمپوں سے مسلمان اب واپس آنے لگے ہیں۔ لیکن برپا ہونے والی قیامت کا اثر سب کے چہرے پر ہے ــــــ کتنے ہی لوگ شہر چھوڑ کر محفوظ علاقوں میں بھاگ چکے ہیں ــــــ جو واپس آتے ہیں انہیں گھر اور جائیداد کا موہ کھینچ لایا ہے۔ حقیقت ہے آج اور کل، انہیں اپنا کچھ بھی محفوظ نہیں لگتا ــــــ مسلمانوں کا یقین اور اعتماد سب سے اٹھ گیا ہے۔ ــــــ ایک سوال اور بھی ہے۔ جائیں تو کہاں جائیں ــــــ شانتی بحال ہونے پر یہی سوال انہیں پھر سے اپنی تباہ شدہ چوکھٹ سے باندھ دیتا ہے ــــــ

وہیں ایک منّو بابو ہیں۔ ۸۷ سالہ انصار حسین۔ ۱۹۳۴ء میں جب مسجد پر حملہ ہوا اور مسجد کے تینوں گنبدوں کو نقصان پہنچا، تب بھی یہ اس واقعہ کے چشم دید گواہ تھے۔ ہندو مسلمان اتحاد کے ایک ستون ــــــ ایک مندر ہے جس کی نگرانی کا کام انہیں کے ذمّہ ہے۔ منّو بابو کو یقین تھا، ہر طرف ان کی قدر و منزلت ہے۔ انہیں کچھ نہیں ہوگا۔ مگر ہوا کیا۔ کارسیوکوں نے ترشول کے بل پر انہیں بھی زیر کرنے کی کوشش کی ــــــ

ایک محلّہ ہے کٹرہ ــــــ وہاں مسلمانوں کے بہت سے مکان تھے۔ شناخت کے لیے ان کے دروازوں پر کراس کے نشان بنا دئے گئے۔ حادثہ کے روز سب نے اپنے اپنے دروازوں پر "جے شری رام" لکھ دیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کے مکان کے

پہچان میں آسانی ہو گئی ـــــ اور چُن چُن کر مسلمانوں کے مکان میں آگ لگائی گئی۔

مزار اجڑے پڑے ہیں۔ پانی ٹولہ کے قبرستان کو مرکز نے ایکوائر کر لیا ہے۔ قبریں کھدی پڑی ہیں۔ درگاہ پر حملے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اب بھی لوگ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں۔ مگر وہ پہلے والی بات تقریباً ختم ہوئی لگتی ہے ـــــ

فیض سقراطی کہتا ہے:

جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ مسجد ٹوٹ گئی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں مسجد مت کہو۔ ڈھانچہ کہو۔ میرا پہلا اعتراض تو اسی بات پر ہے۔ وہ مسجد تھی، آخری وقت، ٹوٹنے سے قبل تک وہ مسجد تھی تو اسے مسجد ہی کہا جائے گا۔ حکومت نے وہائٹ پیپر جاری کیا اور الزام سے بری ہو گئی۔ اور وہ لوگ جو فخر سے کہتے ہیں کہ یہ میری فوج نے کیا، ان پر قانون کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی.... وہ آزادانہ گھومتے رہتے ہیں

احمد ربانی کو غصہ تھا.... کچھ لوگ مسلم پرسنل لا پر غصہ نکالتے ہیں۔ آخر کیوں۔ ہندوستان میں صرف مسلم پرسنل لا ہی تو نہیں ہے، جین پرسنل لا، بدھسٹ پرسنل لا اور ہندو کوڈ بل بھی تو ہے۔

نازاں خیال نے اعتراض کیا۔ 'یار، یہ پورا میڈیا ہی ان کا کام کر رہا ہے۔ اس لئے ان بے کار باتوں پر بحث کرنے سے فائدہ نہیں۔ فی الحال چائے پیو اور سوچو۔ شعر و شاعری سے آگے نکل کر ہماری پلاننگ اور کیا ہونی چاہیے ـــــ'

باقر مرزا نے چائے کی چسکی لی ـــــ 'ہمیں خود ایک پریس نوٹ ریلیز کرنا چاہیے جس میں ہم صاف طور پر مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے فیصلہ لیں کہ ہمیں مسجد نہیں چاہیے ـــــ'

"لیکن تمہیں نمائندہ بنایا کس نے؟"

"کسی نے نہیں ـــــ ہم خود بنیں گے ـــــ اب اندھیرے سے نکل کر ہمیں

بھی تو سامنے آنے کی ضرورت ہے...."

"کیوں نہیں، کیوں نہیں، حبیب تنویر نے مذاق اڑایا۔ مسلم رہنمائی بس چراغ لے کر آپ ہی کا انتظار کر رہی ہے.... ویسے کہاں چھپے ہوئے تھے اتنے دنوں تک آپ۔"

"یار مذاق مت کرو۔"

"یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔ مسلم رہنمائی کے لئے، یہ مسلم لیڈر کم پڑ گئے ہیں جو آپ رہنمائی کا فرض سنبھالیں گے ـــــ اور ہماری اوقات کیا ہے.... ایں.... وہ کیوں آپ کی بات مانیں گے...."

"مت مانیں، جائیں بھاڑ میں۔"

"بھاڑ میں صرف وہ نہیں۔ ہم سب جانے والے ہیں ـــــ بات رہنمائی کی نہیں ہے.... بات ہے کہ اگر دوبارہ مسجد بننے کی بات اٹھتی ہے تو ہم بھی چین سے نہیں رہیں گے اور تلوار ہم پر ہی ٹوٹے گی ـــــ اس لئے...."

"ہاں یار یہ ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ صرف شعر و شاعری سے مسئلہ حل نہیں ہوگا اس سے زیادہ اب میدان میں اترنے کی ضرورت ہے۔ ہم صرف پانچ، چھ یا چند لوگ نہیں ہیں۔ ہمارے جیسے سوچنے والے اور بھی ہیں جو فساد نہیں چاہتے۔ دنگا نہیں چاہتے ـــــ جو چین اور سکون سے رہنا چاہتے ہیں۔ ہم یہی چاہتے ہیں کہ وہاں مندر بنتا ہے تو ایک بار بن جائے ـــــ کیوں؟"

چائے خالی ہو چکی ہے اور چائے کے خالی گلاسوں پر مکھیاں بھی بھنبھنانے لگی ہیں۔ وہ سر جوڑے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ پھر کرسی سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں

●●

زمانہ بدل گیا، اکبر پورہ میں پہلے ایک قطار سے رنگ ریزوں کی دکانیں ہوا کرتی تھیں۔ ساڑیاں چھپ رہی ہیں۔ الگ الگ چوکیاں پڑی ہیں۔ لکڑی کے موٹے

ہیں اور انہیں رنگوں میں ڈبا ڈبا کر پلین ساڑیوں پر گل بوٹے کھلائے جا رہے ہیں۔ پہلے عام گھروں میں اس طرح کی ساڑیوں کے رواج خوب تھے تو رنگ ریز بھی تھے۔ لیکن جیسے وقت کے ساتھ بہت سے پیشے حالات کی نذر ہو گئے، رنگ ریزوں کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ اب تو مارکیٹ ہے، شوروم ہے، ایک سے ایک دکانیں ہیں۔ کپڑوں کی ملیں ہیں —— مفت لال، بمبے ڈائنگ، بنّی اور دنیا بھر کی کمپنیاں ہیں۔

اکبر پورہ، رنگریزوں کا یہ مارکیٹ اب پرانے وقتوں کی کہانی ہے۔ اب یہ علاقہ نئے شوروم سے بھرا پڑا ہے۔ ہاں ابھی بھی دو ایک رنگریز کی دکانیں موجود ہیں اور یکاّ دکاّ گاہک بھی کبھی چلے آتے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک دکان ہے شیخو میاں رنگریز کی۔ فیض سقراطی شیخو میاں رنگ ریز کا ہی لڑکا ہے —— عمر کے یہی خطرناک پڑاؤ ہوتے ہیں جب بھٹکتے ہوئے، نوکری کے لئے ڈولتے ہوئے قدموں پر آوارگی کا خیال آتا ہے ——

شیخو میاں بھی چاہتے تھے، فیضو کا یہ اسطرح دوستوں میں اٹھنا گھومنا بند ہو۔ ارے جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا۔ نوکری مل جائے تو ٹھیک ہے۔ جب تک نہیں ملتی، آبائی خاندانی دھندے میں شامل ہو جائے۔ دو پیسے تو بنیں گے ہی۔ دو پیسوں سے گھر کا کتنا بڑا سہارا ہو جائے گا —— وہ کبھی کبھی اپنی قسمت کو کوستے ہیں —— کون سا پاگل پن سوار ہوا تھا جو بچے کو پڑھانے لکھانے اور بڑا آدمی بنانے کا خیال آیا تھا —— میاں تو۔۔۔ وہ جو کہتے ہیں۔۔۔ اب 'سیر' اور گانے بھی لکھنے لگے ہیں۔۔۔ لیکن گانوں سے پیٹ تھوڑا ہی بھرتا ہے ——"

"یہ پانچوں پاپی جب بھی اکٹھا ہوتے۔ وہی پاپی پیٹ کا سوال آکھڑا ہوتا۔ آخر کب تک ریڈیو سے ملے چیک اور رسائل سے آنے والے چیک پر گزارا ہوگا —— ٹیوشنس سے کب تک پیٹ بھرے گا ——"

"ابا کہتے ہیں، ان کا خاندانی پیشہ اپنا لوں ——"

"ہم مسلمانوں کو سرکاری نوکری بھول جانی چاہیے ——"

حبیب تنویر ڈانٹتا ہے —— "سالے محنت نہیں کرتے۔ سرکاری اسکولوں میں پڑھ پڑھ کر سمجھتے ہو سرکاری نوکری بھی مل جائے گی۔ میاں اس کے لئے کانونٹ اور انگریزی اسکولوں میں پڑھنا پڑتا ہے ——"

نوکری ؟

محبوب سے زیادہ ایک حسین خواب تھا اُن کے لئے۔

یہ خواب تڑپاتا تھا، چھیلتا تھا اور پریشان کرتا تھا —— کبھی کبھی یہ شاعروں اور اپنی اپنی شاعری پر جی بھر کر بھڑاس نکالا کرتے۔ "ان سے کوئی فائدہ نہیں۔۔۔۔ جی چاہتا ہے انہیں ختم کر دوں۔۔۔۔ یہ کچھ نہیں دے سکتے ——"

پھر سر جھکا کر بیٹھ جاتے ——

آپس میں پیسے جوڑتے اور چائے والے کو پیسے ادا کر کے اُداس اداس سے گھر لوٹ پڑتے ——

⑤

چودھری برکت حسین کے لئے منّا کا یہ روپ بالکل نیا تھا۔ کہاں ساڑھے چھ بجتے بجتے بھوکا پیاسا آفس سے جلدی جلدی کام نبٹا کر آنے والا منّا۔۔۔۔ جس کے چہرے پر ہمیشہ ہی بارہ بجتے رہتے اور جو کبھی ٹھیک سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرتا تھا وہی منّا اب بدلا بدلا سا تھا۔۔۔۔ گھبرایا ہوا —— پوچھنے پر بھی گھبرا جاتا یا احمقوں کی طرح چہرہ دیکھنے لگتا ——

کبھی کبھی منّا کے کچھ دوست بھی کھنچے آتے۔ جن کے چہرے کرخت ہوتے اور جن کو برکت حسین نے کبھی اس سے پہلے منّا کے دوستوں میں نہیں دیکھا تھا —— جو بوڑھے میاں کو بڑے ادب سے نمستے تو کرتے، مگر پتہ نہیں برکت حسین کو منّا کے یہ نئے دوست جچتے نہیں تھے ——

یہ آتے تو منّا اور بھی زیادہ گھبرایا ہوا لگتا تھا۔ برکت حسین کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹنے لگی تھیں۔ پھر وہ اپنے کمرے میں جاتا اور کاغذ یا تھیلی کی شکل میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکال کر ان کے ہاتھوں میں تھما دیتا۔

یہ خیال بھی اُن کے دل میں آیا تھا ——— منّا کسی غلط کاروبار میں تو نہیں لگ گیا؟

مگر بُرا کاروبار کیسا۔ سرکاری نوکر ہے۔ بجلی آفس میں کلرکی کرتا ہے ——— جائیداد نہ سہی اپنا مکان تو ہے۔ دو دو دکانوں سے کرائے آتے ہیں۔ بھلا غلط کاروبار کیوں کرنے جائے گا۔ کئی دنوں سے وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اب اگر نشی روتی بھی رہتی تھی تو منّا شمیم پر جھنجھلاتا نہیں تھا۔ اور دنوں کی طرح نشی کے روتے ہی برس نہیں پڑتا تھا خود ہی آگے بڑھ کر گود میں اٹھا لیتا۔ کمرے میں ٹہلانے لگتا ———

یہ سب ....؟

منّا کو کوئی بیماری تو نہیں ہو گئی ہے؟

برکت حسین گھبرا گئے ——— اس دن منّا آیا تو وہ اپنی کمزوری چھپا نہیں سکے۔ بیٹا بیٹا کہتے ہوئے پیچھے پیچھے چلے آئے۔ منّا کا چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا۔

"تم بیمار ہو گیا؟"

"کتنی بار کہا ہے ابّا۔ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ مَیں کوئی بیمار ویمار نہیں ہوں؛

'نہیں، منو تو پھر مجھے کیوں لگ رہا ہے۔"

"مَیں کیا جانوں۔ مجھے تنگ مت کیجئے۔"

"دیکھ ——— کوئی پریشانی ہے، آفس میں کوئی بات ہوئی ہے ...؟ نوکری پر کوئی خطرہ ہے ....؟"

"کوئی خطرہ وطرہ نہیں ہے ابّا۔ بس مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔"

انہوں نے منّا کی بات مان لی۔ تنہا چھوڑ دیا ——— مگر اپنے ذہن کو تنہا نہ کر سکے جو لگاتار منّا کے چہرے میں کھویا ہوا تھا۔ دوپہر میں بہو نے کھانا لگایا تو

انہوں نے دریافت کیا ———

"منّا ایسا کیوں ہو رہا ہے آج کل؟"

شمیم نے ابّا کی بات سنی تو ہونٹ لرز گئے۔ زور سے بولی "میری تو قسمت پھوٹ گئی ابّا۔ میں کیا جانوں، مگر .... بہت بدل گئے ہیں وہ ...."

"کیا بدل گئے ہیں؟"

شمیم نے آنچل سے آنسو صاف کئے۔ کسی پریشانی میں۔ رات بھر سوتے نہیں۔ اٹھ اُٹھ کر ساری ساری رات ٹہلتے رہتے ہیں۔'

"اچھا ———"

وہ ایک دم سے چونک گئے۔ "تم نے پہلے کبھی بتایا نہیں۔"

"میں کیا بتاتی ابّا۔ میں سمجھتی تھی آپ کو معلوم ہوگا ———"

"تم نے کچھ پوچھا نہیں۔ بات کیا ہے؟"

"پوچھا تھا کئی بار پوچھا تھا۔ وہ ڈانٹ دیتے ہیں۔"

جمیلہ نے سنا تو جھنجھلا کر بولی ———

"آپ لوگ ناحق میرے بچے کے پیچھے پڑے ہیں۔ ارے زمانہ خراب۔ حالات اچھے نہیں۔ یہی سب سوچ کر پریشان رہتا ہے۔"

"لیکن پریشان تو ہم بھی رہتے ہیں۔ تم بھی ہو جمیلہ۔ لیکن منّا کی پریشانی .... کچھ اور ہی دکھتی ہے ———"

"ہاں امّاں۔ آپ دیکھتی نہیں ——— پہلے کیسے تھے وہ۔ بات بات پر جھنجلا جاتے تھے وہ .... اب ——— نشی کو اٹھا کر پیار بھی کرتے ہیں وہ .... کیسے سمجھاؤں میں ...."

برکت حسین گہری سوچ میں ڈوب گئے ——— ماجرا کیا ہو سکتا ہے؟ کوئی خطرناک بات نہیں ہے۔ نہیں تو .... پھر منّا میں آئی اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے۔ اتنی تبدیلی بے بات اور اچانک تو نہیں آ سکتی .... وہ ذرا سوچ میں ڈوب گئے۔

معاً انہیں ان کے دوستوں کا خیال آیا ـــــ منّا کے یہ نئے دوست۔' وہ شمیم کی طرف مڑے۔

"منّا کی دوستی آج کل کافی بڑھ گئی ہے....."

"ہے تو.... لیکن ابا وہ دوست بنانے والے آدمی نہیں ہیں،' شمیم کہتے کہتے رک گئی۔ رات میں لوٹتے ہیں تو ہاتھ میں کچھ کاغذات بھی ہوتے ہیں۔"

"کیسے کاغذ ـــــ؟"

"پتہ نہیں۔ دفتر کے ہوتے ہوں گے۔ لیکن مجھے ایک بار غصّے سے بولے تھے۔ میرے کاغذوں کی ہیر پھیر مت کرنا۔ چھونا بھی مت ـــــ"

"کہاں رکھتا ہے؟"

"کمرے میں پلنگ کے نیچے اور کہاں...."

وہ جیسے دوبارہ سوچ میں ڈوب گئے۔ دفتر کی اتنے دنوں کی نوکری میں پہلے تو وہ کوئی پینڈنگ کام گھر نہیں لایا۔ اب ـــــ؟ لوٹنے میں بھی دیری ہو جاتی ہے دفتر میں کتنا کام بڑھ گیا ہے۔ ٹھیک سے بولتا بھی نہیں ـــــ

"دیکھو بہو ـــــ" برکت حسین آہستہ سے بولے...."مجھے لگتا ہے.... ان دنوں وہ بہت پریشان رہنے لگا ہے.... تم اس کی بیوی ہو۔ کوشش کرو کہ اس کی پریشانی کی وجہ معلوم ہو سکے۔ ہاں کوشش کرو ـــــ"

وہ اپنے کمرے میں آ گئے۔ کمرہ جیسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا ـــــ یہ بڑھاپا بھی عجیب چیز ہے ـــــ ذرا سا سوچو، فکر کرو تو تھکن وجود پر مسلط ہو جاتی ہے۔ سارا بدن تھکا تھکا سا لگتا ہے.... وہ تھک گئے ہیں.... ہاں بہت تھک گئے ہیں.... تازہ واقعات کی یورش نے اس قدر تھکا دیا ہے کہ مزید جینے کی خواہش سو گئی ہے۔ صرف ڈر لگا رہتا ہے.... ڈر جو موت کی چغلی کھاتا ہے.... ڈر.... جو خوف کی زبانیں نکال نکال کر دکھاتا ہے.... کہ دیکھو میاں.... حالیہ واقعات نے تقسیم ہند کے دنگوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے ـــــ کوئی جگہ سلامت نہیں رہی.... ریلیاں

دنگے اور مستقل ہونے والے فساد.... پتہ نہیں سرکار آئین اور قانون توڑنے والی پارٹیوں پر بندش کیوں نہیں لگاتی ـــــ ہر لمحہ دل کی دھڑکن تیز رہتی ہے.... باہر کے شور سن کر دل دھڑکتا ہے کہ کہیں کچھ ہو نہ گیا ہو ـــــ دو بجے کے قریب لاٹھی ٹیکتے ہوئے بالمکند شرما آئے۔ جوش صاحب کی داڑھی دو دنوں کی بڑھی لگ رہی تھی.... جوش صاحب ماشاء اللہ قاعدہ قانون اور اصولوں کے اتنے پابند آدمی تھے کہ کبھی انہوں نے اس حال میں جوش صاحب کو نہیں دیکھا تھا۔ نفاست پسند۔ مجال کہ روزانہ روٹین میں ایک دن کی بھی تاخیر ہو جائے۔ ایک دن بھی شیو کرنا بھول جائیں۔

"خدانخواستہ دشمنوں کی طبیعت تو درست ہے۔"

ایک تھکی بوجھل سانس لی جوش صاحب نے۔"ہاں میاں برکت حسین! ـــــ اب کیا بتاؤں.... بھول رہا ہوں.... بھولنے کی بیماری ہو رہی ہے.... اچانک پل بھر میں بیٹھے بیٹھے لگتا ہے۔ سب کچھ، سب کچھ بھول گیا ہوں ـــــ آج دوستوں نے مشاعرہ کے لئے بلایا تھا۔ دیکھو نا، مشاعرہ جیسی چیز کو بھی بھول گیا۔ اچانک یاد آیا تو سوچا تم کو بھی ساتھ لے لوں ـــــ"

'لیکن یہ بیماری؟'

جوش صاحب نے ہنسنے کی کوشش کی۔"اب کیا بتاؤں.... یہ کوئی بیماری نہیں ہے میاں۔ بس.... ایک دن بھول جاؤں گا کہ سانس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اور سانس نکل جائے گی...."

"کیا کہتے ہیں جوش میاں۔ مریں آپ کے دشمن۔ چلئے۔ مشاعرہ میں چلتے ہیں.."

مشاعرہ کرامت اللہ صاحب کے یہاں تھا۔ جو کسی زمانے میں شہر کے چیئرمین بھی رہ چکے تھے۔ باہر کا دالان خانہ مشاعروں اور اس طرح کی محفلوں کیلئے وقف تھا۔ جوش صاحب جب پہنچے اس وقت تک شہر کی معزز ہستیاں پہنچ چکی تھیں۔ پانچ پاپیوں کا قافلہ بھی موجود تھا۔ فیض سقراطی، حبیب تنویر، باقر مرزا، احمد ربانی اور نازاں خیال نے ادب سے انہیں سلام کیا ـــــ جواب دیتے ہوئے وہ ایک جگہ بیٹھ گئے ـــــ کارروائی

شروع ہوئی۔ غزلیں پڑھی جانے لگیں۔ درمیان میں شعر و شاعری سے الگ باتوں کا رُخ حالات کی طرف بھی مڑ جاتا ——

حبیب تنویر نے اعتراض بھی کیا۔ "اماں کرامت صاحب اب چھوڑیئے بھی حالات کا رونا۔ دن بھر تو ہم سب حالات کے پنجڑے میں رہتے ہی ہیں —— تھوڑی دیر شعر و شاعری بھی ہو جائے۔"

فیض سقراطی مسکراتے ہوئے بولا۔ "ارے گھنٹے دو گھنٹے تو ہمیں یہاں رہنا ہے شوق صاحب۔ اب کیا مسجد اور کیا مندر ——"

نعمان شوق صاحب نے حامی بھری۔ ویسے بھی وہ ادب برائے ادب کے قائل تھے اور ان 'فضولیات' سے ادب کو پاک رکھتے تھے۔

'میں بھی یہی کہتا ہوں۔' نعمان شوق بولے —— "یہ مسئلہ شعر و شاعری سے اور ہماری آپس کی بات چیت سے حل نہیں ہوگا۔"

کسی نے کہا۔ "زمانہ خراب ہے، مسلمانوں کے سر پر تلوار لٹک رہی ہے۔"

میزبان کرامت اللہ صاحب گمبھیر لہجہ میں بولے —— "ہاں بھائی، سچ کہتے ہو، اب بس ڈر ڈر کر زندگی گزر رہی ہے۔' وہ بالمکند شرما جوش صاحب کی طرف مڑے۔" ارے ہم تو یہی کہتے ہیں، مسجد کا کیا ہے۔ مسجد تو ویسے بھی اب رہی نہیں۔ مندر تو اب بن ہی جانی چاہیئے۔ کیوں بھائی ؟"

"بے شک"۔ فیض سقراطی وغیرہم نے ان کی تائید کی۔ "دیکھا سب یہی سوچ رہے ہیں جوش صاحب .... یہ میری، کرامت صاحب کی یا کسی ایک مسلمان کی بات نہیں ہے۔ سچائی یہی ہے کہ اب ہم میں سے کوئی بھی فساد نہیں چاہتا۔ سب تھک گئے ہیں۔ اور یہ جان گئے ہیں کہ فساد میں مارا ہم کو ہی جاتا ہے۔ فساد کرانے والے تو فساد بھڑکا کر گم ہو جاتے ہیں۔ اور معصوم ہندو اور مسلمانوں کی بن آتی ہے۔"

"فساد ——" حبیب تنویر نے اپنی آواز تیز کی۔ دیکھئے ناصاحب۔ زمانہ کتنا بدل گیا۔ اب ذرا ممبئی کے فساد کو لیجئے۔ کیا سننے میں آیا۔ سننے میں آیا کہ سارا فساد بلڈرز کا

کارنامہ تھا —— جھگیاں بغیر فساد کے خالی ہونے سے رہیں —— اور بلڈرز چاہتے تھے کہ جھگیاں ہٹا کر بلڈنگس کھڑی کی جائیں اور اس کے لئے چاہئے تھا ایک بڑا فساد۔ اب دیکھئے نا اس میں ہندو اور مسلمان کہاں ہیں۔ سیاست داں کہاں ہیں۔ یہ تو بلڈرز کا فساد ہے ——"

حبیب تنویر نے بات آگے بڑھائی۔ 'فساد دنگے تو بس کھیل بن چکے ہیں کرامت صاحب۔ اب سٹہ کو ہی لیجئے۔ ملک میں چاروں طرف سٹے کا بازار گرم ہے۔ خاص کر ممبئی فساد کے بارے میں خبر ملی کہ اس کے بارے میں جے پور میں زبردست سٹہ لگا تھا۔ اب دیکھئے دنگوں پر بھی سٹہ بازار کا قبضہ ہوگیا۔ کہاں فساد ہوتا ہے ؟ فساد ہوگا یا نہیں، لاکھوں کروڑوں کا جُوا شروع ہوگیا —— اور بلی کون چڑھا۔ عام انسان۔"

نعمان شوق نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "انسانیت مر رہی ہے، قتل ہو رہی ہے صاحب۔ کاروبار ہو رہا ہے انسانی جسموں کا —— سب سے ارزاں ہو گیا ہے انسان کا بدن —— چاہو تو سٹے میں لگا دو .... چاہو تو بلڈرز کے مفاد کا نشانہ بنا دو جو بچ جائیں ان کے لئے مندر اور مسجد تو ہیں ہی —— جان سستی ہوگئی ہے۔ انسان کو مرنا ہے .... وہ چاہے جیسے مرے۔ ان سے بھی بچ نکلا تو قدرتی آفات ہیں۔ سیلاب ہے .... طوفان ہے .... زلزلہ ہے .... اور .... "

ایک بزرگ نے دھیرے سے کہا۔ "کچھ بھی کہیے۔ باقی تو کبھی کبھی کی چیزیں ہیں۔ مگر فساد کا موسم اب اس ملک کا چوتھا موسم بن گیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بارہوں ماس اکیلا چلنے والا موسم فساد کا موسم ہے ——"

"سچ کہا، بالکل سچ کہا ——"

چودھری برکت حسین کو بزرگ کی بات سولہ آنے سچ لگی۔ وہ مسکرائے۔ پھر جوش صاحب نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ بھی مسکرائے۔

"لیکن یہ بھی سچ ہے"۔ کرامت صاحب پھر گمبھیر ہوئے۔ "لیکن مسلمانوں کی

زندگی ہے خطرے میں۔ اب اسی شہر کو لیجئے۔ آزادی سے پہلے بھی کبھی اس جگہ فساد نہیں ہوا۔ اور اب —— ہر روز خدشہ لگا رہتا ہے .... کہ پتہ نہیں کب کیا ہو جائے کب دنگا بھڑک اٹھے۔"

فیض سقراطی بولا۔ "اس وقت ملک کے حاشیہ پر سب سے بڑا ہیرو مذہب ہے۔"

حبیب تنویر نے لقمہ دیا۔ "ہیرو نہیں، ولن کہو۔"

ایک بزرگ بگڑ گئے —— "چند لوگ اگر غلطیاں کرتے ہیں تو مذہب کو قصوروار کیوں مانتے ہیں آپ لوگ ؟"

حبیب تنویر نے کچھ بولنا چاہا۔ فیض سقراطی نے ہاتھ پکڑ لیا۔ ہر کا عقیدہ اس کے ساتھ ہے۔ ہمیں کسی کے عقیدے سے نہیں کھیلنا چاہیئے۔

بزرگ کھولتے اور ناراض ہو گئے —— "سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ بچے مذہب کو کھیل کیوں سمجھتے ہیں ——"

حبیب تنویر کا لہجہ لڑکھڑا گیا —— "کھیل نہیں سمجھتے ہیں بزرگوار —— لیکن یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ مذہب کے نام سے ہو رہا ہے۔ جن کے نام پر لڑنے اور کٹنے کا سلسلہ چل رہا ہے، وہ دھرم آتشل ہیں —— رام اور خدا آپس میں لڑتے یا دیکھے نہیں آ رہے ہیں۔ آ رہے ہیں ہم اور آپ جیسے لوگ .... یہ مذہب کو آپ لوگ اپنے اپنے گھروں میں بند کیوں نہیں رکھتے۔ نمائش کے لئے باہر کیوں نکال لیتے ہیں۔"

بزرگ ہکلا کر بولنے لگے تھے .... "تما .... ئش .... کیا .... کہا ...."

کرامت صاحب نے نوجوانوں کو شانت کیا .... "بہت ہو گیا میاں۔ اب خاموش ہو جاؤ —— اس بحث سے فائدہ بھی کیا ہے .... ؟"

"ہاں کیا فائدہ ہے ؟"

چودھری برکت حسین نے سر ہلا کر حامی بھری۔

بزرگ، برکت حسین پر چڑھ دوڑے .... "میاں برکت حسین۔ آپ کو کیا فرق

پڑتا ہے۔ گھر جلے گا تو بے چارے مسلمانوں کا —— ہم لوگوں کا" ——

برکت حسین چونک گئے۔

جوش صاحب حیرت سے بزرگوار کا چہرہ پڑھنے لگے۔

"کیا فرما رہے ہیں مولانا ؟"

برکت حسین کی آواز لڑکھڑا گئی۔ "یہ آپ کس زبان میں بات کر رہے ہیں۔"

"واہ جناب۔ اب زبان بھی، اپنی زبان بھی بھول گئے"۔ بڑے میاں نے سر نچایا —— جیسے آپ کچھ جانتے ہی نہیں۔ بھولے بن رہے ہیں۔ ارے آپ کو کیا فرق پڑے گا۔ آپ کا لڑکا بھی تو .... بھاجپا کا آدمی ہے ....

"کیا —— ؟"

برکت حسین ایسے اچھلے، جیسے دشمن نے اچھل کر، ان پر تلوار سے وار کیا ہو۔ تلوار کی تیز دھار بدن کے کسی نازک حصے کو چھوتی ہوئی نکل گئی ہو .... بڑے میاں نے جوش صاحب کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر غصہ جم گیا تھا۔ بڑے میاں کو طیش آ گیا۔

"اب ان ہی جوش صاحب کو دیکھئے، یہاں مشاعرے میں آتے ہیں: نعت پڑھتے ہیں اور وہاں ان کا لڑکا سبھائیں بلواتا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف بولتا پھرتا ہے —— ہے ہے .... کیا نازک زمانہ ہے۔ تلوار بھی چلاؤ۔ اور مرہم پٹی بھی کرو۔ ارے میں کہتا ہوں سب بیکار —— شعر و شاعری، میل ملاپ کی باتیں سب آخ تھو ...."

دیگر لوگوں کے سمجھاتے سمجھاتے۔ بڑے میاں ہکلاتے ہکلاتے اٹھے اور غصے سے اچھلتے ہوئے دروازہ سے باہر نکل گئے۔

جوش صاحب کو جیسے کاٹھ مار گیا۔ پتھر کی مورت بن گئے۔ سر نیچا ہو گیا —— یہ کیا تھا —— اب اس طرح سر بازار انہیں تماشہ بننا پڑے گا۔ برکت حسین کو بھی کچھ یہی لگ رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے منا کا سہما سہما چہرہ گھوم رہا تھا .... تیز تلوار انہیں زخمی کرتے ہوئے نکل گئی تھی .... اور یہاں سانس کے چلنے کے باوجود

—— کرامت اللہ کے دالان خانے میں ایک بے حس جسم تھا جو تلوار سے کٹنے پر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا ——

(۶)

بالمکند شرما خاندان، تہذیب اور اخلاق کی اس کھونٹ سے بندھے تھے جہاں سب سے بڑی چیز ہوتی ہے عزت —— عزت جس کے لئے جان لی بھی جاتی ہے اور گنوائی بھی —— کل تو سارا کھیل عزت کا تھا۔ بیاہ، شادی، زندگی کی ڈور سے بندھی ہر رسم، ہر رواج پر عزت کا قبضہ تھا۔ زندگی میں اور ہوتا کیا ہے، پاتا کیا ہے ایک مجبور انسان۔ بس عزت ہی نا؟ اور بچے اس عزت کا جنازہ نکال دیں تو....

ایسے ناشکرے بچوں کو یہ دل کیسے قبول کر لے ——؟

بڑھاپے کا 'گھر' تو اور بھی بے جان ہوتا ہے۔ دھڑکا، تپاک اور اس طرح کی بیماریاں —— مشاعرے میں جو بھی ہوا وہ ایک خواب کی بدترین تعبیر سے بھی زیادہ بھیانک تھا۔.. انہیں لگا، ان کی عزت کی پالکی رکھا گئی، سر بازار —— برکت حسین کو چھوڑ کر گھر چلے تو دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ دروازے میں داخل ہوئے تو مالو لپک کر آئی۔ مالو کو ان دیکھا کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ مالو دوبارہ لپکی تو جھٹک دیا۔ غصے میں سیڑھیاں چڑھ گئے۔ دروازہ بند کر لیا —— سانس پھول رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا.... گھر کی ہر چیز توڑ ڈالیں .... ہر چیز.... مگر اوپر چڑھتے چڑھتے سانس اتنی پھول گئی .... کہ کچھ بھی .... سمجھ میں نہیں آیا .... سب بھول گئے۔ آنکھوں کے آگے سُرمئی اندھیرا اتر آیا .... زور زور سے چیخے .... گلدان اٹھا کر زمین پر دے مارا.... نریندر دوڑا دوڑا آیا۔ ویسے مالو سے ددّو کی طبیعت خراب ہونے کی خبر مل گئی تھی....

دروازہ بند تھا ——

اندر جیسے توڑ پھوڑ مچ رہی تھی....

پتا جی دروازہ کھولئے ——

نریندر وحشت سے چیخا ——

پھر جیسے کانچ ٹوٹا ہو —— کوئی چیز زمین پر دھپ سے گری.... اور ٹوٹ کر چُور چُور ہو گئی....

دروازہ کھولئے....

پتا جی....

اب مالو رونے لگی تھی۔ ادما بھی دوڑی دوڑی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

نریندر گھبرایا ہوا تھا.... 'دیکھو نا؟ پتا جی نے خود کو اندر سے بند کر لیا ہے۔ وہ سخت غصہ میں لگ رہے ہیں۔ اندر کی چیزیں بھی توڑ رہے ہیں....'

"پتا جی پاگل تو نہیں ہو گئے...."

ادما شک کا اظہار کرتے ہوئے پھر ڈر محسوس کر رہی تھی....

"پاگل؟"

نریندر کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی....

"پتا جی!"

اور ایک تیز جھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔ سامنے وحشت سے نکلی ہوئی دو پتلیاں تھیں —— دو انتہائی غصہ میں ڈوبی آنکھیں۔ کمرہ حشر کا میدان نظر آ رہا تھا۔ ریک کی ساری کتابیں زمین پر تھیں۔ شیشے کے گلاس، گلدان شہید پڑے تھے۔

"پتا جی...."

"کون ہو تم۔ کیوں آئے ہو؟"

بوڑھا اپنی پوری طاقت لگا کر گرجا۔

"میں، نریندر ہوں۔"

"جھوٹ بولتے ہو۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم ایک بھاجپائی ہو۔"

"پتاجی...."

نریندر کو اپنی آواز بے حد کمزور لگی...."دیکھئے، آپ کو بلڈ پریشر بھی ہے پتاجی ....اور آپ کی طبیعت ——"

اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ تھامنا چاہا —— بالمکند نے ہاتھ بے رُخی سے جھٹک دیا —— مالو آگے بڑھ کر دادو سے لپٹ گئی....

"دادو۔"

"دُور ہٹ ——"

بالمکند نے زور سے ڈانٹا "کیوں آئے ہو مجھے پریشان کرنے .... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو .... چلے جاؤ...."

"نہیں۔ ہم آپ کو یوں نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نیچے چلئے پتاجی...."

وہ دھم سے بستر پر بیٹھ گئے۔ آنکھیں تن گئی تھیں۔ جسم لرز رہا تھا.... انہوں نے کانپتا ہوا ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرا —— چہرہ جیسے پسینے میں نہا گیا تھا۔ وہ جیسے ہاتھ جوڑے نریندر کے سامنے لرز رہے تھے۔

"ابھی مجھے تنہا چھوڑ دو۔ تنہا چھوڑ دو مجھے ——"

●●

جیسے ایک گرم صبح ہوتی ہے، جیسے آگ برساتا ہوا سورج کا گولہ ہوتا ہے.... زمین تپتی ہے.... جھلستی ہے .... اور جیسے اس جھلستی تپتی گرم زمین پر بارش کی ایک بوند ٹپک —— جاتی ہے.... جیسے ہلکی سی بارش ہوتی ہے .... اور ماحول میں حبس پھیل جاتی ہے....

جیسے بوڑھے آدمی کا دماغ ہوتا ہے.... تپتا ہے، ایندھن کی طرح، جھلستا ہے ریت کی طرح، پھٹتا ہے لاوے کی طرح .... اور پھر.... گرم تپتی ریت پر جیسے بارش کی ایک بوند ——

میز ہے۔ کرسی ہے اور بالمکند شرما ہیں۔ ہاتھوں میں قلم ہے.... صبح کا وقت

ہے۔ دھوپ کی شعاعیں، کھڑکیوں سے چھنتی ہوئی کمرے میں در آئی ہیں....اب بھی ذہن پر اتنی ہی ہلچل یا تپش ہے، جیسی گرم ریت ہو....

کاغذ ہے .... اور قلم ہے.... اور چلتا ہوا ہاتھ....

میرے سامنے صرف ایک اتیت ہے۔

ایک اتیت، جہاں جا سکتا ہوں میں، جہاں جانا مشکل نہیں کہ راستے میں آنسوؤں کی ایک ندی پڑتی ہے .... یادوں کا ایک گہرا دریا ہے.... جسے عبور کرنا آسان نہیں ——

میرے سامنے صرف ایک اتیت ہے....

لیکن یہ اتیت مجھے میری جان سے پیارا ہے.... مجھے میری سب سے عزیز ترین شے سے بھی زیادہ عزیز ہے.... یہ اتیت بُرا بھی ہے.... اس اتیت میں میرے کھٹے میٹھے قصے تو ہیں.... میری شرارتیں تو ہیں.... مگر اس کے علاوہ ایک بدنما غلامی بھی ہے....

میرے سامنے صرف ایک اتیت ہے....

اور جیسا دوسرے بھی جان گئے ہوں گے کہ اس اتیت میں غلامانہ دَور کے زخم چھپے ہیں.... میرا لہولہان بدن چھپا ہے.... کچھ کڑوی یادیں چھپی ہیں.... اور کچھ نفرت کے زہر بھی گھلے ہیں.... مگر جس اتیت میں فرق کے پیوند تھے اور نفرت کے دھبّے، وہ اتیت تو میں 'اسی وقت'، وقت کے اگالدان میں پھینک آیا....

مجھے اس اتیت سے بھلا کیا لینا تھا....

مجھے تو ایک سُندر، سلونا اتیت چاہیئے تھا.... وہ اتیت جسے میں جب چاہوں، جادوگر کے ڈبے کی طرح اپنی مٹھیوں میں اگالوں.... میں جب چاہوں، تنہائی کے سُروں میں پالوں، جب چاہوں آنکھوں میں بسالوں، کلیجے سے لگالوں،

میرے سامنے صرف ایک اتیت ہے.... اتیت جسے آنسوؤں سے لکھنا ہے اور....

.... جیسے گرم تپتی ریت پر بارش کی ایک بوند.... وہ ابھی تک نہیں پہنچے... بالکل دشرما گھڑی دیکھتے ہیں.... وہ پانچ پاپی ابھی تک نہیں پہنچے۔ آتے ہی ہونگے

.... یہ زخم تو اب ٹیس دینے لگا ہے....

قلم کو کاغذ پر جمائے وہ گہری سوچ میں ہیں۔ قلم ٹھہرا ہوا ہے....

"میرے سامنے...."

اور سامنے کھڑے ہیں وہی پانچ پاپی ———

"آپ نے یاد کیا ہے جوشؔ صاحب؟"

فیض سقراطی، نازاں خیال، حبیب تنویر، باقر مرزا، احمد ربانی....

وہ سب کے چہرے کو باری باری سے تکتے ہیں۔ مسکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔

"ہاں، بیٹھ جاؤ۔ میں نے ہی بلایا تھا۔ میاں غلطی تو نہیں کی؟ نہیں... اپنے بچوں جیسے ہو تم؟ بلایا تھا.... بیٹھ جاؤ...."

آواز کبھی شکستہ ہوتی ہے، کبھی ٹوٹتی ہے.... کبھی لرز جاتی ہے....

"تمہارے آنے سے قبل میں کچھ لکھ رہا تھا۔ دیکھو.... میرے سامنے صرف میرا اتیت ہے... اور... ایسا کیوں ہے.... تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے ——— نہیں ——— مجھے اس طرح دیکھ کر پریشان ہو گئے ہو بچو! ایسے پہلے کبھی نہیں دیکھا نا.... لیکن بچو.... سُنو.... غور سے سنو۔ میں جو کہہ رہا ہوں.... میں اتیت میں چلا گیا ہوں.... اتیت میں کون جاتا ہے.... جس کا انت آ گیا ہوتا ہے بچو... سب سے زیادہ اتیت سے پیار اسی کو ہوتا ہے.... میں تھک گیا ہوں۔ اتنا تھک گیا ہوں کہ اب ایک لمبی نیند سونا چاہتا ہوں.... آں، پریشان مت ہو ——— سنو۔ جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ آج تم نہیں بولوگے.... صرف میں بولوں گا.... وعدہ؟ ٹھیک ہے.... تو سُنو.... میں بھلکڑ ہو گیا ہوں.... یہ صحیح بھی ہے.... جو سامنے ہے، اس میں یاد رکھنے کو ہے ہی کیا میاں۔ کہتے ہیں کہ موت نزدیک ہوتی ہے تو اُسے اس کے گزرے ہوئے عزیز، رشتہ دار آواز لگاتے ہیں.... وہ اپنے اتیت میں لوٹتا ہے اور اُن کی صدائیں سُنتا ہے.... اور وہاں جہاں جنّت و دوزخ جیسی کوئی اگر شے ہے، تو وہاں اس کے عزیز اس کا انتظار شروع کر دیتے ہیں۔

بچّو.... ممکن ہے۔ میں بہک رہا ہوں.... تو آج.... ابھی اس لمحے، جب تم میرے پاس ہو، میرے بہکنے کو بھی معاف کرنا.... اور اب سُنو.... میں جو کہنے جا رہا ہوں.... غور سے سنو.... میں جا رہا ہوں یا جانے والا ہوں، تمہارے درمیاں سے ہمیشہ کے لئے ———

لیکن اس میں حیرانی کی کیا بات ہے بچّو۔ جو آتا ہے وہ جاتا ہی ہے اور میں نے کافی وقت تمہاری اس بے رحم دنیا میں گزار لیا ہے.... اس کے باوجود مجھے لگتا ہے، تمہارے ساتھ.... ایک حادثہ.... ایک بڑا حادثہ ہونے والا ہے.... اور سُنو.... پتہ نہیں کیوں.... آخر وقت میں کوئی آدمی.... جو مجھ میں برسوں سے رہا ہے.... مجھ سے چیخ کر کہتا ہے.... کہ میاں، یہ تمہارا جانا ہی سب سے بڑا حادثہ ہے ———

سُنو، میں جا رہا ہوں.... میں پھر نہیں آؤں گا.... میں تمہارے درمیان پھر کبھی واپس نہیں آؤں گا ——— میں تمہارے درمیان کی ایک کڑی تھا۔ میں مشقِ سخن کرتا تھا ——— میں تمہارے درمیان ہنستا بولتا تھا۔ اب دوسرے آئیں گے، لیکن ——— میں نہیں آؤں گا اور جان لو.... میری طرح کا کوئی آدمی تمہارے درمیان، اس طرح ہنستا بولتا نہیں آئے گا ———

میرے بچّو....

میرے سامنے صرف ایک اتیت ہے....

اور جیسے کوئی غیبی صدا کچھ کہلواتی ہے.... شاید ویسے ہی مجھے بھی الہام ہوا، یہ ——— یہ صدا دی گئی کہ میں تم پانچوں کو بلاؤں.... یہاں.... اور کہوں... سنو.... میں اتیت میں جا رہا ہوں....

میں اب تمہارے درمیان کبھی واپس نہیں آؤں گا....

کبھی واپس نہیں آؤں گا....

اور اتیت کی باقی کہانی لکھنے کا فرض تمہیں ادا کرنا ہوگا....

تم لکھو گے نا؟ بولو .... جواب دو....

پھر وہ بستر پر لیٹ گئے، اور ایسے لیٹ گئے، جیسے نیند آگئی ہو ـــــ!

"جوش صاحب!"

ان پانچوں نے گھبرا کر آواز لگائی ـــــ

وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے ـــــ 'گھبراؤ مت ـــــ ابھی مروں گا نہیں.... ابھی ایک ضروری بیان دینا ہے مجھے....'

ان کے چہرے پر بچوں کی طرح کھلکھلاہٹ تھی۔ پانچوں ان کی حرکتوں کو دم بخود دیکھ رہے تھے۔ اس طرح کہ جیسے کسی پاگل کو دیکھ رہے ہوں ـــــ

اتیت [1]

[1] ماضی

ایک پاگل اتیت ہے
ایک ہم ہیں
اور ایک ہے پانی سے بھری ٹھنڈی صراحی
ایک کھلا کھلا باغیچہ ہے
ہریالی ہے
اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ہیں
کچھ بچے ہیں، میرے بچوں جیسے، میرے بچوں کے چہروں جیسے
ہاتھوں میں جامن ہے، کُن منی بیر ہیں
اور شرارتیں ہیں
شرارتیں جن کے دائرے نہیں ہوتے
اور جن کی تہذیب نہیں ہوتی

ایک ہم ہیں
اور ایک پاگل اتیت ہے

OO

بالمکند شرما جوش

اتیت سے کچھ یاد ہے

①

بالمکند شرما جوش کے پتا یعنی رام ولاس شرما تک آتے آتے جاگیردارانہ اور زمیندارانہ نظام کا کسی حد تک تو خاتمہ ہو ہی چکا تھا۔ لیکن یہ رگوں میں دوڑنے والا خون تھا کہ اعلیٰ نوابیت کے آثار پوری طرح موجود تھے۔ کسی پر نثار ہو جانا تو خود کو لُٹا دینا، اعلیٰ ظرفی کی ایک سے ایک مثالیں اس گھر کے نام سے دی جاتی تھیں۔ کبھی طوطی بولتا تھا، اور کہتے ہیں اردو فارسی تو اس گھر کی لونڈی تھی۔ بولنے پہ آتے تو جیسے شہد کی ندیاں بہہ رہی ہوں۔ زبان میں اتنی مٹھاس، رہن سہن میں اتنی نفاست سلیقہ مندی اس قدر کہ شاہی گھرانوں کے قصے بھی ایک طرف --- یہ الگ بات ہے کہ بالمکند شرما جوش تک آتے آتے یہ شان، آن بان لوگوں کے پستہ مذاق کی زد میں آگئی۔

بالمکند شرما جوش کے دادا تھے پرتاپ بہادر شرما۔ ان کے نام سے ایک دلچسپ واقعہ کچھ یوں منسوب ہے کہ ایک بار پرتاپ بہادر ایک نواب صاحب کے یہاں مہمان ہوئے۔ ہفتوں وہیں رہے۔ دعوت اڑائی، شطرنج کی بازیاں جمتی رہیں۔ پھر ایک دن موڈ میں آئے۔ بولے، اچھا نواب صاحب۔ اب اجازت دیجیے۔ تانگہ منگوا لیجے۔ نواب صاحب نے تانگہ منگوایا

پرتاپ بہادر نے کوچوان کو دیکھا۔ منہ سکوڑا۔ انہیں گھوڑا تو پسند آیا مگر کوچوان نہیں۔ بولے، "رہنے دیجئے نواب صاحب، پھر کسی دوسرے دن"۔۔۔۔

دوسرے دن اگر کوچوان پسند آیا تو گھوڑا دبلا پتلا نکل گیا ـــــ جانے کی باری پھر ٹل گئی۔

پھر ہفتوں گزر گئے۔ کبھی گھوڑا پسند آتا تو کبھی کوچوان۔ کبھی دونوں پسند آتا تو کوچوان کا نام جی کو بھاتا نہیں۔ نواب صاحب بھی پریشان ہو گئے۔ پھر آخر ایک دن نواب صاحب نے ایک خاص تانگے والے کو بلایا ـــــ کوچوان کا نام گلاب تھا۔ گھوڑا عمدہ نسل کا تھا۔ گلاب خود بھی خوبصورت نوجوان تھا ـــــ بس پرتاپ بہادر بیٹھ گئے ـــــ کہ اب اجازت دیجئے نواب صاحب .... آہا .... ہہ .... ہہ .... گھوڑا اتنا خوبصورت کوچوان اتنا اچھا .... اور کوچوان کا نام اتنا پیارا۔ بس اب اجازت دیجئے ـــــ بار بار پیار سے، ہاتھوں سے کوچوان کا گال سہلاتے .... واہ بھائی واہ مزہ آ گیا۔ بس چلو میاں ـــــ یکّے میں بیٹھ گئے۔ یکہ چل پڑا۔ نواب صاحب کی جان میں جان آئی۔ مگر اصل واقعہ یوں ہے کہ بیچارہ بُرا پھنسا تو کوچوان ـــــ جو ہفتہ بھر پرتاپ بابو کو لے کر اِدھر اُدھر گھومتا رہا اور عاجزی سے پوچھتا رہا۔ سرکار گھر کا پتہ تو بتائیے۔ چلنا کہاں ہے؟ اور پرتاپ بابو مسکراتے ہوئے یہی کہتے رہے .... میاں تمہارا نام اتنا اچھا، تم اتنے اچھے تمہارا گھوڑا اتنا اچھا .... اب جاؤں تو کہاں جاؤں۔ اور واقعہ ہے کہ بیچارہ کوچوان ہفتہ گزار کر ہانپتا کانپتا نواب صاحب کے یہاں یکّہ لے کر حاضر ہوا۔ ہاتھ جوڑا، کہ حضور۔ بس آپ ہی کچھ کیجئے۔ یہ تو چھوڑتے ہی نہیں ـــــ

ایک دوسرا واقعہ یوں منسوب ہے کہ لحاظاً مروتاً نواب صاحب اور پرتاپ بابو میں ایک بار سلام کرنے کی ہوڑ لگ گئی ـــــ ایک سلام کر کے رُکتا تو دوسرا سلام کے لئے ہاتھ اُٹھا دیتا ـــــ دوسرے کا ہاتھ جھکتا تو پہلا لحاظاً کہ شرمندگی نہ ہو، آداب میں ہاتھ اٹھا لیتا ـــــ گھنٹوں گزر گئے ـــــ دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ گئی۔ بڑی مشکل سے انھیں دیوانِ خاص میں بلوایا گیا۔ تب جا کر ان کا سلام کرنا بند ہوا اور دونوں شطرنج نکال کر

بیٹھ گئے

رام ولاس شرما جی کے بارے میں مشہور تھا کہ فارسی کے استاد تھے۔ شہر میں کوئی سا بھی اجلاس ہو، مشاعرہ ہو، محفل ہو، خصوصی طور پر بلوائے جاتے ـــــ صدارت کی کرسی انھیں ہی سونپی جاتی ـــــ جب تک زندہ رہے شہر کی شان بنے رہے۔ مرے تو لوگ کہتے تھے کہ ایسے لوگ پیدا کہاں ہوتے ہیں ـــــ لیکن بالمکند شرما جوش تک آتے آتے تہذیب اور پرانی قدروں کی تعریف کچھ حد تک بدل چکی تھی ـــــ پھر آزادی کے بعد ہر صبح یہ تعریف بدلتی رہی ـــــ انھیں تو اپنے گھر میں ہونے والے وہ مشاعرے یاد تھے جہاں ہندوستان بھر سے اعلیٰ پائے کے شاعر بلائے جاتے اور کئی کئی روز تک گھر میں جشن کا سماں رہتا تھا ـــــ لیکن بدلتے وقت نے پرانی قدروں کو کسی حد تک زخمی ضرور کیا تھا۔ جیسے وہ دیکھ رہے تھے کہ وقت کی گردش کا انداز بدلا تھا۔ سورج کا نکلنا، ڈوبنا، صبح شام رات کا ہونا، موسم کا بدلنا، سب میں ایک نمایاں فرق آیا تھا۔

وقت گزاری کے لئے وہ وکالت کرتے تھے لیکن اُن کی وکالت کبھی چلتی ہوئی نہیں دیکھی گئی۔ بھلا ایسے شاہی مزاج آدمی کو، جس نے خود کو اصول، قاعدے قانون اور تہذیب کی دقیانوسی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہو، بھلا مؤکل ملتا بھی تو کیسے ـــــ کبھی کبھی کوئی سرپھرا، اُنھیں کے جیسا مؤکل پھنس جاتا تو پھنس جاتا ـــــ ورنہ اللہ اللہ خیر صلّیٰ ـــــ ابھی بھی کافی جائیداد تھی۔ کورٹ بس وقت گزارنے کے لئے استعمال کرتے۔ جی نہیں چاہتا تھا تو وہ بھی نہیں ـــــ کورٹ بھی بس گپ شپ کے لیے استعمال کرتے۔ شاعری ہو رہی ہے اور نئے ملنے والوں سے ملا جا رہا ہے۔ پرانے وقتوں کی یاد تازہ کی جا رہی ہے۔

اینل ان کی پہلی سنتان تھی۔ اینل تھوڑا بڑا ہوا تو خیال آیا، کسی اچھے مولوی صاحب کو بلا کر آموختہ شروع کرا دیا جائے کہ آخر وہ بھی تو آموختہ کے بعد ہی اصل پڑھائی کی طرف لوٹے تھے۔ لیکن بدلتی ہوئی ہوا کا پہلا احساس اس دن ہوا جب پتنی اور سسرالی لوگ مخالفت

پر اُتر آئے

"یہ کیا، بچّے کو اُردو پڑھواؤ گے؟"

"کیوں؟"

مخالفت کی آنکھیں تو اس کیوں کا جواب اُن کی آنکھوں میں گھور رہی تھیں....

"کیوں بُرائی کیا ہے؟"

"یہ مسلمانوں کی زبان ہمارے بچّے کو نہیں پڑھائی جائے گی۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟"

وہ ایکدم سے چونک گئے.... آواز اندر ہی اٹک کر دم توڑ گئی.... پتاجی نے اُنھیں پڑھایا تو کیا ان کا دھرم پریورتن ہوگیا.... یہ سوچ.... یہ نئی ہوا.... وہ بس چہرہ دیکھ رہے تھے.... زبان جیسے پتھرا گئی....

پتنی انیل کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی....

وہ بہت کمزور لہجے میں بولے ـــــ زبان پر کسی کا حق تھوڑا ہے!

"ہے کیسے نہیں؟" پتنی کا چہرہ سنجیدہ تھا ـــــ اُردو میں پڑھا کر مولوی بنانا ہے کیا ـــــ بچّے کو بھوکے مارنا ہے۔ وقت بدل گیا ہے۔ اب کوئی اپنے بچّوں کو اُردو نہیں پڑھاتا ـــــ ہم بھی نہیں پڑھائیں گے۔"

بس سیدھا سادا فیصلہ ـــــ حکم صادر ہوگیا۔ لیکن وہ خود جیسے اجنبی خیالوں والی پگڈنڈی پر سوار ہو گئے.... وہ نرمی.... وہ شائستگی، وہ حُسن، وہ نزاکت، ارے جو چاشنی اُردو میں ہے.... وہ....، لیکن کس سے کہتے.... پتنی تو کب کی جاچکی تھی۔ اُنھیں لگا، اب دوسروں کو نہیں خود کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ میاں بالمکند شرما جوش، اب ہوش میں آجاؤ.... ورنہ جان لو اُردو کو مسلمانوں سے جوڑنے والے کسی دن تم کو بھی مولوی بنا کر خاندان سے علیحدہ کر سکتے ہیں.... تم پر الزاموں کی بارش کر سکتے ہیں۔....

ہاں تم پر....

اور تم چاہ کر بھی اپنی کوئی صفائی نہیں دے پاؤ گے۔

اُن کی زبان بند نہیں کر پاؤ گے

وقت گزرتا جارہا تھا اور گزرتے وقت کے ساتھ ان کے نام کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے ـــــ ایک نام بالمکند شرما گھر کے لیے رہ گیا تھا۔ دوسرا جوش والا حصّہ ان کے لیے محفوظ تھا، جینے کے نام پر کچھ تسلی بچا کر رکھنے کے لیے۔ ـــــ یہ جوش بھی چھن جاتا تو بھلا جینے کے لیے رہ ہی کیا جاتا

وقت کی سرپھری ہواؤں میں کتنی ہی بار اُن پر اعتراض بھی ہوئے ـــــ پھر نریندر آگیا۔ بچّے کیا کرتے ہیں۔ کیسے پڑھتے ہیں۔ اُنھیں اس سے زیادہ مطلب نہیں تھا۔ بچّوں سے دل ٹوٹ گیا تھا ـــــ مشاعروں میں جانا، گھر پر مجمع لگانا، لونڈے لپاڑوں کی شاعری سُننا، پتنی اور رشتے داروں کو کھلنے لگا تھا ـــــ

ایک دن پتنی نے ٹوکا ـــــ "بوڑھاپے میں لوگ مندر جاتے ہیں۔ ماتھا ٹیکتے ہیں.... اور یہ آپ دن بھر کہاں غائب رہتے ہیں؟"

"شعر کہتا ہوں اور جیتا ہوں"

"سیدھے سادے ہیں آپ۔ یہی تو چاہتے ہیں وہ لوگ ـــــ کسی دن آپ کو مسلمان بنا کر چھوڑیں گے ـــــ"

● ●

پتنی کا، ممکن ہے یہ ایک چھوٹا سا مذاق ہو۔ مگر ـــــ اس بار دل دھکّ سے نہیں کیا ـــــ اب دھیرے دھیرے سہنے کی عادت پڑنے لگی تھی ـــــ

ہاں کچھ خواب ٹوٹے تھے ـــــ ان خوابوں کی دھمک دل میں اب بھی سنائی دیتی تھی ـــــ بچّے چھوٹے تھے تو خواہش ہوتی تھی، انھیں سینے سے لپٹا کر میر و غالب کی غزلیں سُناتے.... جیسے ابا ان کے ساتھ کرتے تھے.... کبھی تحت اللفظ.... کبھی لہک کر.... مسکرا کر.... معنی پوچھ رہے ہیں.... نہیں بتانے پر خود ہی معنی بتا رہے ہیں.... لیکن کبھی بھول سے غلطی ہو بھی جاتی تو پتنی راستے میں آجاتیں ـــــ

"بچوں کو کیوں بگاڑ رہے ہیں آپ؟ سنانا ہے تو شلوک سُنائیے۔ گیتا سُنائیے۔ ہنومان چالیسا سُنائیے ....."

یہ عورت ـــــ اسی لیے یہ عورت جو اُن کی پتنی تھی، کبھی اُس عورت سے وہ دل کا ٹانکا نہیں جوڑ سکے۔ سات پھیرے لیے تھے ..... بس یہ پھیرے تھے کہ وہ ساتھ نبھائے جا رہے تھے ..... مگر اندر سے ..... زندگی کے اس ناٹک میں وہ ہر طرح کی اداکاری کرنے پر مجبور تھے ـــــ

●●

سہنے کی طاقت اتنی تھی کہ بڑی سے بڑی بات ہو جانے پر بھی خود پر جلد قابو رکھ لیتے۔ بات بدلنے کے فن میں ماہر تھے ـــــ ہنس کر پتنی کو بہلانے کی بھی کوشش ہوتی۔ مسکرا کر کہتے ..... بیگم ..... تم تو ناحق اُردو فارسی سے نالاں رہتی ہو ..... اب ایک دلچسپ لطیفہ سنو ..... دیکھو تو سہی، ایک شخص نے کیسے فارسی کی ٹانگ توڑی ہے ..... ارے ہوا یوں بیگم کہ ایک شخص کو ترجمہ کے لیے کہا گیا ـــــ جملہ یہ تھا کہ "بڈھے نے اتنا کاٹا کہ بھول گیا، اب ذرا ترجمہ سنو بیگم اور حاضر جوابی کی داد دو ..... استخوان زرچوں تراشیدہ کہ گل رفت ..... ہے نا مزیدار ..... مگر تم کیا سمجھو فارسی ..... تم کیا جانو لفظوں کا حسن ـــــ"

خود ہی لطیفہ سناتے اور ہنس ہنس کر نہال ہو جاتے

پتنی جل بھن کر کہتی ـــــ ایک دن تمہاری ساری اُردو کتابیں نہ بکوا دیں تو میرا بھی نام بدل دینا

فوراً ہی اپنے پرانے رنگ میں لوٹ آتے۔ چہرہ بدل جاتا۔ آواز کانپ جاتی ...

"ایسا بھول کر بھی۔ بھول کر بھی مت کرنا۔"

پریشان نڈھال سی آواز ابھری ..... یہ میری زندگی ہیں ..... زندگی بھر کا سرمایہ ـــــ بھول کر بھی ....."

آواز تھرا جاتی۔ ٹوٹ جاتی ـــــ ہاتھ پیروں کے ریشے کانپ جاتے۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے میں آ جاتے

پانچ پاپیوں

کی

ایک جھلک یہ بھی

زندگی جیسی بھی ہو، وہ اسے خوبصورت کہتے تھے۔ وہ اسے لے کر گھنٹوں سوچتے تھے۔ وہ اسے لے کر طرح طرح کے پلان بناتے تھے ـــــ جو ظاہر ہے ہوائی محل سے زیادہ نہیں ہوتے تھے ـــــ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک، ایک دوسرے کی زندگی سے بھی خوبی واقف تھا ـــــ زندگی ہی نہیں، گھر گھرانے سے بھی یہ بھی کہ کس کے گھر میں کیا پکا ـــــ اور زندگی کیسے ایک جگہ، ٹھہر کر، گرمی کی اُکسائی دوپہریا کی طرح خود سے بے ربط مکالمے کرتی ہے ـــــ مکالمے ..... کبھی ان مکالموں میں وہ اپنے وقت کے سب سے زیادہ ذہین اور پہنچے ہوئے دانشور بن جاتے ـــــ اور کبھی سڑک چھاپ ـــــ ان کے مکالموں میں فلموں کی ایکسٹرا گرل سے لے کر اڑوس پڑوس کی حسیناؤں تک کے نام تک درج تھے ـــــ ان میں سے سب کی اپنی الگ الگ محبوبائیں تھیں ـــــ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے

کسی نے کسی کی محبوبہ کو دیکھا تک نہیں تھا ـــــ صرف چرچے تھے۔ گپیں ہوتی تھیں۔ اور گپیں بھی کیسی، ذہن میں بنتے، رچتے اُنہی حسین سپنوں کی، جو ہونٹوں تک آتے آتے پوری کی پوری ایک تصوراتی کہانی بن جاتے۔ اس طرح سب کی الگ الگ ہیروئنیں بھی بن گئی تھیں ـــــ یہ ہیروئین کبھی کبھی ان کی تخلیقات میں بھی جھانکا کرتیں اور جب کبھی اُن کا ذکر آتا تو ذکر کرنے والا اتنے دھیمے سے ہونٹ داب کر مسکراتا کہ جیسے پوچھ رہا ہو۔ میاں سمجھے کہ نہیں۔ اور باقی بس بیوقوفوں کی طرح اپنی گردن ہلانے لگتے تھے کہ بس بھئی بہت ہوگیا.... اب آگے بڑھو ـــــ

فیض سقراطی کے تصور والی لڑکی زہرہ تھی ـــــ تو احمد ربانی کی نادرہ ـــــ نازاں خیال ام۔ اے کی محبوبہ حنا تھی تو حبیب تنویر کی کوشلیا ـــــ اسے بھی وہ اپنی ترقی پسندی کا ایک حصّہ تصور کرتا تھا ـــــ اور باقر مرزا 'نہاں' کے تصور کو لے کر پریشان رہتا تھا ـــــ اور نہاں اُس پر کچھ اس طرح مسلط تھی کہ بازاروں، سڑکوں، غرض ہر جگہ وہ نہاں کو کھوجتا پھرتا تھا کہ پریوں کے دیس کی نہاں کو وہ اس طرح آمنے سامنے دیکھ پانے میں کامیاب بھی ہوگا یا نہیں ـــــ ان محبوباؤں کے نام پر آپس میں مذاق بھی ہوتے مگر سچائی میں یہ لڑکیاں تھیں کہاں؟ ـــــ کہاں رہتی تھیں؟ اُن کے ماں باپ کون تھے؟ سارے دن تو آواروں کی طرح یہ ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوتے تھے پھر یہ اپنی محبوباؤں سے ملتے ملاتے کب تھے ـــــ یہ کوئی نہیں پوچھتا تھا ـــــ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے اس بارے میں جاننا بھی نہیں چاہتا تھا ـــــ اس لیے کہ اس جاننے اور نہیں جاننے سے بڑا بھی ایک سوال تھا، جو سوال اکثر انس نوچنے والے گدھ کی طرح انھیں نوچتا رہتا تھا ـــــ

کہ خواب تک جانے والے راستوں کو پکڑنے کے لیے جو چیز ہوتی ہے۔ وہ کہاں سے لاؤ گے تم؟

کہاں سے حاصل کروگے؟

شیخو میاں رنگ ریز کئی بار اپنے لڑکے فیض سقراطی کو اپنے پیشے میں آنے کی دھمکی دے چکے تھے ـــــ مگر بُرا ہو ادب کا ـــــ کہ وہ ابّا کے رنگوں سے تر بتر، گندے ہورہے کپڑے، اور رنگوں میں لپے پُتے ہاتھ پاؤں کو دیکھتے ہوئے، اس کچرے میں واپس نہیں آنا چاہتا تھا ـــــ ہاں جب کبھی ابّا سے ڈانٹ پڑجاتی تو وہ باقی چار دوستوں کو پکڑ کر ملک کی بدنصیبی کو سوسو کوسنے دینے بیٹھ جاتا ـــــ

بی۔ اے فیل احمد ربانی کبھی کبھی غصّے میں کہتا ـــــ ہم سب تاریکی کی کوکھ سے جنمے ہیں اور ایک دن اسی تاریکی میں مل جائیں گے ـــــ دی اینڈ ـــــ پھر سب کچھ ختم ـــــ نہ گھر والوں کو ہمارے لیے رونا پڑے گا، نہ باہر کے لوگوں کو ہمارے جنازے کا بوجھ ڈھونا ہوگا ـــــ سب کے لیے وہ دن، چین اور سکون کا دن ہوگا ـــــ

"فارگٹ اٹ ـــــ" حبیب تنویر جیسے کسی گہرے خواب سے بیدار ہوتا۔ ایک گندی سی گالی اچھالتا ـــــ "ہم سب نالی اور کیچڑ میں لوٹتے ہوئے سؤر ہیں بس۔ باسٹرڈ۔ ہم عشق کے لائق بھی نہیں ہیں ـــــ نہ یہ کہ ہمیں چاہا جائے ـــــ نہ ہمیں یہ حق کہ ہم کسی کو چاہیں ـــــ"

پھر جیسے سب اداسی میں ڈوب جاتے۔ سر نیچا کر لیتے۔ باقر مرزا کو لگتا جیسے اس کی نہاں.... دُور.... بہت دُور.... بادلوں کی اوٹ میں چھپتی جارہی ہو.......... سب کے سب اپنی اپنی تصور والی لڑکی کے ساتھ اُداسی کی شاہراہوں میں کھو جاتے ـــــ پھر چپّی بڑھتی جاتی ـــــ

حبیب تنویر مسکرا کر، اپنی کرانتی والی کویتا کی پنکتی پڑھتا۔

"لکھی جائے گی...."

کل۔

کوئی کرانتی ہمارے ہی ہاتھوں سے

"یہ ہاتھ ابھی برفیلی آندھیوں کی زد میں ہیں ...."
"لیکن یہ ہاتھ اٹھیں گے۔ چلیں گے ایک دن...."

"تم اپنی بے سر پیر کی کویتا اپنے پاس رکھو ـــــ، نازاں خیال بُرا مان جاتا ہے
احمد ربانی کو جیسے ایک انوکھا خیال ہاتھ آگیا۔
"سنو، مان لو۔ اگر ہم بیکار نہیں ہوتے تو؟"
"بیکار نہیں ہوتے تو...."
ترقی پسند کی آنکھوں میں چمک لہرائی تھی ـــــ
"بیکار نہیں ہوتے تو کہیں کام کر رہے ہوتے.... کیوں؟" احمد ربانی اپنے سوال پر منہ پھیر رہا ہوتا۔
"کام کر رہے ہوتے اور فرض کرو اچھے پیسے مل رہے ہوتے؟"

عجیب سوال تھا.... سب یکا یک اداسی سے لوٹ آئے تھے۔ مسکراہٹیں کھلنے لگی تھیں....
"اب ان میں سے ہر ایک، الگ الگ مکالمے چرا رہا تھا...."
"فرض کرو.... اچھے پیسے مل رہے ہوتے...."
"فرض کرو.... اچھی کمپنیوں میں نوکری مل گئی ہوتی...."
"فرض کرو.... شادی ہو گئی ہوتی...."
"فرض کرو.... بیوی بچے ہوتے...."
"فرض کرو.... ایک اچھی خوشحال زندگی ہوتی...."
"فرض کرو.... پیسوں کی کوئی دِقت نہیں ہوتی...."
"فرض کرو.... اتنے پیسے ہوتے کہ ہم بینکوں میں جمع کر رہے ہوتے...."
"فرض کرو...."

حبیب تنویر نے گہری سانس کھینچی۔ جتنے چاہے فرض کر لو۔ لیکن حقیقت دگر ہے، اس نے ہماری آنکھوں میں جھانکا ـــــ فرض کرلو.... یہ حقیقت ہوتی تو.... ہم میں سے کوئی.... ادب نہیں لکھ رہا ہوتا.... ادب سے کب کا سنیاس لے چکا ہوتا.... کوئی شاعری نہیں کر رہا ہوتا.... بے مطلب کی کہانیاں نہیں گڑھ رہا ہوتا.... ہماری طرح.... وہ زندگی گزار رہا ہوتا.... ایک خوشحال زندگی،

ترقی پسند اچانک ہی چپ ہو گیا۔ فیض سقراطی کو لگا، وہ ایک دم سے ہوا نکالے غبارہ کی طرح ہلکا ہو گیا ہے
نازاں خیال نے میز پر زور سے ایک مکا مارا ـــــ میرا یار سچ کہتا ہے ـــ پہلی بار سچ کہا ہے اس نے ـــــ، یہی ہوگا۔ فرض کرو ہم خوش حال ہوتے تو گھر کے خالی چوکے اور آنکھوں میں اتری پریشانیاں پڑھتے پڑھتے ادب نہیں لکھ رہے ہوتے ـــــ"
فیض سقراطی نے ٹھنڈی سانس بھری۔ 'بات خطرناک ہے.... مگر کم از کم ہمارے تمہارے جیسے لوگوں کے لئے سچ ہے۔ آؤ، مان لیتے ہیں۔ تسلیم کر لیتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے.... بے روزگاری ہی ہمیں ادب کے اس جنگل میں لائی ہے۔ ہم بے روزگار تھے، اس لئے دوست بن گئے اور آپس میں چپکے کے لئے ہمیں ادب مل گیا۔ سب سے سستی چیز ـــــ"
سب نے گہری سانس کھینچی اور اداس ہو گئے ہمیشہ کی طرح۔ پھر فیصلہ ہوا بالکند شرما جوش کے یہاں چلتے ہیں ـــــ جوش صاحب کی بیٹھکی میں ان کے لئے سکون کی کرسیاں لگی ہوتیں ـــــ بیٹھ جاتے ـــــ کتابیں دیکھتے ـــ جوش صاحب بھی خوش خوش انہیں پرانے زمانے کے مینو اسکرپٹ دکھاتے، اس سے جڑی تاریخ کو بتاتے ـــــ آنکھوں میں کتنے ہی خوابوں کے جزیرے گھوم جاتے ـــــ پھر جیسے آنکھوں کے سارے پھول یکا یک اداس اور سوگوار ہو جاتے

آنکھوں میں ایک طرح کی نا اطمینانی اور بے چینی جھلملا رہی ہوتی۔

جوش صاحب آہ بھرتے .... بچو .... پتہ نہیں ہمارے بعد ان سب کا کیا ہوگا؟

فیض سقراطی کہتا۔ ' ابھی تو آپ ہزاروں برس جیئں گے جوش صاحب ... مگر بوڑھے چہرے پر جھل مل جھل مل کرتی جھریاں جیسے یہ ہزاروں برس جینے کی دعائیں خموشی سے لوٹا دیتیں۔

یہ وہ دور تھا، جب پانچوں اپنی اداسی میں خوش تھے۔ اور خوشی میں اداس تھے ___ اور ان کے لئے سب سے اہم شے تھی ___ نوکری ___ ان کی سب سے چہیتی، سب سے خوب صورت ہیروئن تھی ___ نوکری ___ خواب، خواہشوں، کے سب رستے اسی موڑ تک آکر ٹھہر جاتے تھے ___ اسی زمانے میں ریڈیو کی طرف سے اردو خبروں کے لئے نیوز ایڈیٹر کی ضرورت کا اشتہار نکلا ___ مزے کی بات، پانچوں نے یہ فارم بھرا کہ کسی کے نام تو نیوز ایڈیٹری کی لاٹری ضرور کھل جائے گی۔ اور بھلا ان کی ذہانت اور قابلیت سے انکار کس کو ہوگا ___ ہوائی محل بنائے جانے لگے ___ سولہ آنے امید تو اسی دن بن گئی جب پانچوں ریٹن ٹیسٹ میں کامیاب ہوگئے ___ اب معاملہ تھا تو صرف انٹرویو کا ___ لیکن انٹرویو کے بعد معلوم ہوا کہ لاٹری تو کسی تیسرے ہی آدمی، سنتوش کمار کے نام کھلی ہے ___ پانچوں جیسے خوابوں کے شیش محل سے چھوٹ کر پتھریلی سڑکوں پر دھم سے آگر گرے ___ پھر وہی بالمکند شرما جوش کا بیٹھکا تھا اور ان کی شکایت کی عرضیاں۔

''دیکھ رہے ہیں جوش صاحب ___ یہ ہوتا ہے ___ نوکری ہمارے لئے بنی ہی نہیں تو ملے گی کیسے؟'

''سنتوش کمار ___ ''

جوش صاحب ٹھہر ٹھہر کر بولے۔ ' بچو، برا مت ماننا، تمہیں ایک شکایت یہ بھی ہے نا کہ سنتوش کمار کیوں کامیاب ہوا، تم کیوں نہیں ہوئے۔ کوئی سلیمان بھائی کیوں نہیں ہوا ___ '

ان کے چہرے پر ایک معنی خیز ہنسی تھی ___ '' ٹھیک کہتے ہو۔ میرے لڑکے بھی یہی کہتے ہیں۔ ___ اردو آپ کی زبان نہیں ___ مسلمانوں کی زبان ہے۔ تم بھی یہی کہتے ہو۔ کسی سنتوش کو کیوں لیا گیا ___ کسی مسلمان کو کیوں نہیں لیا گیا ___ ''

'' نہیں، ہمارا مطلب یہ نہیں تھا ...، حبیب تنویر اٹک کر بولا۔

جوش صاحب مسکرائے ___ نہیں، تمہارا مطلب یہی ہے بیٹا۔ تمہاری اصل شکایت کا مرکز یہی ہے کہ تم میں سے کسی .... خیر چھوڑو .... ہاں اب تم نے بات صاف کر دی .... ہندوؤں کی سیاسی جماعتیں بھی یہی کہتی ہیں ___ ہمارے لڑکے یہی کہتے ہیں۔ تم یہی سوچتے ہو ___ غلطی تو دراصل ہم سے ہوئی۔ ہم بھول گئے کہ اردو تو دراصل ہماری بھی زبان ہے ___ نہیں ___ اردو تو ہماری زبان تھی ہی نہیں ___ یہ ہماری بے وقوفی تھی .... یہ تو تمہاری جاگیر تھی ...'

سب کے سب خاموش ہوگئے

کافی دیر تک ماحول میں سناٹا پسرا رہا۔ اس سناٹے کا انت حبیب تنویر نے کیا۔ 'جوش صاحب سچ کہتے ہیں .... آزادی کے بعد ہمارا سچ یہی بن گیا ہے۔ تکون۔ اردو، مسلمان، پاکستان ___ اپنی نا اہلی اور کمزوریوں پر ہم سدا ہی اِس جھوٹ اور وہم کو پختہ کرنے میں جٹ جاتے ہیں .... اور اس کے باوجود یہ مانتے نہیں کہ ہم COMMUNAL ہو گئے ہیں ....

'' COMMUNAL ہو گئے ہیں ....''

آواز لڑکھڑا کر چپ ہو گئی ___

اور جیسے اس سچ پر سب نے اپنی اپنی گردنیں نیچی کرلیں۔

●●

اتیت ....

اتیت صرف سنہرا نہیں ہے.... وہاں الگ رنگوں کی آمیزش ہے۔ اور ان رنگوں میں محبت کا رنگ سب سے بھاری تھا.... بالمکند ٹھنڈی آہ بھرتے ہیں.... وقت نے اسی محبت کو نفرت کے رنگوں سے جوڑ دیا.... پھر ایک بادِ سموم چلی اور جیسے سب کچھ جھلس گیا۔

پتنی —— کہتے ہیں پتنی چھایا ہوتی ہے، دکھ سکھ کی ہمراہی ہوتی ہے... مگر وہ کیسا رشتہ تھا جو جوڑتے جوڑتے بھی دونوں کو جوڑ نہیں پا رہا تھا اور پھر ایک دن بچوں کے سر جھکتے سہرے کے پھول دیکھنے کے بعد پتنی نے آنکھیں موندلیں.... وہ جیٹھ کی گرم دوپہر —— برآمدے میں وہ سر جھکائے بیٹھے ہیں.... گم سم.... بدن جل رہا ہے.... بچے رو رہے ہیں.... اور وہ....

اُن کی آنکھوں میں جیسے سارے آنسو جم چکے تھے.... وہ کس کے لئے روئیں۔ ساتھ، جنم جنم کا ساتھ کیا ایسا بھی ہوتا ہے —— ان کی اپنی نجی خوشیوں کے بیچ تو کب کا دائرہ کھینچ کر بیٹھ گئی تھی پتنی —— وہ برسوں تک بہلاوہ دیتے رہے۔ چھپائے چھپائے سے رہے خود کو.... لیکن اب —— ارتھی اٹھنے والی ہے... اُن کی آنکھوں میں ایک قطرہ آنسو نہیں۔ ہاں لمبا ساتھ چھوٹنے کا غم ضرور ہے....

نریندر آتا ہے۔ روتے روتے اس کی آنکھیں آنسوؤں کی جھیل بن چکی ہیں...

”اب تو اپنی نفرت پونچھ دیجئے بابوجی —— اماں اب جا رہی ہیں۔ اب واپس نہیں آئیں گی کبھی ——“

وہ جیسے خواب کی وادی سے لوٹتے ہیں.... اندر ایک کسک سی جاگتی ہے.... آواز درد کے نغموں میں ڈوب جاتی ہے.... تم سمجھتے ہو میں نفرت کرتا تھا....؟ ارے.... میں تو اس کی ہر خوشی میں شامل تھا.... ہاں وہی، خود میری کسی خوشی

میں شامل نہ ہوسکی۔ میں یہ بھی چاہتا تھا.... اور وہ بھی چاہتا تھا.... میں کیا چاہتا تھا، کسی کو کیا بتاؤں.... مگر میں.... اسے میری ہر طلب میں شک کے جراثیم نظر آتے تھے ....“

وہ سوچتے ہیں.... اتنی لمبی زندگی آخر انہوں نے گزاری تو کیسے؟ جیسے کوئی بدصورت خواب جسم سے آکر چمٹ جاتا ہے.... جیسے کسی چھوت لگی بیماری کو جبراً جسم میں پناہ دینی پڑتی ہے....

ساتھ چھوٹ گیا.... اتنی عمر کا ساتھ تھا.... خود کو بہلاوہ دیتے دیتے بھی وہ رو پڑتے ہیں.... سسکیوں میں.... زور زور سے.... ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔

نریندر اور انیل پاس آتے ہیں، کندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں.... یہ اسپرش.... یہ لمس.... وہ گھبرا کر بیٹوں کی طرف دیکھتے ہیں....

”چلئے بابوجی....“

وہ کمزور نڈھال، اپنے قدموں کو اٹھاتے ہیں.... اور بیٹوں کے ساتھ چل پڑتے ہیں ——

●●

اتیت ہے، بے ہنگم سا اتیت.... اب یہ اتیت کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا، مشاعرے کے دن جو واقعہ ہوا، اس نے انہیں اور زخمی کردیا تھا.... لوگ کیا کیا سمجھتے ہیں.... سمجھا کریں ——

لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بالمکند شرما جوش نام کا آدمی زندگی بھر ان کے ساتھ سازش بھرا مذاق رچتا رہا —— مذاق —— دراصل یہ سب، یہ جذباتی بہاؤ.... یہ تہذیبی وِرثہ.... یہ سب بے معنی تھا.... اس کے پیچھے کسی سازش کا ہاتھ تھا یا دوسروں کو بے وقوف بنانے کا عمل —— دراصل وہ وہی ہیں.... جو اُن کے لڑکے ہیں ——

اور اس سیاسی سنگم میں ان کی وہی بھاگے داری ہے، جو اُن کے بچوں کی رہی ہے۔

بالکند.... شرما جوش....

یہ کیسی امید پر زندگی گزاری تم نے .... کس اُمید پر....

اور.... آنکھیں جلنے لگتی ہیں.... سر پھٹنے لگتا ہے .... دماغ میں جیسے بھونچال آگیا ہے.... جتنا سوچتے ہیں.... اتنا ہی وزن دماغ پر محسوس کرتے ہیں.... پھر.... جیسے وہ ڈوب رہے ہیں.... ذہن ڈوب رہا ہے.... خود کی شناخت کے لیے وہ آئینہ کے سامنے آتے ہیں....

یہ بوڑھا کون ہے؟

کون ہے؟

وہ عجیب عجیب سی حرکتیں کر رہے ہیں.... کون ہے یہ بوڑھا....

وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں.... اب ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے .... وہائٹ پیپر کی طرح سب کچھ صاف.... دھیرے دھیرے عام وحشت کی کیفیت سے وہ لوٹتے ہیں.... مگر ایک عجیب سی سراسیمگی ان پر حاوی ہو رہی ہے.... وہ خود کو ٹٹول رہے ہیں.... وہ کون ہیں....

انہیں کچھ بھی یاد نہیں آ رہا ہے.... کچھ بھی ——

●●

وہی ہوٹل.... وہی میز

پانچوں دم بخود ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔

"ایسا کیسے ہو گیا؟"

"جوش صاحب نے اس دن اچانک کیوں بلا لیا۔"

نازاں خیال شک کا اظہار کرتا ہے.... "جوش صاحب کی دماغی حالت تو ٹھیک ہے نا....؟"

حبیب تنویر میز پر مکا مارتا ہے —— دماغی حالت —— اس ملک میں ابھی جو کچھ ہو رہا ہے.... اس سے کیا تمہاری دماغی حالت ٹھیک ہے ؟کس

کی ٹھیک ہے؟ جب آنے والے کل اور مستقبل کے نام پر ہی سوالیہ نشان لگ جائے؟

فیض سقراطی سوچتا ہے —— "لیکن فکر کا مقام ہے۔ جوش صاحب اتیت میں جانے کی بات کیوں کر رہے تھے۔"

'بڑھاپے میں ہر آدمی کا سہارا اس کا اتیت ہوتا ہے۔'

احمد ربّانی کی بات کو فیض سقراطی فوراً رد کر دیتا ہے.... نہیں —— میں نہیں مانتا —— جوش اور دوسرے دقیانوسی بوڑھوں میں فرق ہے —— خاص کر اس دن.... تم کہہ سکتے ہو، انہوں نے ہمیں بلا کر جو ڈرامہ کھیلا —— اس سے کیا ایک بہت شکستہ آدمی کی الجھن نہیں جھانک رہی تھی ——"

"تم اسے ڈرامہ کیوں کہتے ہو۔"

حبیب تنویر نے پھر مکا مارا —— 'جس آدمی نے ایک شاندار تہذیب کے آنگن گلیاروں میں پناہ لی ہو.... وہ سب کچھ مرتا، ختم ہوتا دیکھ رہا ہے —— یہ محض ڈرامہ نہیں ہے —— یہ کچھ اور بھی ہے۔

"بکواس ——"

باقر مرزا نے کافی دیر بعد اس بحث میں حصہ لیا۔ ڈرامہ نہیں تھا تو اور کیا تھا —— ارے، یہ دوسروں کی نظروں میں اپنی اہمیت بڑھانے کا طریقہ ہے —— بڈھے کی زندگی بھر کی ادبی کمائی کیا ہے —— بڈھے کو بھی احساس ہے، مرنے کے بعد کوئی نام لیوا نہ ہوگا —— شہرت کا ذائقہ کون چکھنا نہیں چاہتا —— بوڑھا ادب میں امر ہونا چاہتا ہے۔'

"اور وہ بھی ہمارے بھروسے —— فیض سقراطی کو غصہ آگیا۔ ہماری ادبی حیثیت کیا ہے۔"

باقر مرزا کو بھی غصہ آگیا —— 'آپ بھلے نہ سمجھیں مگر میں سمجھتا ہوں، بوڑھا ایک نمبر کا ڈرامے باز ہے.... آخر بار بار یہ باتیں کہنے کا مطلب ہی کیا تھا کہ میں جا رہا ہوں.... میں کبھی واپس نہیں آؤں گا —— مرنے کے بعد کون واپس

آتا ہے بھلا ــــــ"

حبیب تنویر کچھ سوچ کر بولا ــــــ "شاید جوش صاحب کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔ میں تو اپنے تجربہ کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ـــ مگر ــــ وہ اس قدر پریشان تھے اور حوصلہ شکن نظر آرہے تھے .... کہ کچھ ٹھیک سے کہہ بھی نہیں پائے ــــ"

باقر مرزا کسی سوچ میں ڈوب گئے۔

نازاں خیال نے رائے دی ــــ آج نعمان شوق کے یہاں مشاعرہ بھی ہے۔ کیوں نہ جوش صاحب کے گھر چلا جائے اور وہیں سے ان کو لیتے ہوئے مشاعرے میں جایا جائے۔"

"بہتر ــــ"

سب کو یہ رائے پسند آئی .... پھر چائے کا بل چکانے کے بعد وہ تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے ....

● ●

"جوش صاحب"

حبیب تنویر آواز لگاتا ہے۔ سناٹا ہے .... آواز بازگشت کرتی ہوئی لوٹ آتی ہے۔

"کوئی ہے نہیں کیا؟"

"پتہ نہیں۔"

"ذرا زور سے آواز دو ــــ"

"جوش صاحب۔"

"شاید نہیں ہیں۔ پہلے تو ایک آواز میں ہی بیٹھک کا دروازہ کھل جاتا تھا۔ بات کیا ہے .... جوش صاحب!"

تین چار آواز کے بعد اچانک دروازہ کھلتا ہے.... اور کسی طلسمی داستان کی طرح

....بال چھتراۓ، آنکھیں خمار آلود، ایک بوڑھا دروازے پر کھڑا دکھائی دیتا ہے .... بالکل انجان سا ــــ

"کون ہو تم لوگ؟"

"جوش صاحب ہیں۔"

فیض سقراطی سلام کرنے والے انداز میں دیکھتا ہے۔

"کیا چاہتے ہو؟"

"ہم آپ کو مشاعرے میں چلنے کی دعوت دینے آئے ہیں جوش صاحب۔"

جوش صاحب کھڑاک سے دروازہ بند کرتے ہیں ــــ زور سے چلاتے ہیں۔

"میں کسی مشاعرہ وشاعرہ میں نہیں جاؤنگا۔ چلے آتے ہیں تنگ کرنے۔"

دروازہ بند ہے

پانچوں حیرت سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے ہیں۔

حبیب تنویر آہستگی سے لوٹنے کا اشارہ کرتا ہے ....

پانچوں تھکے تھکے بوجھل قدموں سے لوٹ جاتے ہیں۔

ابھی عام ہے بربریت

۴ تاریخ کو اکبر پورہ میں پھر ایک واردات ہوگئی۔ کچھ لوگ ڈھول پیٹتے اور مجیرہ بجاتے محلّے میں داخل ہوئے۔ ان کی مجموعی تعداد ۱۰ سے ۱۵ کے بیچ ہوگی۔ ان میں زیادہ تر نوجوان طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ پہلے تو آس پڑوس کے لوگوں نے سمجھا کہ کوئی شادی بیاہ کی تقریب ہوگی، یا کوئی تماشہ ہوگا۔ ـــــ لیکن یہ تماشہ، عام تماشوں سے مختلف تھا۔ جو نوجوان ڈھول پیٹتے اور مجیرا بجاتے نظر آ رہے تھے، وہ ایسے جھوم جھوم کر ناچ رہے تھے جیسے ڈھیر سارا نشہ کر رکھا ہو ـــــ ان کے ہاتھوں میں دو تر لسٹیں تھیں۔

اکبر پورہ میں ہندو اور مسلمان ملی جلی آبادی ہے ـــــ چھوٹا سا محلّہ ہے ـــ مسلمان کم پڑھے لکھے ہیں ـــــ زیادہ تر چھوٹے موٹے کپڑوں کے 'ٹھوک بکریتا' ہیں ـــــ،

مجیرہ بجاتے اور ڈھول پیٹتے لوگ اچانک وحشت پر اُتر آئے ـــــ کولڈ ڈرنکس کی دکان پر سب سے پہلے ان کا حملہ ہوا۔ سوڈا واٹر کی بوتلیں توڑی گئیں۔ کچھ بوتل عمارتوں کی جانب پوری طاقت سے چلائی گئی۔ کوئی ٹوٹی ہوئی بوتل کسی کے سر پر لگی۔ کوئی چیخ کر گرا ـــــ جیسے یہ لوگ پوری تیاری سے آئے تھے۔ مشعل سلگ گئی۔ کپڑوں کی دو دکانوں میں آگ لگا دی گئی۔ ـــــ ایک دکان کا مالک مولوی

غفار روتا چیختا باہر نکلا تو شرپسندوں نے طاقت کے زور پر اس کا پائجامہ اتروا لیا۔

کسی نے فون سے پولیس کو اطلاع بھیج دی۔ دس پندرہ منٹ میں شرپسندوں کی یہ ٹولی جو کر گزر سکتی تھی، وہ اس نے کیا ـــــ جب تک پولیس آتی چار پانچ لوگ زخمی حالت میں چھٹپٹا رہے تھے۔ مسلمانوں کی دو دکانیں پھونکی جا چکی تھیں

یہ کون لوگ تھے؟ کہاں سے آسکائے تھے، پوچھے جانے پر بھی ان باتوں کا صحیح صحیح جواب نہ مل سکا۔ آناً فاناً دکانیں بند ہونے لگیں۔ شٹر گرنے لگے۔ سڑک پر بھاگم بھاگ مچ گئی ـــ گھروں کے دروازے، کھڑکیاں بند کر دیئے گئے۔ کہیں سے رونے اور چلّانے کی آواز بھی گونجنے لگی تھی۔

دیکھتے دیکھتے سنّاٹا چھا گیا۔ اکّا دُکا لوگ کھڑے تھے جن سے پولیس پوچھ تاچھ کر رہی تھی زخمی لوگوں کو اسپتال پہنچایا گیا۔ ـــــ جس میں سے ایک کے، آدھے گھنٹے بعد مرنے کی خبر بھی آگئی ـــــ

ایسا کہا جا رہا تھا کہ یہ سب منصوبہ بند طریقے سے ہوا تھا۔ اکبر پورہ میں کپڑوں کے یہ چھوٹے چھوٹے دکاندار مسلمان طبقے سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ ان کی دکانداری اچھی چل نکلی تھی۔ شہر دیہاتوں سے بھی ان کے مستقل گاہک بندھے ہوئے تھے ـــــ پچھلے دنوں لگاتار ہونے والی سبھاؤں نے محلّے میں گرمی تو بھر ہی دی تھی۔ مگر یہ سب اتنے انوکھے طریقے سے ہوگا، کس نے سوچا تھا ـــــ یہ ڈھول پیٹنے اور مجیرا بجانے والے کون لوگ تھے، اس کے بارے میں بھی اٹکلیں لگائی جا رہی تھیں ـــــ کچھ لوگ اسے بھاجپا سے جوڑ رہے تھے ـــــ اور جوڑنے کے پیچھے ان کی دلیلیں یہ تھیں کہ کچھ دن پہلے شہر کے مختلف مقامات پر ہونے والی سبھاؤں اور ان میں دیئے جانے والی اشتعال انگیز تقریروں میں بھاجپا کا ہی ہاتھ تھا ـــــ کچھ نے دس پندرہ لوگوں کی اس بھیڑ میں گیروا کپڑے پہنے اور ٹیکا لگائے لوگوں کو بھی دیکھا تھا۔ جبکہ پولیس بہت زیادہ انھیں لٹیرا ماننے کو تیار تھی ـــــ چوری اور ڈاکے کے نئے نئے طریقے عام ہیں ـــــ مگر ایک بات انوکھی تھی۔ حملہ میں جو دکان لوٹی یا جلائی گئی وہ مسلمانوں کی تھی۔ جو لوگ زخمی ہوئے، وہ بھی مسلمان تھے ـــــ

لیڈروں کے ہاتھ میں ووٹر لسٹ تھی۔ اس بارے میں محلے والوں کا سوچنا تھا کہ منصوبے کے مطابق ووٹر لسٹ سے دیکھ دیکھ کر وہ مسلمانوں کی شناخت کرنے اور انہیں مارنے کے ارادے سے آئے تھے۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اور انہیں الٹے پاؤں واپس بھاگنا پڑا۔

محلے میں مردنی چھا گئی۔ ایک خوفناک سناٹا گھر کے در و بام پر چھا گیا۔ دنگوں کے پچھلے ریہرسل کی یاد لوگوں کے دلوں میں تازہ تھی۔ لوگ ضرورت سے زیادہ ڈرے ہوئے تھے۔

منّا اس وقت بجلی آفس میں تھا۔ جب یکایک بل والی کھڑکی سے اُسے دور سے نیل کنٹھ کا چہرہ نظر آیا۔ جس کی جیپ باہر رُکی تھی۔ ہاتھ میں سگریٹ دابے نیل کنٹھ اسی کی طرف آرہا تھا۔

بل والی کھڑکی پر ابھی بھی قطار لگی تھی۔

نیل کنٹھ نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ اس نے اشارہ کیا .... بس کھڑکی پر کچھ ایک لوگ ہیں .... انہیں نبٹا کر تم سے بات کرتا ہوں۔'

اُس نے کندھے اچکائے۔ ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو کر سگریٹ پینے لگا۔

قطار میں کھڑے لوگوں کو جلدی جلدی نپٹا کر منّا باہر نکلا۔ نیل کنٹھ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ دبایا۔

"اور۔ سب ٹھیک تو؟"

"ہاں۔"

"ارے۔ اتنا کھویا کھویا کیوں رہتا ہے۔"

"کچھ نہیں یار۔"

منّا نے مسکرانے کی کوشش کی۔

نیل کنٹھ کو جیسے کچھ یاد آگیا۔ جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سو والے چار نوٹ نکالے۔ اس کی مٹھیوں میں پھنسایا۔

"لے، پکڑ نا۔"

منّا نے حیرانی سے پوچھا ..... "وہ کس لئے؟"

"تو کیا سمجھتا ہے۔ پارٹی کے پاس فنڈ کی کمی ہے۔"

"مگر یہ کس لئے ہیں۔"

"ڈاکٹر نریندر نے بھجوایا ہے؛ وہ پھُسپھسایا ——— 'ڈاکٹر نریندر کہتے ہیں مسلم محلوں میں تمہاری تقریر بہت کام کی رہی ——— بھاجپا کے لئے ان کے دل کا میل تھوڑا سا مٹا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ میں جب تب تمہاری مدد کرتا رہوں۔ تم سے پوچھتا رہوں .... تمہیں پیسوں وغیرہ کی ضرورت تو نہیں ہے ...."

منّا نے چونک کر نیل کنٹھ کو دیکھا۔

نیل کنٹھ نے سگریٹ کی راکھ تھوڑی سی جھاڑی .... "ڈاکٹر نریندر بڑے خوش ہیں تم سے۔ کیا جادو کر دیا ہے تم نے اُن پر ——— یہ طے ہے کہ ان کو ٹکٹ ملیگا اس بار ——— میرا تمہارا سب کا بھوش (भविष्य) چمکے گا ——— اور پیسے چاہئیں تو ...."

"نہیں ———"

منّا کا لہجہ برف جیسا سرد تھا اس بار۔

"ہاں ایک بُری خبر ہے۔ ممکن ہو تو گھر چلے جاؤ ابھی .... یا چلو میں چھوڑ دوں؟"

نیل کنٹھ دھیرے سے پھُسپھسایا ——— "اکبر پورہ میں فساد ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فیو لگ جائے۔ میں صرف تم کو خبر دینے آگیا ......"

منّا کا دل بیٹھ گیا۔

"کب ہوا فساد؟"

"ابھی۔ کسی کا نقصان نہیں ہوا ہے۔ مگر تم جانتے ہو۔ فضا خراب ہے۔ اس لئے کرفیو تو لگ ہی جائے گا۔"

"تم چلو، میں آتا ہوں۔"

نیل کنٹھ نے سگریٹ کا ٹکڑا چپل سے مسلا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"اچھا۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی ....

منا کچھ دیر تک گاڑی کے چھوڑے دھوئیں سے نہا تا رہا ـــــ" دل پر میل سی جم گئی تھی۔ بدن میں لرزہ سا طاری ہو گیا تھا ـــــ پھر فساد ہو گیا۔ ڈاکٹر نریندر، سدھیندو رائے، نریندر وغیرہ اسے اپنے ساتھ مسلم محلوں میں بھی لے گئے تھے۔ ایک نوجوان مسلم بھاجپا کاریہ کرتا کے طور پر اس کا تعارف کرایا گیا تھا ـــــ اور اس نے کہا تھا ـــــ بھاجپا ہی ہے جو آپ کے حقوق کی صحیح طور پر حفاظت کر سکتی ہے .... انہیں خوف نہیں کھانا چاہیئے ـــــ"

ف .... س .... ا د .... ہو .... گیا ....

اسے اپنی ہی آواز گھٹتی ہوئی لگی .... فساد .... چھوٹے چھوٹے بے قصور بچوں کی اموات .... لاشیں ہی لاشیں .... عورتوں، کم سن لڑکیوں کے ساتھ زنا بالجبر .... جھلسے ہوئے گھر .... چیخیں .... گھروں سے اٹھتا ہوا دھواں ... چاروں طرف خون کے اڑتے ہوئے چھینٹے .... اور .... چھوٹے چھوٹے بچے ....

وہ صرف .... تصور کے پردے پر چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھ رہا تھا ....

نشی بھی چھوٹی ہے .... چھوٹی سی بچی ....

فساد ہو گیا .... بلوائی اس کے گھر کی طرف بڑھ رہے ہیں .... نہیں ـــــ اسے کچھ نہیں ہوگا .... وہ تو .... ان کا ہی آدمی ہے .... کچھ ہوا بھی تو اُسے کچھ نہیں ہوگا .... اُسے کیا خبر تھی، اپنی دُور اندیشی میں اس نے جو پانسہ چلنے کی کوشش کی، وہ کہاں گرے گا .... وہ تو آنے والے کل کو آج ہی محسوس کرنا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے ـــــ دھرے کے جاگنے سے پہلے .... مگر یہاں ....

'بہت اندھیرا ہے .... تحسین حسین ....

'بہت گھٹن ہے ....'

میں اپنے ہی لوگوں کے درمیان اجنبی ہونے لگا ہوں .... سب مجھ سے جیسے نفرت کرنے لگے ہوں .... مجھے ایسے دیکھتے ہیں، جیسے کوئی عجوبہ ہوں .... یا سرکس کا جوکر .... یا .... کوئی ہتھیارا خونی ....

مگر ....

یہ سچ بھی ہے ـــــ میں لوٹ نہیں سکتا۔ میں پابہ زنجیر ہو رہا ہوں۔ میں واپس نہیں جا سکتا ....

جیسے کوئی آنسو آنکھوں آنکھوں میں کانپ کر دم توڑ گیا ....

وہ تیزی سے اندر آیا ....

رام بلاس بابو اپنی میز پر تھے۔ اس نے جلدی جلدی فائلیں سمیٹیں ـــــ رام بلاس بابو سے بولا۔

"بڑے بابو .... میں چلا ـــــ اور آپ بھی کھسک لیجئے۔ شہر کی فضا اچھی نہیں ہے ...."

باقی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اس سے پہلے کہ چونک کر اس کی طرف دیکھیں وہ تیزی سے باہر نکل گیا ـــــ

●●

چودھری برکت حسین گُم صُم سے رہتے ـــــ اب ان کا اپنا حجرہ تھا اور وحشتِ تنہائی تھی ـــــ ہونٹ سِل گئے تھے۔

"ابا چائے لاؤں۔"

شمیم ابا کے اس بدلے ہوئے تیور کو لے کر خوفزدہ تھی ـــــ پہلے وہ بول بک لیتی تھی تو ابا ہی تھے جو مزاج پرسی کرتے تھے۔ خیر خبر لیتے تھے۔ کبھی منا ڈانٹ دیتا تھا اور وہ چیخ چیخ کر دیہاتی عورتوں کی طرح رونا شروع کر دیتی تھی۔ تب بھی ابا ہی تھے جو بیٹی بیٹی کرتے آتے اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ـــــ اماں کی تو اپنی دنیا ہے۔ ذرا سا پریشان ہو گئیں تو کلام پاک نکال لیا۔ ساس میں اس

لے ڈانٹنا اور ناراض ہونا بھی اپنا حق سمجھتی ہیں۔ مگر ابا.... مگر ابا تو بالکل جدا ہیں، مختلف ہیں ——

"ابا چائے لاؤں۔"

ابا چپ رہتے ہیں تو اس کا دل دھک دھک کرنے لگتا ہے.... اور تو ادھر.... ادھر گھر میں کیسی نحوست پھیلی ہے۔ اور وہ بھی آتے ہیں تو بس گم سم۔ کسی سے کچھ کہتے نہیں۔ اس سے بھی زیادہ بات نہیں کرتے۔ بس کبھی کبھی ننھی کو اٹھا کر پیار کر لیا، بس —— پھر لیٹ گئے۔ یا ٹہلتے رہے.... رات میں جب بھی وہ چونک کر اٹھتی —— منّا کو ٹہلتے پاتی ——

کتنی ہی بار خود پر جبر کر کے اس نے پوچھا۔

"آپ کیسے آدمی ہیں۔ بتاتے کیوں نہیں، کیا ہوا ہے؟ ارے، کچھ بولئے گا نہیں تو دل کا بوجھ کیسے ہلکا ہوگا ——"

"ماتھا مت چاٹو۔ سو جاؤ۔"

"ان کا بس یہی جواب ہوتا ——"

"آپ ٹہلتے رہیں گے تو مجھے کیسے نیند آئے گی۔ صبح میں آفس بھی جانا پڑتا ہے اور آپ سوتے ہی نہیں ——"

"میں نے کہا نا —— سو جاؤ۔"

منّا دہاڑ مارتا تو وہ روتی دھوتی چپ ہو جاتی ——

ہاں۔ اس رات، اس نے دیکھا۔ وہ چپکے چپکے سسک رہے تھے۔ اس کی آہٹ پاتے ہی جیسے ان کے آنسو بند ہو گئے —— پتھر ہو گئے۔

وہ ساڑی برابر کرتی قریب آئی —— گاؤں کی عورت، محبت کی ادا تو زبان سے انجان تھی.... قریب آ کر کھڑی ہو گئی ——

"رو رہے تھے کیا؟"

منّا بپھر گیا۔

"روؤں گا کیوں.... سو جاؤ۔"

لیکن وہ بستر پر نہیں گئی —— "مجھے لگا، آپ رو رہے ہیں۔"

"پاگل ہو گئی ہو۔"

وہ بھی جواب میں چیخی —— "پاگل ہو نہیں گئی ہوں۔ آپ نے کر دیا ہے۔ یہ سب کیا ہے —— کیسا روگ ہے ——؟"

"چیخو مت۔ ابا جاگ جائیں گے۔"

منّا جیسے ذہنی اذیت سے پریشان تھا۔

"اب تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ کیا ہوا ہے.... بس.... مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ اور میری قسم کچھ مت پوچھو ——"

میری قسم —— سب کچھ ہوتے ہی بس اس قسم تک پہنچتے پہنچتے وہ بے سدھ ہو جاتی میاں نے آگے پوچھنے کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ آنکھیں پونچھتی وہ بستر پر لیٹ گئی —— تھوڑی دیر بعد منا بھی آ کر بستر پر لیٹ گئے...

رات میں وہ دیکھتی.... ادھر میاں جی کا بڑبڑانا پھر شروع ہو گیا تھا، مگر آدھے ادھورے لفظوں کو بھلا وہ کیا سمجھتی۔ اور اب میاں نے قسم ایسی دے دی تھی کہ کچھ پوچھتے ہوئے بنتا نہیں تھا۔

میاں، گم سم تھے تو ابا خیر خبر لیتے رہتے تھے.... لیکن ادھر کچھ دنوں سے وہ ابا کو بھی کسی اور ہی دنیا میں گم دیکھ رہی تھی....

اسے وحشت سی ہو رہی تھی۔

یہ اس گھر کو کس کی نظر لگ گئی ہے؟ پورے گھر میں جیسے نحوست کا ڈیرہ لگ گیا تھا۔ بھوت بنگلہ —— سارے کے سارے جیسے بھوت بن گئے تھے۔ ہلتے ڈولتے، چلتے پھرتے.... لیکن بولتے نہیں تھے....

"ابا، چائے لاؤں ——؟"

وہ ڈرتے ڈرتے ابا کے پاس آئی۔

ابا نے نظر اٹھائی

اس نے دھیرے سے کہا، 'ابا۔ باہر شور ہے.... کچھ لوگ کہتے ہیں پھر دنگا ہو گیا۔'

ابا اٹھے ——

"ہاں چائے رکھ دو۔ ابھی آیا۔"

ابا باہر نکل گئے۔ کچھ ہی دیر میں لوٹ آئے۔ پریشان تھے۔

"ہاں دکانیں بند ہو گئی ہیں —— تحسین آیا؟"

تحسین —— وہ ایک دم سے چونک گئی۔ ابا کے منہ سے کبھی بھی اس نے تحسین نام نہیں سنا تھا۔ ابا منا ہی کہتے تھے۔ ابا نے تحسین کہا تو اسے بھی اجنبیت کا احساس ہوا۔ پہلے تو وہ سمجھ ہی نہیں پائی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

"نہیں۔"

"آجائے گا۔ فکر مت کرو۔"

ابا کے لہجے میں اعتماد تو تھا لیکن اس اعتماد میں طنز بھرا تھا۔ طنز، یا یہ طنز اس نے محسوس کیا۔

وہ کھڑی رہی ——

ابا پھر اسی اعتماد یا طنز سے دوبارہ بولے۔

"بہو۔ گھبراؤ مت آجائے گا۔ جاؤ آرام کرو۔"

شمیم آگے بڑھی تو ابا کی آواز نے روک لیا۔

"وہ.... کیا ہے...." ابا جیسے کچھ کہنے کے لئے لفظ جوڑ رہے تھے.... اس دن بہو... تم نے کچھ کاغذ پتروں کے بارے میں کہا تھا۔ تحسین جسے پلنگ کے نیچے رکھتا ہے، ہونگے کیا؟'

"پتہ نہیں ...." شمیم کے لہجے میں حیرت تھی ....

"چلو .... دیکھتا ہوں ...."

برکت حسین کا لہجہ کھوکھلا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر شمیم نے پلنگ کے نیچے سے اخبار کے ڈھیر سے کچھ کاغذات

نکالے جو آرام سے، درسینت، کر اس طرح رکھے گئے تھے کہ کسی کو پتہ نہ چلے —— یہ کچھ اشتہارات تھے .... برکت حسین اچانک کانپ سے گئے۔ ان میں دو تین چھپے ہوئے رنگین، پوسٹر تھے ....

ان پر جیسے اندھیرا چھا رہا تھا ....

مشاعرے میں بوڑھے میاں کا جملہ اچانک ان کے سامنے کسی پھینکے گئے پتھر کی طرح لہرایا۔

آپ کو کیا فکر ہے برکت حسین۔ آپ کا لڑکا بھی تو آخر بھاجپا کا ....

ہاتھ کانپ گیا۔ شمیم چونک کر تعجب سے ابا کو دیکھ رہی تھی۔

ٹھیک اسی وقت دروازے پر دستک پڑی ....

دروازہ کھولو ——

یہ منا کی آواز تھی ——

برکت حسین نے بت بنے ہوئے انداز میں کہا ——

"جاؤ دروازہ کھول دو —— اندر آنے دو۔"

شمیم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ تیزی سے لہراتا ہوا منا اپنے کمرے میں آگیا اور اچانک دم بخود سا ابا کو دیکھنے لگا ....

جو پوسٹر اور اشتہارات ہاتھوں میں لیے کسی سنگ کی مانند کھڑے تھے۔

منا کی آنکھوں میں بجلی سی لہرائی۔ اس نے پلٹ کر شمیم کی طرف دیکھا۔

"یہ سب آپ کو کہاں سے ملا؟"

برکت حسین چیخ پڑے —— "تحسین حسین، سوال اس کا نہیں ہے۔ یہ کہاں سے ملا یہ کیا ہے؟"

"تم نے نکال کر دیا ہے؟" منا غصے میں شمیم کی طرف مڑا۔

برکت حسین دوبارہ چیخے۔ "میں پوچھتا ہوں یہ سب کیا ہے؟"

منا نے کسی پکڑے گئے مجرم کی طرح اقرار کر لیا ——

"یہ وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ اس سے آگے مت پوچھئے گا۔"

برکت حسین کی آواز لرز گئی ——— "اب پوچھنے کو بچا کیا ہے۔ تحسین حسین۔ صرف ایک سوال اور اپنا نام کب بدل رہے ہو تم ؟"

منا دھم سے بستر پر بیٹھ گیا ———

"ابا۔ ابھی آپ للہ کمرے سے چلے جائیے۔"

اُس کا ہر لفظ موم کی طرح پگھل رہا تھا.... میں کچھ جواب دینے کی حالت میں نہیں ہوں۔

"تم جواب کیا دو گے۔ جواب تو یہ ہے"

برکت حسین نے غصے میں اشتہارات اور پوسٹرز زمین پر دے مارا۔ غصے میں پلٹتے ہوئے بولے....

تحسین حسین۔ اب ہمیں سوچنا پڑے گا۔ تمہارے ساتھ رہنا چاہئے یا نہیں ——— باہر دنگے بھڑک رہے ہیں.... اور جو بھڑ کانے والے ہیں تم اُن میں سے ہی ایک ہو— ڈاکو کب اپنا گھر پھونک ڈالے، کون کہہ سکتا ہے ———

وہ تیزی سے باہر نکلے ———

منا کسی زخمی کی طرح بستر پر گر گیا ——— یہ سب ؟ اُسے حیرت نہیں ہونی چاہئے تھی.... یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا.... مگر ——— سب کا لہجہ یکساں کیوں ہے.... جیسے وہ کوئی ڈاکو ہو، انتہا پسند ہو، دہشت گرد ہو ——— ابا بھی اسے نام بدل لینے کی صلاح دیتے ہیں ——— اس کی دانش مندی، دور اندیشی، آنے والے کل کو آج پہچان لینے کی صلاحیت.... سب جیسے زنگ کھا گئی تھی.... اُسے رونا آ رہا تھا۔

دروازے پر شمیم روتی ہوئی نشی کو گود میں لیے عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی....

منا کو وحشت ہو رہی تھی.... اپنے آپ سے وحشت ہو رہی تھی.... جیسے وہ سب کچھ چھوڑ کر کسی دشت بیاباں میں نکل جائے۔ مگر کہاں.... بیوی بچے.... دل میں جانے کتنی بار خودکشی کا خیال بھی آیا ——— مگر بیوی بچوں کا خیال اسے زندہ رکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اور وقت، حالات جیسے اس کا مذاق اڑانے پر تل گئے تھے.... ایک جال ہے اور وہ پھنس گیا ہے.... چارہ پھینکنے والوں نے اسے اس طرح پھانس لیا ہے کہ وہ باہر نہیں

نکل سکتا.... مگر یہ.... وہ کیسے سمجھائے.... کیسے بتائے.... کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کیسی قید میں سڑ رہا ہے....

اُس دن.... اُس دن کا سارا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔

●●

نیل کنٹھ کے گھر پر میٹنگ تھی ——— سدھیندو رائے، ڈاکٹر نویندو، نریندر اور دیگر بہت سے لوگ جمع تھے ———

منا نہیں آیا ———

منا ابھی دروازے ہی پر تھا کہ ڈاکٹر نویندو کی آواز لہرائی۔ وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔

سدھیندو رائے کی آواز تھی ——— "چھوٹا سا شہر ہے۔ اُس بیچارے کا باہر نکلنا مشکل ہو گیا ہے ———"

نریندر کی برف کی طرح ٹھٹھری آواز تھی۔ جب تک ہمارے کام کا ہے۔ کام ہے۔ نہیں ہوگا تو اسے بھی فساد میں مروا دیں گے ———

"اس نے قہقہے کی آواز سنی" ———

ڈاکٹر نویندو نے کہا ——— چھوٹے شہر میں ہی تو مصیبت ہے ——— ہماری پارٹی کو لوگوں نے مسلمانوں کا دشمن تصور کر لیا ہے ———"

"دشمن تو ہے ہی ؟"

نریندر نے ٹھہا کہ لگایا ——— "ہم جو بھی چال چلتے ہوں۔ الٹ پلٹ کر بیان دیتے ہوں ——— مگر جیت کی ابتدا تو انہی کے سینے پر مونگ دل کر کی ہے ——— اتنے سارے لوگ مسلمانوں کے ورودھ تو ہمارے حصے میں جٹے ہیں ———"

"منا کو ایک بھڑکاؤ بھاشن کے لیے تیار کرنا ہے ؟" یہ نریندر کی آواز تھی ———

ڈاکٹر نویندو پوچھ رہے تھے ——— وہ تیار ہوگا ——— "

"تیار اس کا باپ ہوگا ——— اب اُلٹ پلٹ کیا تو ہم دھمکانے سے بھی باز نہیں آئینگے۔"

"وہ پول بھی تو کھول سکتا ہے۔"

”اس کو اپنی جان کا خطرہ نہیں ہے۔“

منا دبے پاؤں وہاں سے واپس لوٹ گیا ——— اس وقت صبح کے دس بج رہے تھے ——— وہ سیدھا بجلی آفس پہنچ گیا۔ ساڑھے بارہ بجے کے لگ بھگ نیل کنٹھ جیپ اڑاتا وہاں پہنچ گیا۔ یہ منا کا آخری فیصلہ تھا۔ اب وہ پارٹی کاریالیہ نہیں جائے گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ نیل کنٹھ کو دیکھ کر دل ہی دل میں اس نے فیصلے کا موڈ بنا لیا تھا۔

ابھی اس کے کاؤنٹر پر لوگ تھے ——— اس نے نیل کنٹھ کو باہر ہی رکنے کو کہا۔ مگر نیل کنٹھ تیر کی طرح اندر گھس آیا۔

”میں نے کہا تھا نا، باہر انتظار کرو۔“ اس نے اپنے لہجے کو مضبوط بنانا چاہا ———

”کیوں۔ یہاں اندر آنا منع ہے۔“

نیل کنٹھ کے ہونٹوں پر ایک زہریلی ہنسی مچل رہی تھی ———

”اچھا چلتا ہوں ———“

کاؤنٹر پر کھڑے لوگوں کو دو منٹ شانت رہنے کا حکم دے کر وہ باہر آ گیا۔ کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے لوگ ہلا گلہ کر رہے تھے۔

وہ باہر نکل آیا اور مضبوط آواز میں بولا ———

”میں نے تمہاری پارٹی چھوڑ دی۔ اب یہاں میرے پاس مت آیا کرو۔“

نیل کنٹھ پھر ہنسا ——— ”میاں۔ ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔ جب تم ہماری پارٹی میں نہیں آئے۔“

”بس چھوڑ دی۔“

نیل کنٹھ نے گالی دینے والے انداز میں بے رحمی سے اس کے ہاتھ کے گٹھے کو تھام لیا۔

”ارے یہ کیا کرتے ہو۔“

نیل کنٹھ نے ہاتھ کو بے رحمی سے مروڑتے ہوئے چھوڑ دیا ——— میاں جی۔ ایک تو اب یہ سوچو مت۔ جب ساتھ ہو لیے ہو تو پھر ہو لیے ہو۔ اب ایسا سوچیو مت ———“

وہ گندی اور بازارو زبان پر اتر آیا تھا۔ اتنا تو تم کو معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ ہم اچھے لوگ

نہیں ہیں۔ ہم قاعدہ قانون کچھ نہیں جانتے ——— اب جو ہوگا سو برا ہوگا۔ اتنا سمجھ رکھو۔ تم پیار سے مل رہے ہو تو سمجھو آج ہمارے تمہارے بیچ کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ لیکن تم چھوڑنے کی بات کر رہے ہو تو یہ اسمبھو رنا ممکن ہے ———“

”میں نے چھوڑ دی۔“

منا نے پھر زور دیا۔

نیل کنٹھ نے کسی بچے کی طرح اس کا کندھا سہلایا۔ پریوار والے ہو۔ اتنی جلدی ڈیسیزن نہیں لیتے۔ میرے اچھے منے۔ جا… دیکھ بل کاؤنٹر پر لوگ ہلہ کر رہے ہیں۔

وہ سگریٹ پی کر کسی فلمی ویلن کی طرح ہنسا۔ پھر جیپ اسٹارٹ کر دی ———

منا کو لگا، بہیلیا کے بچھائے ہوئے جال میں وہ کسی کبوتر کی طرح پھنس گیا ہے…۔ اب سب کچھ بہیلیا کے اختیار میں ہے۔ وہ اسے آزاد کرتا ہے یا….

●●

شام میں وہ پارٹی دفتر میں تھا۔

نیل کنٹھ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ دابا۔

”چلو باہر چائے پیتے ہیں۔“

”چلو۔“

وہ دھیرے سے مسکرایا ———

چائے پیتے ہوئے نیل کنٹھ نے پوچھا ———

”اب ٹھیک تو ہو؟“

”ہاں ———“

”اس نے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھا ——— میری صبح والی بات کا برا تو نہیں مان گئے؟“

”صبح میں؟ ہم ملے تھے کیا؟“

منا ایکدم سے انجان بن گیا۔

نیل کنٹھ ٹھٹھا کر ہنسا۔ بالکل صحیح جا رہے ہو دوست ——— جو صبح میں ہوا اسے شام میں

بھول جانا چاہئے۔ یہی پالیٹکس ہے ——

"میں کیا بھول گیا مجھے تو یہ بھی یاد نہیں ——"

نیل کنٹھ ہنس رہا تھا ——

نیل کنٹھ ہنس رہا تھا۔" پارٹی کو تمہارے ہی جیسے آگیاکاری پتروں کی ضرورت ہے۔ چلو اندر چلتے ہیں۔ ڈاکٹر نویندو تمہیں کھوج رہے تھے۔"

●●

بالمکند شرابور آنکھیں بند کئے بستر پر پڑے ہیں۔ انیل سرگوشیوں میں تلسی سے کچھ باتیں کرتا ہے.... پھر باوجی کے پائتانے بیٹھ جاتا ہے۔

"طبیعت کیسی ہے باؤجی؟"

بالمکند دھیرے سے آنکھیں کھولتے ہیں.... انیل کو ٹٹولتے ہیں۔ پھر آنکھیں بند کر لیتے ہیں....

"باؤجی۔ میں ہوں انیل...."

بالمکند دیکھتے ہیں.... آنکھوں میں اجنبیت سی سمٹ آئی ہے۔ پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں ——

نریندر ڈاکٹر کو لے کر آجاتا ہے۔ ڈاکٹر دونکر رائے پڑوس میں ہی رہتے ہیں —— دونکر رائے بالمکند کا ہاتھ پکڑ کر بلڈ پریشر چیک کرتے ہیں۔ بالمکند آنکھیں کھول کر اس پورے عمل کو دیکھے جا رہے ہیں۔

دونکر رائے پوچھتے ہیں.... اور شاعری چل رہی ہے آپ کی....

بالمکند جواب نہیں دیتے۔

دونکر رائے اپنا سامان سمیٹتے ہیں —— نریندر کو کنارے لے جاتے ہیں۔ پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

"بالکل نارمل۔ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔"

"پھر یہ سب؟"

ڈاکٹر دونکر رائے مسکراتے ہیں —— بوڑھے ہو گے تب پتہ چلے گا نریندر —— یہ کوئی بیماری نہیں ہے الزیمرس کہتے ہیں اس کو۔ اکثر بوڑھاپے میں اس کا روگ ہو جاتا ہے۔ یادداشت اس حد تک کمزور پڑ جاتی ہے کہ آدمی کبھی کبھی خود کو بھی نہیں پہچان پاتا۔ کئی دلچسپ باتیں ہوتی ہیں اس مرض میں۔ وہ بھول جاتا ہے کہ جانا کہاں ہے۔ باتھ روم جانا چاہتا ہے تو کہیں اور چلا جاتا ہے۔ کبھی کبھی کچھ گڑبڑ بھی کر بیٹھتا ہے.... بٹ نارمل انھیں کچھ نہیں ہوا ہے۔ کچھ بھی سیریس نہیں ہے....

"لیکن ایسا کب تک چلے گا ——"

نریندر!، دونکر رائے مسکراتے ہیں۔ عمر ہو گئی ہے پتا جی کی۔ اب وہ بھولنے کی استیتھی میں آگئے ہیں۔ انھیں پریشان مت کرو بس یہی علاج ہے۔

الزیمرس.... نریندر دہراتا ہے....

"پریشان مت ہونا۔ کیئر کرنا۔ ہاں...." اپنے خاص بنگالی ٹون میں ہندی بولتے ہوئے دونکر رائے بہت معصوم لگتے ہیں....

دونکر رائے کے جانے کے بعد بالمکند اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اوما چائے لے کر آتی ہے ——

"پتاجی چائے۔"

تیزی سے ہاتھ بڑھا کر وہ چائے پینے لگتے ہیں۔

نریندر غور سے انھیں دیکھتا ہے جیسے وہ پتاجی اور ان کی بیماری کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو ——

●●

نیلگوں آسمان.... دور تک پھیلا ہوا....

بالمکند بالکنی سے اسی آسمان کا نظارہ کر رہے ہیں.... دماغ پر زور ڈال کر کچھ سوچنا چاہتے ہیں مگر....

وہ واپس اپنے کمرے کی طرف لوٹتے ہیں۔ شیلف میں کتابیں سجی ہیں۔ ایک ایک کرکے

کئی کتابیں وہ اپنے ہاتھ میں اٹھا لیتے ہیں۔ الٹتے پلٹتے ہیں۔ پھر ویسے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ دیر تک خالی کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ پھر آئینہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

"دڈو ——"

دروازے سے مالو جھانک رہی ہے۔ مالو دوڑ کر ان کے پاس آتی ہے۔

"تم اچھے نہیں ہو دڈو۔ اب تم بات بھی نہیں کرتے۔"

گال پھلا کر وہ 'ہوپ' کرتے ہیں مالو کو .... دھیرے سے مسکراتے ہیں۔ پھر اپنے سینے سے سٹا لیتے ہیں۔ ایک قطرہ آنسو کہیں آنکھوں میں چھلکتا ہے .... مگر اس آنسو کو کس نے دیکھا ہے۔ کب سمجھا ہے۔ دیر تک لپٹائے رہتے ہیں مالو کو ——'

مالو دڈو کے ہاتھوں کو آزاد کرتی ہے .... 'میں جا رہی ہوں پڑھنے۔ تم بھی پڑھنا دڈو...'

وہ بھاگ جاتی ہے ....

بالمکند بس ہونٹ دابے خالی دروازے کو گھورتے رہ جاتے ہیں۔ اچانک آنکھوں کے آگے سائے سے لہراتے ہیں .... چیخ و پکار کی آوازیں گونجتی ہیں .... آسمان میں پھیلتا دھواں سا دیکھتے ہیں وہ ....

ایک بار پھر وہ میز پر ہیں ....

خود سے باتیں کر رہے ہیں .... یہ کیا ہو جاتا ہے مجھے .... میں .... کیا سچ مچ مرنے والا ہوں .... نہیں .... ابھی نہیں مروں گا .... ابھی ایک بیان دینا ہے مجھے.... بیان .... پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ .... شاید صاف صاف کہہ دینا چاہئے مجھے۔'

ایک بار پھر وہی میز ہے۔ قلم، کاغذ سب سامنے ہے۔ قلم ہاتھوں میں تھامتے ہیں۔ لکھنے لگتے ہیں ....

بھولنا کسے پسند ہے؟

مجھے —— مجھے پسند ہے اب —— اچھا لگتا ہے بھولنا .... سب کچھ بھول جانا بچے اور ڈاکٹر سب سمجھتے ہیں —— میں بوڑھا، بے بس اور لاچار ہو چکا ہوں .... انت

سامنے ہے .... مگر میاں .... ابھی نہیں مرنے والا میں .... ابھی نہیں مروں گا ....

وہ ٹھہرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں —— مجھے سوچ کر وحشت ہوتی ہے کہ میں اب بھی جی رہا ہوں —— اس خوفناک آندھی میں، تیز و تند ہواؤں میں، برفیلے جھکڑوں میں —— بڑی آزمائش سے گزر رہا ہوں میں —— خود کو بچائے اور زندہ رکھا ہے .... یہ بہت ہے میاں —— مجھے تو کب کا مر جانا چاہئے تھا —— اور سچ ہے... جوش تو کب کا مر چکا —— کچھ میں نے .... کچھ میرے بچوں نے اسے مار ڈالا لیکن —— ابھی سانس باقی ہے اس میں —— تھوڑی سی .... اسے زندہ رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر میں جانتا ہوں .... بہت دن تک یہ کوشش جاری نہیں رکھ سکتا میں —— جوش بالآخر مر جائے گا ایک دن .... مجھے وحشت ہو رہی ہے .... میں اپنے سارے دوستوں کو کھا چکا .... جیتندر جین .... سردار یشونت راؤ بے داغ، کلونت سنگھ حاتم .... سب جانے کہاں، کن وادیوں میں گم ہو گئے —— تاریخ بن گئے .... اب صرف یاد کرنے کا غم جھیلنے کے لئے یہ جوش بچا ہے .... اور میاں جوش .... اور جوش کا بھی کیا ٹھکانہ .... رختِ سفر تو کب کا باندھا جا چکا ——

وہ ٹھہرتے ہیں .... پھر لکھتے ہیں .... میں دیکھ رہا ہوں .... وہ پھیل رہے ہیں .... وہ چاروں طرف سے پھیل رہے ہیں .... اور ایک دن وہ آسمان، زمین، چٹان، نالے، سمندر سب کو ڈھک لیں گے .... سب جگہ حاوی ہو جائیں گے وہ .... صرف وہ رہیں گے اور .... سب کچھ ختم ہو جائے گا —— کوؤں اور گدھوں کی حکومت رہ جائے گی بس۔ سوچتا ہوں تو جیسے سب کچھ بھول کر اپنے ہوش کھو بیٹھتا ہوں۔ پھر کسی کو پہچان نہیں پاتا .... ہوش آتا ہے تو نظریں، سب کو پہچان تو لیتی ہیں پھر خود پر افسوس آتا ہے کہ نہ پہچانتا تو بہتر'

بالمکند شرما جوش ٹھنڈی سانس بھرتے ہیں .... جو لکھا ہے .... اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں .... اٹھ کر بالکنی پر آ جاتے ہیں ....

آسمان میں دور تک دھوئیں کی ایک لکیر کھنچی ہوئی تھی ——

(۲)

۴ ر جنوری کو اکبر پورہ میں جو کچھ ہوا، اس نے شہر کی فضا پر بُرا اثر ڈالا۔ ایک بار پھر پوری فضا بارودی ہوگئی ـــــــ کپڑوں کے تھوک بجر یتا مولوی غفار کے ساتھ ہوئی بدسلوکی کا معاملہ بھی گرم تھا ـــــــ اسپتال میں جس زخمی نے دم توڑ دیا، وہ عبدالرحیم تھا ـــــــ اور مولا بخش کپڑے والے کے یہاں ملازم تھا ـــــــ عبدالرحیم کی بیوی اور کچھ ایک رشتہ دار روتے پیٹتے ہوئے تھانہ پہنچے۔ اس وقت تک مرحوم عبدالرحیم کی لاش تھانے لے جائی جا چکی تھی ـــــــ پولس نے کسی نامعلوم خطرے کے ڈر سے عبدالرحیم کی لاش اس کی بیوی اور عزیزوں کو سونپنے سے انکار کر دیا ـــــــ اس وقت تک شہر کی فضا میں خوفناک قسم کے گدھ گھومنے لگے تھے ـــــــ اکبر پورہ اور پاس پڑوس کے محلّے میں جہاں دہشت کے پھیلنے کا امکان تھا، کرفیو لگا دیا گیا ـــــــ شام میں محلّے کے چند شرفا کا ایک جتھا پولس افسر سے ملنے کے لیے تھانے آیا، تاکہ عبدالرحیم کی لاش حاصل کی جا سکے اور اسلامی طریقے کے مطابق تجہیز و تکفین کی جا سکے ـــــــ لیکن معلوم ہوا کہ پولس سارا کریا کرم تو پہلے ہی نبٹا چکی ہے۔

یہ معمولی بات تو تھی نہیں ـــــــ کچھ چھوٹے موٹے لوگ اس واقعے کو مذہب کے ایمان سے جوڑ رہے تھے ـــــــ

تھانہ انچارج رام درشن جوشی اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اگر ان محلّے والوں کو عبدالرحیم کی لاش مل جاتی ہے تو پھر ان کے کھولنے اور اُبلنے کو ایک مضبوط ہتھیار مل جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ قابو سے اس قدر باہر ہو جائیں کہ پھر اُنھیں سنبھالنا ہی مشکل ہو جائے ـــــــ

پہلے تو اُس نے تھانہ کے باہر ہو ہلّہ کرنے والوں کو سمجھایا لیکن ہنگامہ کرنے والے جب اپنی مانگ سے ہٹتے نظر نہیں آئے تو اس نے قانونی دفعہ کا سہارا لے کر اُنھیں جیل میں بند کر دینے کی دھمکی دی۔ یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی ـــــــ عبدالرحیم کی بیوی، بچے اور عزیز روتے

ہوئے گھر واپس ہو لیے ـــــــ

تھانہ انچارج جوشی کو پتہ تھا کہ مرحوم عبدالرحیم کوئی ایسا وکیتی شخص، تو نہیں کہ زیادہ شور و غل مچ سکے ـــــــ نہ ہی کوئی با اثر یا بارسوخ شخص تھا ـــــــ ہاں محلّے کے مسلمان زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ دن یا ہفتہ بھر بھونک بھانک کر چپ رہیں گے ـــــــ اور فی الحال کے لیے کرفیو تو ہے ہی ـــــــ گو اب بھی ایک نامعلوم سا خطرہ بنا ہوا تھا کہ ایسے موقع پر کوئی لاوارث لاش بھی اپنا اثر دکھا جاتی ہے ـــــــ اور مرحوم کو تو خیر سے دس جاننے والے تھے۔

پچھلے دنگے کی ریہرسل کے بعد اس بار پولس کچھ زیادہ ہی چوکس تھی اور دوسرے معنوں میں بے رحم تھی ـــــــ بڑے پیمانے پر ہونے والی گرفتاریوں نے بھی شہر کو آگ کے شعلوں کے سپرد کرنے سے روک رکھا تھا۔

مگر شہر واسی ـــــــ

لگاتار فساد میں گھرے شہر کی جو حالت ہوتی ہے وہ ان کی تھی ـــــــ عام زندگی کی رونق اگر لوٹ بھی آتی ہے تو کیا ٹھکانہ، نحوست کا کوئی باب پھر سے نہ کھل جائے؟ تباہی و بربادی کی شروعات پھر سے نہ ہو جائے ـــــــ

کسی بھی کبھی سڑک پر کھلنے والی کھڑکی کھول کر بالمکند سڑک کا نظارہ کر لیتے۔ یہ سناٹے تو آزادی کے بعد جیسے اس ملک کا نصیب بن گئے تھے ـــــــ گہرا پُراسرار سناٹا۔ اور اس سناٹے کو توڑتی، سائرن بجاتی، گزرتی کوئی پولس جیپ ـــــــ کھڑکی پر دونوں ہاتھ رکھے بالمکند دیر تک اس سناٹے کا جائزہ لیتے رہتے ـــــــ انھیں لگتا کہ بہت سے لوگ ہوتے۔ اور وہ اُنھیں گھیرے بیٹھ جاتے .... وہ ان لوگوں کو پرانے دنوں کی داستان سُناتے .... اور بے شک اس پرانی داستان سے صرف سکھ بھرے قصوں کے گٹھر کھولتے .... پھر شروع ہو جاتے .... داستان ختم .... کرتے تو بیٹھے ہوئے ان لوگوں سے دریافت کرتے .... میاں اب بتلاؤ۔ جھوٹ کہ سچ؟ میاں سولہ آنے سچ ـــــــ

اور یقین نہیں آرہا تو اپنے بڑے بوڑھوں سے دریافت کرو ـــــ سب سولہ آنے سچ ـــــ اور میاں یقین آئے گا بھی تو کیسے ـــــ ایک غلامی سے نجات ملی تو اب سینکڑوں طرح کی غلامی اوڑھ رہے ہو تم لوگ .... ذہنی، روحانی، پیسے ہم بھی کھاتے تھے میاں۔ سیاست کا ہمیں بھی شوق تھا تبھی تو شطرنج کھیلتے تھے .... مہرے، پیدل، فیل، وزیر، بادشاہ، کشتی ـــــ کیسے ہوتی ہے جنگ .... کیسے مات دی جاتی ہے ـــــ شری کرشن کی گیتا، کورو پانڈو کے قصوں سے تمہاری آج تک کی سیاست، سب کی خبر ہے مجھے۔ مگر میاں ـــــ اب جب تم اپنا ذہن بدل رہے ہو تو اس کا علاج کیا ہے ـــــ کچھ بھی نہیں ہے ـــــ

ہاں تمہاری وحشت مجھے تنہا کر دیتی ہے، اکیلا کر دیتی ہے ـــــ کس کے پاس میں جاؤں، پوچھنے کے لیے کہ میاں تم بالمکند شرما جوش پر شک بھری نظریں دھرتے ہو تو اس کی وجہ بتلا سکتے ہو؟

اس کے دونوں بچے؟

نہیں میاں۔ باپ صرف اپنے بچوں کو پڑھا لکھا کر اپنی ذمہ داری سے مکت نہیں ہوتا ـــ؟

بچے ایک نیا ہندوستان چاہتے ہیں اور یہ ہندوستان تمہارے ست رنگی تصور والے ہندوستان سے جدا ہے ـــــ تم اپنے بچوں پر الزام کی بارش بھی نہیں کر سکتے ـــــ یہ ہندوستان انھوں نے ان خواب رنگوں سے تعمیر کیا ہے، جس کی زمین تم نے فراہم کی ہے ـــــ ایک خون میں ڈوبی ہوئی آزادی تم نے انھیں ورثے میں دی ـــــ یعنی آزادی تو دی مگر لہولہان ـــــ وہ ایک آزاد ملک میں پروان چڑھے، لیکن سرحدوں پر پھیلے ہوئے خون خشک ہو جانے کے بعد بھی اپنی نفرت، اپنا غبار، اپنا میلا پن چھوڑ گئے۔ ادھر وقت گزرتا رہا اور یہ نفرت، یہ غبار، آزادی کی پرانی ہوتی داستان کے ساتھ ان کے احساس کا ایک جزو بنتا گیا ـــــ

میاں بالمکند ـــــ ست رنگا تصور وقت کے ساتھ دھجی دھجی ہو کر بکھرتا رہا ـــ ایک نسل جاتی دوسری نسل آتی تو جیسے سوغات میں یہ نفرت اور غبار بھی لاتی ـــــ

اس ست رنگے تصور کے جنگ کبھی تم بھی رہے ہو بالمکند۔ اس لیے الزام سے گھبراتے کیوں ہو ـــــ

"گھبراتے کیوں ہو بالمکند شرما جوش؟"

"ھاں۔ کیا ہو جاتا ہے مجھے؟"

وہ برکت حسین سے پوچھ رہے تھے ـــــ یہ کیسی بیماری ہے برکت حسین۔ ذہن کھلا ہوتا ہے اور خیالات پھرکی کی طرح ناچتے رہتے ہیں۔ رات میں چاہے نیند آنے کے ٹیبلیٹ کھالو مگر آنکھوں کے آگے وہی اتیت گھومتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی تھک جاتا ہوں تو جیسے سب کچھ بھول جاتا ہوں۔ ڈاکٹر کہتا ہے۔ بوڑھے میاں کو بھولنے کی بیماری ہے۔ پھر یہ اتیت؟

ڈاکٹر روگ کا علاج کر سکتا ہے برکت حسین، لیکن بڑھاپے کا؟ بڑھاپا محض روگ نہیں ہے برکت حسین، جو یہ کل کے لونڈے چھونڈے ڈاکٹر اس کا علاج کھوج سکیں۔ "یہ سچ کہتے ہو جوش میاں۔ بڑھاپا تو اپنے ماضی کو ٹٹولنے کی یادگار ہے.... یادگار جو فنا ہونے سے پہلے ایک بار پھڑکنا چاہتی ہے ـــــ اور اسی لیے اپنے اتیت کو آواز دیتی ہے:

"بچے!"

بالمکند ٹھنڈی سانس بھرتے ہیں ـــــ اس ملک کا کیا ہوگا برکت حسین ـــ!

بول کر ایک دم سے چپ ہو جاتے ہیں۔ جیسے سوچ رہے ہوں، یہ بیکار کی گپ سے کر کیوں بیٹھ گئے۔ ملک کی چنتا تو غلام دنوں میں تھی۔ تب بھی بے فکری کے دانے چننے تھے کہ یہ شعلے بس بجھنے کو ہی ہیں۔ فرنگی شعلوں میں تہذیب کے لبادے کا بس ایک کونہ ہی تو جھلسا ہے ـــــ اس کونے کو تو جھلسنا ہی تھا ـــــ اتنا تو ہونا ہی تھا ـــــ سو زیادہ غم نہیں تھا۔ ملک کے دامن سے ایک اور ملک نکل جائے تو....؟ تقسیم کی وحشت کچھ دنوں کا سکھ چین تو چھینتی ہی ہے۔ پھر

ہمیشہ کے لیے امن .... سکھ چین اور بانسری کی تان .... پھر وہی۔ ملتے ملاتے رہنے
ہولی، دیپاولی، دُرگا پوجا، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ اور مشترکہ کلچر ——— ؟

وہ اِدھر اُدھر ہاتھ گھماتے ہیں ———

"کیا تلاش کر رہے ہو؟"

برکت حسین پوچھتے ہیں۔

"ناس۔ ناس کی شیشی۔ نہیں مل رہی۔"

"اب ناس بھی لگانے لگے؟"

"خاندانی عادت چھوٹتی کہاں۔ لگ ہی جاتی ہے" مسکراتے ہیں بالمکند "چھوٹو کہیں رکھ دی ہوگی۔ بھلکڑ دماغ ——— بچے بھی سمجھتے ہیں۔ باؤجی کا دماغ ہلکا ہوگیا ہے ہلکا ——— مگر ہلکا ہوتے ہوتے یہ اتیت اپنے پنجے کیوں گاڑ دیتا ہے ....

سوچتے سوچتے لگتا ہے .... اندھا ہوگیا ہوں۔ ہر چیز دھند میں ڈوبی۔ مدھم مبہم .... دھندلکے .... اور دھندلکے میں تیرتی چند پرچھائیاں .... یہ پرچھائیاں تقاضہ کرتی ہیں کہ پہچانو ....

"پھر پہچانتا ہوں برکت حسین .... صاف صاف .... ہم ہیں .... تم ہو .... بچپنا ہے۔ حالی محالی ہیں ——— گھر ہے آنگن ہے۔ آنگن میں وہ .... یاد ہے تمہیں امرود کا پیڑ ——— الطاف چچا گھر آتے تو ابا سے ضرور کہتے۔ میاں رام ولاس۔ امرود تو بس الہ آباد کے ہوتے ہیں یا تمہارے گھر کے ...."

برکت حسین کے منہ میں پانی بھر آتا ہے .... واہ میاں جوش۔ کیا یاد دلایا تم نے بھی ——— وہ درخت تو شاید ہمارے بچپن کے زمانے میں تھا۔ مجھے یاد ہے ——— عبداللہ پاسی کا لڑکا امرود کے پیڑ سے گر کر جس دن زخمی ہوا تھا ...."

"ابا نے اسی دن غصے میں درخت کے قتل کا حکم سنا دیا۔ یہ فیصلے بس اسی طرح آناً فاناً ہو جاتے تھے۔ پیڑ بھی تھا خاندانی ——— کٹنے کو کٹ گیا۔ مگر ابا بھی جی بھر کر روئے تھے۔ کہتے تھے دادا کو بھی بے حد پسند تھے اس کے امرود ———

ایک اور نشانی گم ہوگئی ——— ہائے ایسی ایسی کئی نشانیاں گم ہو جائیں گی۔"

"اب چھوڑو بھی جوش میاں ———" برکت حسین کے چہرے پر ناخوشگوار تاثر اُبھرتے ہیں؟ ——— "پرانے دنوں میں لوٹنے سے کیا فائدہ۔"

"اتیت فائدہ نقصان کہاں دیکھتا ہے بھائی۔ مگر ٹھہرو ——— کیا یہ موت کی سنوائی ہے ——— کبھی کبھی سوچتا ہوں ——— حال میرے سامنے سے کھسک رہا ہے۔ خود کو بھی، سامنے کے بچوں کو بھی بھول رہا ہوں۔ مگر اتیت .... صرف وہی زندہ ہے۔ بھولے بسرے چہرے، کبھی اماں بلاتی ہیں کبھی ابا دکھائی دیتے ہیں اور بھی ... وہ منگرو بھشتی، بچپن میں گودوں کھلانے والی نجیلن ... سب جیسے کسی تواریخی کردار کی طرح مجھے گھیر کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ محلے کے گذرے ہوئے دوست، یار، عزیز، بزرگ .... اور ——— بچپن .... جوانی ——— جوانی میں محبت کہاں کی، سمجھوتہ کیا تھا ———

بہت کچھ سوچتا ہوں۔ یہ بھی ... کہ میں جا رہا ہوں۔ اور میرا کوئی وارث نہیں ہے ——— جو میری میراث، میری وراثت سنبھالتا ——— جو مجھ سے جڑی روایتیں میرے بعد بھی جاری رکھتا ——— میرے بعد کوئی نہیں ہے۔ یہ حق بات مجھے کھائے جا رہی ہے ....

"بالمکند کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتے ہیں ———"

"ایک تو بڑھاپا اور اس پر تھکنے کا عمل۔ تم تھک گئے ہو جوش میاں ——— بڑھاپے میں کیسے کیسے دور، کیسے کیسے مرحلے آتے ہیں ———"

"یہ ملک ...." ٹھہر کر ہنسنے لگتے ہیں .... گھوم پھر کر کہیں سے چلو، واپس بس اسی مرکز پر آکر ٹھہرنا پڑ جاتا ہے .... کبھی کبھی خود پر غصہ آتا ہے کیوں سوچتا ہوں یہ سب۔ بچے ٹھیک کہتے ہیں۔ رام رام کرنا چاہئے مجھے۔ پوجا پاٹھ۔ ہر پرکار کے سوچ سے سنیاس لے لینا چاہئے۔ مگر ——— ممکن ہے برکت حسین، بچے ٹھیک ہوں۔ مگر حقیقت پسند ہوں نا؟ لگتا ہے، روایت سے کاٹے جانے کا مطلب ہے، کچھ ختم

ہوا ہے۔ کچھ بربریت سے ختم کیا گیا ہے۔ اور اس ختم کئے جانے کے عمل میں برسوں لگے ہوں ... کبھی لگتا ہے۔ میرا قتل کیا جا چکا ہے ——"

"اور تمہارا قتل تمہارے بچوں نے کیا ہے؟ اس لیے کہ وہ تمہاری روایت کو آگے نہیں بڑھا سکے ——"

"نہیں برکت حسین۔ سچ کا ایک رُخ یہ بھی ہے —— مگر میں کیا چاہتا ہوں۔ یہ.... کہ وہ مشاعرہ باز ہو جاتے۔ وہ اُردو سیکھتے، پڑھتے —— روایت ڈھوئے جانے کی چیز تو نہیں ہوتی۔ میرا چاہنا، اتنا محدود نہیں ہے برکت حسین۔"

مجھے صرف اس روز روز بڑھتی ہوئی آگ سے خطرہ ہے۔ اس لیے لگتا ہے، بچے ہماری راہ پر چل رہے ہوتے تو .... یہ بھیم پورہ، اکبر پورہ .... یہ آگ گلی گلی اور محلے محلے میں نہیں پھیل رہی ہوتی ... مگر قصور وار اکیلے کیا صرف میرے بچے ہیں؟ اب لگتا ہے، سب نے اپنی اپنی الگ الگ دنیائیں بنا رکھی ہیں۔ اور الگ الگ دنیا کے تصوّر بھی الگ الگ ہیں۔ ظاہر ہے برکت حسین، دو چار برتن ہوں گے تو ٹھن ٹھنائیں گے ہی .... بس وہ لڑ رہے ہیں۔ لڑتے جا رہے ہیں ——"

برکت حسین نے پن ڈبہ کھولا۔ پان نکالا۔ منہ میں دابا —— اور ٹھنڈی سانس بھری ——

"میں کچھ کہنے آیا تھا جوش میاں ——"

"ہاں —— بات کیا ہے؟" ——

"وہ —— اپنا مُنّا —— تحسین حسین۔"

"کہو۔ کہو...."

ٹھیک اُسی وقت دالان خانے کے دروازہ سے نریندر کا چہرہ طلوع ہوا ——

"آداب چچا جان ...."

"جیتے .... رہو .... بیٹے ...." برکت حسین کے لہجے میں تھرتھراہٹ دوڑ گئی۔

"بات کیا ہے برکت حسین؟"

بالمکند جوش کی آنکھوں میں فکر کے ڈورے تیر گئے ——

"مُنّا۔ کچھ خبطی سا ہو گیا ہے۔ نریندر بیٹا —— وہ کچھ غلط طرح کے لوگوں کے ہاتھوں میں تو نہیں چلا گیا ہے؟"

نریندر کے چہرے پر ایک تناؤ سا پیدا ہوا ——

یہ تناؤ اس سے قبل بالمکند یا برکت حسین نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نریندر میز کے پاس والی اونچی کُرسی پر بیٹھ گیا ——

"کیوں خطرہ لگتا ہے آپ کو؟"

برکت حسین بغلیں جھانکنے لگے ——

نریندر کی آواز میں سختی تھی —— "سب بکواس ہے —— آپ لوگ دراصل ڈر گئے ہیں —— اس ڈر کو نکالیے گا نہیں چچا جان تو پریشانی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا ——"

اور ایک بوڑھی آواز جیسے ایکدم سے لرز اٹھی ....

"نریندر بیٹا۔ میں بڑے چھوٹے سوال جواب نہیں جاننا چاہتا بیٹے۔ صرف یہ کہ .... میرا منّا واپس کر دو —— میرا اکلوتا مُنّا ——"

برکت حسین کی آنکھوں سے آنسو کا ایک موٹا قطرہ ٹپکا اور بالمکند کے سینے میں آگ سی آگ لگ گئی۔

"یہ کیا پاگل پن ہے چچا —— آپ تو ایسے گھبرا رہے ہیں جیسے ...." نریندر کی آواز اور سخت ہو گئی —— وہ جانے کو مڑا ——

"جبکہ سچائی یہ ہے کہ آپ کو بھی غور کرنا چاہیے۔ یہ طے ہے کہ اب ہماری پارٹی آئے گی۔ اور آپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ آپ اس کے لیے کچھ SOFT CORNER پیدا کریں —— اگر چاہتے ہیں کہ مسلمان یہاں امن سے رہیں —— بات کڑوی ہے لیکن سوچیے گا۔"

پھر نریندر رُکا نہیں۔ تیزی سے آگے بڑھ گیا ــــــ

برکت حسین نے آنسو پونچھے ــــــ

”جوش صاحب پتھریلی ہنسی ہنسے.... چلو مطلع صاف ہو گیا ــــــ اس مطلع کا صاف ہونا بھی ضروری تھا۔ کیوں برکت حسین؟“

لیکن برکت حسین تو کسی اور ہی دنیا میں گم ہو گئے تھے ــــــ

● ●

۴ جنوری کو اکبر پورہ میں ہونے والے فساد کی دوسرے ریہرسل کی چنگاری بھی پھُس پھُس ثابت ہوئی تو امرجیت اور ڈاکٹر نوید وغیرہ کا چونکنا واجب تھا ــــــ انتظامیہ کی سختی نے اس بار ان کا وار خالی کر دیا تھا ــــــ بہر کیف، اب چاروں طرف دلّی میں ہونے والی ریلی کے تذکرے تھے ــــــ جس کو بڑے پیمانے پر کامیاب کرنے کے لیے یہاں سے ہزاروں کی تعداد میں کار یہ کرتاؤں کو لے جانا تھا ــــــ نیل کنٹھ، نریندر، سوہن رائے گاؤں گاؤں گھوم کر مزدوروں، کسانوں اور غریبوں کو دلّی گھومنے کی مفت دعوت دیتے پھر رہے تھے ــــــ

”ارے کرنا کیا ہے۔ شان سے دلّی جاؤ۔ گھومو پھرو اور چلے آؤ ــــــ سب کچھ مفت ــــــ“

مسلم کار یہ کرتا بھی شامل ہوتے، اس خیال کے تحت منّا سے بات چیت بھی کی گئی لیکن منّا نے بے فرصتی کا بہانہ بنا کر اپنے انکار کا پہلا نمونہ پیش کر دیا۔ منّا کے سیدھے انکار سے پارٹی کار یہ میں خاصا اتھل پتھل مچی تھی۔ ڈاکٹر نویند و خاص کر بہت غصہ میں تھے ــــــ

”یہ سالے بیچ میں ہی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں ــــــ دنگوں میں زمین پر لاوارث مر رہا تھا ــــــ وہ تو سد ھینو ورحم کھا کر لائے۔ ہم نے بھی پناہ دی۔ مفت علاج کیا اور جب ہماری باری آئی تو کنی کترا رہا ہے ــــــ“

ڈاکٹر نویندو کا پارہ اتنا گرم تھا کہ ابھی اگر منّا کا بچہ ہاتھ لگ گیا تو وہ اس کا صفایا ہی کر دیں گے ــــــ وہ کچھ سوچ کر نیل کنٹھ سے بولے۔

”ذرا ریلی نکل جائے۔ پھر کچھ سوچتے ہیں منّا کے بارے میں۔ گھبراتا مت نیل کنٹھ“

لیکن کیا سوچتے۔ منّا کی تو ادھر روٹین ہی خراب ہو گئی تھی۔ وہ بھاگتا پھرتا تھا۔ شکل چھپائے پھرتا تھا۔ مگر کس سے ــــــ؟ جتنی دیر دفتر میں ہوتا، اتنی دیر پر اُس کا کلیجہ کسی انہونی کے خیال سے دہل رہا ہوتا۔ کب کیا خبر آجائے ــــــ کوئی پارٹی کا آدمی آجائے۔ گولی مار دے ــــــ

’گولی مار دے....‘ سچ تو یہ ہے کہ وہ اس سے بھی آگے سوچنے لگا تھا ــــــ

مگر کیوں سوچنے لگا تھا ــــــ اتنا ڈر، اتنا خوف.... کہ اب وہ نوکری چھوڑ کر چھوٹی موٹی تجارت کو اوّلیت دینے لگا تھا۔ ایک بار رات میں گھر لوٹ کر اس نے ابا سے باہر دُبئی وغیرہ جانے کی بات کی تو برکت حسین چونک گئے تھے ــــــ مگر منّا کے اندر بیٹھے ڈر کی تہہ تک نہیں جا سکے۔ اس تہہ تک جانا آسان بھی نہیں تھا کہ اس ڈر کو صرف منّا ہی دیکھ رہا تھا ــــــ

کہیں بھاگ جائے۔ باہر چلا جائے۔ تجارت کرے۔ نہیں تو۔ پستول کی گولی تو ہے ہی، اسے ختم کرنے کے لیے ــــــ

سچ تو یہ ہے کہ وہ پوری زندگی میں اتنا خوفزدہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ آفس آور ہو جاتا۔ تب بھی ادھر اُدھر اپنے مسلمان دوستوں کے یہاں بے وجہ چلا جاتا ــــــ وہ برکت حسین کا لڑکا ضرور تھا، لیکن آزادی کے بعد جس ماحول میں اُس نے آنکھیں کھولیں تھیں وہ ماحول چار خانے والی لنگی پہننے والے اور وہ بھی موڑ کر پہننے والے مسلمانوں سے جدا نہیں تھا۔ جو ہاتھ میں روزانہ یا ہفت روزہ بھڑ کاؤ اردو اخبار کی کاپی کھولے زور زور سے کسی کمائی کے چائے کی دکان یا عبدل پان والے کی دکان پر بیٹھک لگائے سنسنی پھیلا رہے ہوتے اُرے سُنا امریکہ سعودی عرب پر بم گرانے والا ہے ــــــ صدام پھر حملے کی یوجنا بنا رہے ہیں.... تاج محل میں اب پوجا بھی شروع ہو چکی ہے ــــــ اب تک متھرا، کاشی اور اجودھیا ہی تھا۔ اب یہ تاج محل بھی گیا ہاتھ سے....

جتنا ساذہن، اتنی سی باتیں —— مگر مُنّا اب خوف کے سائے میں پل رہا تھا۔ سڑک پر کوئی راہگیر گھورتا ہوا ملتا تو وہ ڈر جاتا۔ آفس میں اس کے نام کی کوئی کال ہوتی تو وہ ڈر جاتا —— پوری شام کاٹ کر رات کے دس ساڑھے دس بجے تک وہ چھپتا چھپاتا گھر میں داخل ہوتا۔ دروازہ کھلنے پر بھی ڈرا ہوتا کہ کہیں ابا یہ نہ کہہ دیں کہ کوئی کھوجنے والا آیا تھا۔ یا کوئی بُری خبر؟

●●

امرجیت نے کہا —— مُنّا کے بارے میں بعد میں سوچیں گے۔ ابھی ریلی کو سفل (کامیاب) بنانے کے بارے میں سوچنا ہے ——'

'نیل کنٹھ نے سگریٹ کی راکھ جھاڑی —— لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑیگا مُنّا کا؟'

سدھیندو رائے بھی ہنسی ہنسے۔ ابھی کافی سمٹنے ہے۔ نریندر۔ چنتا چھوڑ دو ——

"چنتا مُنّا سے ہے —— وہ بہت کچھ جان گیا ہے ہمارے بارے میں؟"

امرجیت کو غصّہ آ گیا 'کیا جان گیا ہے۔ تم تو ایسی باتیں کر رہے ہو جیسے یہ کوئی راشٹریہ پارٹی نہ ہو کر فاسسٹوں کی جماعت ہو —— ارے تم لوگ ہی غلط پروپیگنڈہ کرو گے تو پھر دوسرے کیسے آئیں گے۔ ہم تو ایک سیدھا تنک لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ اب تک الپ سنکھیکوں (اقلیتوں) کی ساری مانگیں سُنی اور مانی جاتی رہی ہے۔ اور بہو سنکھیکوں (اکثریت) کی کوئی سُنوائی نہیں —— بس اتنی سی ہے سیدھا تنک لڑائی —— نریندر۔ تم لوگ جوانی کے بہاؤ میں اسے غلط رنگ دے رہے ہو۔ اس سے پارٹی کو ہی دھکّا پہنچے گا ——"

نریندر چپ ہو گیا ——

"امرجیت سوچتے رہے۔ پھر بولے —— مُنّا کا انتظام اَوش (ضرور) ہوگا۔ پر ابھی نہیں —— ابھی ڈاکٹر نویندو کی چنتا کرنی ہے۔ ڈاکٹر نے جتنے آدمیوں کو لے جانے کا TARGET رکھا ہے، وہ کیسے پورا ہوگا؟ ——

"وہ پورا ہوگا نا، سر"

نریندر نے ایک دوسرا سگریٹ سُلگا لیا۔

سدھیندو رائے نے یاد دلایا —— "کل لوکل لوگوں نے اسی مدّے پر ڈیبیٹ رکھا ہے۔ آپ چلیں گے امرجیت؟"

امرجیت نے منع کر دیا۔ نہیں تم لوگ جاؤ —— مجھے اور ڈاکٹر نویندو کو کچھ اور کام بھی دیکھنے ہیں ——

●●

"ڈیبیٹے، بحث و مباحثے، مذاکرے ——"

فیض سقراطی ہنسا —— "ہم پڑھے لکھے لوگوں کا اب بس یہی کام رہ گیا ہے ——"

"چلو کوئی تو کام ہے۔ ورنہ ہم نے تو اپنے آپ کو بیکاروں کی فہرست میں شمار کر لیا ہے"

نازاں خیال نے ہنستے ہوئے کہا ——

یہ کمیونیٹی سینٹر کا چھوٹا سا ہال تھا۔ جہاں سو سے دو سو کے بیچ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ہال کے دائیں بازو کی طرف ایک چھوٹی سی پھلواری تھی —— کھلے دروازے سے، چلتی ہوئی ٹھنڈی ہوا اپنے ساتھ خوشبوؤں کی سوغات بھی لاتی —— چھوٹے شہروں میں اس طرح کے ڈبیٹ کی خاصی اہمیت ہوتی ہے۔ پڑھا لکھا حلقہ، کالج کے اسٹوڈنٹس، ٹیچرس، پروفیسرز، انٹلکچولس، ادیب، ساہتیہ کار، رنگ کرمی، اپنے اپنے خیالات کی پٹاری لے کر حاضر ہو جاتے —— یہ دراصل کھلا منچ ہوتا، جہاں سے اپنی بات کے اظہار کا سب کو موقع ملتا —— لوگ آرام اور سکون سے سب کو سُنتے —— پھر ایک ایک کر کے تبصرے ہوتے —— درمیان میں چائے کا بھی وقفہ تھا —— بہت بہت، اس طرح کے نشستوں کا وقفہ دو چار گھنٹوں کا ہوتا۔ کمیونیٹی سینٹر کے، اس رویندر بھون میں لوگ جمع ہو گئے تھے۔ دری پر سب کے بیٹھنے کا انتظام تھا —— کنارے مائیک لگا تھا۔ یعنی جس کا نام پکارا جاتا وہی کھڑا ہو کر اپنے خیال کا اظہار کرتا ——

ابھی ڈیبیٹ شروع نہیں ہوا تھا ـــــ پانچوں اس وقت ہال کے باہر ہی کھڑے تھے ـــــ بات چیت کا رخ ماحول سے اٹھ کر ان کی محبوباؤں کی طرف بھی آیا۔ لیکن محبوباؤں کے نام پر ان کے اندر کوئی جوش و خروش نہیں تھا ـــــ ایک طرح کی اُداسی سب میں سمٹی تھی ـــــ

" مارو گولی حنا کو۔" فیض سقراطی کا لہجہ عجیب تھا ـــــ اب تو ایک ہی محبوبہ ہے اپنی۔ نوکری۔"

" یار۔ اب لگتا ہے، اس ادب کے چکر میں ہم اپنا وقت ضائع کرتے رہے ہیں ـــــ کچھ کام ہی سیکھ لیتے تو ضرورت بلاضرورت کام ہی آجاتا۔"

"کم از کم کتابت ہی سیکھ لیتے۔"

نازاں خیال کی پھُسپھُسی ہنسی پر کسی کو ہنسی نہیں آئی ـــــ

"نوکری!"

اندر بھنبھناہٹ تھی اور باہر، ان پانچوں کے بیچ کسی خیالی جل پری کی طرح اٹھ کر نوکری آگئی تھی ـــــ

" مل جائے تو لپک لو ـــــ"

"پکڑ لو۔ تھام لو۔ بھاگنے نہ پائے۔"

" کہاں ہے یار؟"

" وہ ہے ...."

اس بار پانچوں ہنسے ـــــ

احمد ربانی بولا۔ "چھوڑو چلتے ہیں۔ کیا رکھا ہے اس مندر مسجد میں۔"

اس نے پیٹ پر ہاتھ مارا۔ "یہ روٹی کھوجتا ہے۔ اور روٹی نوکری۔ مسئلہ صرف ایک ہے۔ حکومت نے اس سے بچنے کے لیے عام آدمی کو مندر مسجد میں الجھا دیا ہے۔"

" کوشش کر کے دیکھ لی۔ سارے بوڑھے ہو جائیں گے۔ شادی بھی نہیں ہوگی۔" نازاں خیال طنز سے مسکرایا ـــــ " مندر مسجد کرتے جاؤ۔ پیٹ کا حال سنے نہ کبیرا ـــــ نوکری گئی بھاڑ میں، روتا جائے بنجارہ ـــــ"

" ہوش کی دوا کرو خیال صاحب،" فیض سقراطی نے ڈانٹا۔ "نوکری ظالم ایسی بے وفا محبوبہ ہے جس پر شاعری نہیں ہونی چاہیے ـــــ"

باقر مرزا نے ریڈیو پر کمنٹری کرنے والے انداز میں کہا ـــــ " بھائیو۔ ہم اس آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں۔ نوکری تو غلامی کی چیز ہے۔ نوکری غلام کرتے ہیں۔ ہمیں یہ سوچ کر خوش ہونا چاہیے کہ آزاد ملک کے آزاد شہری کی بھومیکا ہم سے زیادہ ایمانداری سے کوئی نہیں نبھا رہا ہے۔ اس لیے کہ ہم آزاد ہیں اور نوکری نہیں کر رہے ـــــ ہم حکومت پر کوئی بوجھ نہیں ہیں۔ ہمارے یہاں کوئی ٹیکس بقایا نہیں ہے ـــــ ہم گریجویٹی اور پی۔ ایف کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ـــــ"

" آزاد ملک کے آزاد شہری۔ ہاہم ....،" فیض سقراطی ہنسا ـــــ

اندر سے کوئی بے سُرے سُر میں اعلان کر رہا تھا۔ جو صاحب باہر ہوں، اندر چلے آئیں۔ ہال میں بیٹھیں۔

" اندر چلنا چاہیے ـــــ"

فیض سقراطی نے کہا ـــــ

ٹھیک اسی وقت تیر کی طرح تحسین حسین نے کمیونٹی سنٹر کے دروازے پر قدم رکھا۔ اور ان کے پاس سے گزر گیا۔

" پہچانتے ہو؟" باقر مرزا نے کہا ـــــ

" نہیں ـــــ"

" بھاجپا کا ممبر ہے۔"

" اچھا ـــــ"

" اور سُنو۔ چودھری برکت حسین کا لاڈلا ہے ـــــ تحسین حسین۔ مسلمان ہے۔" ـــــ

" مسلمان ہے اور بھاجپا ...."

نازاں خیال کہتے کہتے ٹھہر گیا۔ اسے اپنی آواز خود ہی اٹکتی ہوئی لگی۔

فیض سقراطی نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔ "کامریڈ۔ آ گئے نا اسلام پر۔"

"نہیں۔ میرے کہنے کا مطلب تھا...." ناز اں خیال نے پینترا بدلا۔

"تمہارے کہنے کا وہی مطلب تھا..... اور ہم اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔" باقر مرزا نے اشارہ کیا۔ چلو اندر چلتے ہیں ــــــ

●●

اندر کاروائی شروع ہو چکی تھی ــــــ

سورج غروب ہو چکا تھا۔ شام کے سائے چاروں طرف پھیل گئے تھے۔

پانچوں نے اپنی جگہ لے لی ــــــ

باہر ہوا تیز تھی ــــــ کمرے میں 'رات کی رانی' اور چمپلی کے پھولوں کی خوشبو ہوا کے جھونکوں کے ساتھ اندر داخل ہو رہی تھی۔

پانچوں ٹھہر گئے ــــــ مائیک کسی جوشیلے مسلمان نے تھام رکھا تھا۔ جو زور زور سے ہاتھ بھانجتا کہہ رہا تھا۔

"بھائیو! ــــــ"

●●

منّا کے بدن میں حرکت ہو رہی تھی۔ اس کے اندر کا آدمی بار بار اٹھ کر مائیک پر آنا چاہ رہا تھا۔ مگر ــــــ

بیٹھے ہوئے لوگوں میں سدھیندو اور نیل کنٹھ بھی تھے۔ ایک بار منّا کی ان دونوں سے نظر بھی ملی۔ سدھیندو رائے نے کچھ اشارہ بھی کیا مگر منّا پتھر کی مورت بنا رہا۔ نیل کنٹھ اسے دیکھ کر مسکرایا بھی۔ اشاروں میں سدھیندو رائے سے پوچھا ــــــ

"یہ پاگل یہاں کیسے آ گیا؟"

"پتہ نہیں ــــــ"

سدھیندو رائے چھوٹے سے ٹھونگے میں رکھا گیا چنا پھانکنے لگے ــــــ "لو تم بھی کھاؤ ــــــ"

نازاں خیال نے دھیرے سے باقر مرزا کو ٹہوکا لگایا۔ "میں بھی جاؤں کچھ بولنے کے لئے۔"

"اماں سنو میاں ــــــ" باقر مرزا نے منہ بنایا ــــــ

فیض سقراطی نے لقمہ دیا ــــــ "مائیک پر جاؤ گے اور نوکری کی بات چھیڑو گے، بیٹھ جا یار ــــــ سننے دے ــــــ"

●●

مائیک ــــ لوکل اردو ڈیلی کے ایک صحافی نے تھام لیا تھا ــــــ جس کی گھن گرج فضا میں گونج رہی تھی۔

نیل کنٹھ نے منّا کو پھر اشارہ کیا۔

"آ جاؤ بھی برخوردار ــــــ کب سے منہ پھلائے بیٹھے ہو۔"

منّا تن گیا ــــــ

سدھیندو رائے مسکرائے۔ "چھوڑو بھی کیوں تنگ کرتے ہو۔"

"یہ لوگ...." منّا کو مائیک پر بولتے ہوئے سارے لوگ جھوٹے لگ رہے تھے۔

شاید وہ اسی لئے یہاں پہنچا تھا ــــــ اپنی بات کہنے۔ مگر کمزوریاں اُسے گھیر رہی تھیں۔ ہفتوں سے، لوگوں میں چھپنے چھپانے والے منّا کو اس نے ایک مضبوطی بھری تسلّی دی تھی ..... مرنا ہی ہے تو ایک بار مر جاؤ ــــــ مگر اپنی بات تو کہہ جاؤ۔ ان موقع پرستوں اور مصلحت پسندوں سے زیادہ سچی اور کھری بات تمہاری ہوگی تحسین حسین تو تمہاری باتیں ان لوگوں تک کیوں نہیں پہنچیں ــــــ پہنچتی ہیں۔ مسلم رہنماؤں کی باتیں، بدھی جیویوں کی، پڑھے لکھوں کی ــــــ ایک سوچ تو تمہاری بھی ہے۔

اس نے نیل کنٹھ اور سدھیندو رائے کی طرف پھر مڑ کر دیکھا جو اب دھیرے دھیرے خود سے باتیں کر رہے تھے۔

"موقع پرست، مصلحت پسند!"

منّا کو غصہ آ رہا تھا ــــــ "سالے، سب بھڑوے ہیں۔ کام کی بات کوئی بھی نہیں کر رہا۔ سب صرف کام چلاؤ باتیں کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو خوش کرنے والی ــــ نہیں۔ اس سے کام نہیں چلے گا ــــ"

اب ــ مائیک، ایک بوڑھے آدمی نے سنبھالا تھا۔ جو سنبھل سنبھل کر اتہت کے پتوں کو ہوا دے رہے تھے۔ میل ملاپ کی کہانیاں ــــ دوستی بھائی چارگی کی کہانیاں ــــ محبت کی کہانیاں۔

"ان سب سے کیا فائدہ ہے اب؟" منّا کو غصہ آ رہا تھا۔ سب بیکار کی باتیں، لچر، کوئی فائدہ نہیں ہے ــــ اب لڑائیاں چھڑتی ہیں تو یہ گھروں میں بند ہو جاتے ہیں۔ بزدل، باہر آ کر لچھے دار تقریروں کے لئے چھوڑ دو ان کو، پھر دیکھو۔

'مصلحت پسند سب مصلحت پسند ....'

مائیک کچھ دیر کے لئے خالی ہوا، اس سے پہلے کہ کوئی اعلان ہوتا یا کسی کو بلایا جاتا، تیزی سے منّا مائیک کی طرف لپکا۔ اس کی سانس چل رہی تھی۔ چہرہ جذبات سے لال ہو رہا تھا۔

"سب جھوٹ۔ جھوٹ ہے سب....."

جذبات کی آمیزش سے اس کے لفظ لڑکھڑا گئے۔

سدھیندو رائے چونک گئے ــــ

نیل کنٹھ نے چونک کر دیکھا ــــ

منّا ہکّا بکّا بیٹھے ہوئے لوگوں کی اس چھوٹی سی جماعت کو تک رہا تھا۔ کسی نے درمیاں میں سے کہا ــــ

"میاں، تب سچ کیا ہے؟"

"بولتے کیوں نہیں۔"

"ارے یہ کیا بولے گا۔"

"ہاں ہاں بولو۔ چپ کیوں ہو گئے۔"

منّا نے گہری سانس کھینچی ــــ جذبات لفظ بہا لے گئے۔ ذہن میں صرف دھماکے ہو رہے تھے۔ جو بولنا تھا، سب دھماکوں میں لوٹ پھوٹ گیا۔

"ارے بولو میاں۔ سب کو بولنے کا حق ہے۔"

ایک بوڑھے نے اونچی آواز میں کہا۔

منّا لہراتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھا۔

لوگوں نے پلٹ کر دیکھا ــــ منّا نے مائیک چھوڑ دیا۔ ہٹ گیا۔ اور تیزی سے باہر نکل گیا ــــ

نیل کنٹھ نے طنز سے سدھیندو رائے کو دیکھا۔

سدھیندو رائے نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا ــــ منّا نے باہر نکل کر رکشہ کیا۔ گھر کا پتہ بتایا اور بوجھل سا رکشہ پر بیٹھ گیا۔

● ●

منّا کا دل رونے رونے کو کر رہا تھا۔ وہ کمرہ میں بجلی کی طرح گھسا اور کمرہ بند کر لیا ــــ

شمیم نے دروازہ پر دستک دی۔

"چائے نہیں پیجئے گا؟"

"نہیں۔"

منّا بستر پر بیٹھ گیا۔ دماغ اب بھی سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ کچھ بول کیوں نہیں پایا۔ اگر نہیں بولنا تھا تو پھر اپنا مذاق بنانے وہ وہاں گیا ہی کیوں۔

نہیں وہ بولنا تو چاہتا تھا مگر وقت پر سب بھول گیا ــــ

شاید ایسا ہی ہوتا ہے .... ایسا ہی ہوتا ہے ــــ اس لئے ہماری باتیں لوگوں تک نہیں پہنچتیں۔

اس کا دل رونے رونے کو کر رہا تھا ـــــ اور سچ مچ تکیہ کو چہرے سے سٹا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا

● ●

"وہ اب ہمارے لئے خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔"

سدھیندو رائے امرجیت سے پھسپھسا کر بولے ـــــ

"کچھ جلدی ہی سوچنا ہوگا ـــــ"

"سوچنا نہیں ـــــ انتظام کرنا ہوگا۔"

"ریلی میں جانے کے لئے کتنے لوگوں کا انتظام ہوا۔"

"نریندر بس آنے ہی والا ہے ـــــ وہ پوری رپورٹ دے گا۔"

امرجیت نے گہری نظروں سے سدھیندو رائے کو دیکھا ـــــ پھر بڑبڑائے۔

"ٹھیک کہتے ہو ـــــ کچھ نہ کچھ انتظام کرنا ہوگا ـــــ جیسے بھی ہو، اس بار ڈاکٹر نریندر کو ہر حال میں جتانا ہے ـــــ"

"ایک بات پوچھوں ـــــ؟"

"اوش (ضرور)۔"

"آپ کیوں نہیں کھڑے ہو جاتے؟"

امرجیت مسکرائے ـــــ "کچھ لوگ پردے کے پیچھے ہی اچھے لگتے ہیں۔ نریندر پیسے والا بھی ہے۔ ابھی پیسے والوں کی بہت ضرورت ہے۔"

وہ پھر چنتا میں ڈوب گئے ـــــ

● ●

پانچوں چپ چاپ ہوٹل میں آکر اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ڈبیٹ سے لوٹنے کے بعد ان کے چہرے پر سستی چھا گئی تھی۔

"وہ کیا بولنا چاہتا تھا؟"

"پتہ نہیں۔"

پھر بولا۔ کیوں نہیں۔

"یہی تو تعجب ہے۔"

"مجھے تو معاملہ کچھ گڑبڑ لگتا ہے۔"

"اس کا چہرہ نہیں دیکھا ـــــ کیسا لال ہو رہا تھا۔"

"مگر وہ کہنا کیا چاہتا تھا ـــــ"

نازاں خیال نے باقر مرزا کو ٹوکا۔ "تم نے کہا تھا کہ وہ ...."

"ہاں۔ اسی لئے تو اور تشویش کی بات ہے۔"

"کیوں نہ اس سے ملا جائے۔"

"کون سا تیر مار لوگے ـــــ؟"

"یار۔ یہ تو پتہ چل جائے گا کہ آخر وہ کہنا کیا چاہتا تھا۔"

نازاں خیال نے کہا ـــــ "بڑی بات یہ ہے کہ وہ کہنا تو چاہتا تھا مگر کہہ نہیں پایا۔ ہماری طرح۔ یہی بڑی بات ہے۔"

"یعنی؟"

فیض سقراطی چونک گیا ـــــ

نازاں خیال نے برا سا منہ بنایا ـــــ اور یہاں کہہ کر کرتا بھی کیا۔ کون سا، یہاں پارلیامنٹ بیٹھی ہے کہ سنوائی ہوگی ـــــ

"پارلیامنٹ میں سنوائی کب ہوتی ہے یار۔ وہاں تو اور بھی مچھری بازار ہے۔" احمد ربانی جھنجلا کر بولا۔

نازاں خیال سنجیدہ ہو گیا۔ "چلو چھوڑو۔ سمجھ لو وہ ہم میں سے ایک ہے اور ہماری باتیں دل کی دل میں رہ جاتی ہیں۔ یا بہت بہت ہم پانچ سنتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔"

پانچوں زور زور سے ہنسے۔

بیرے نے پاس آکر پوچھا ـــــ "چائے لاؤں۔"

پانچوں نے اپنی اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے ـــــ نہیں۔

آج نہیں ——،

میز سے اُٹھ کر وہ باہر آگئے۔

کافی دیر تک ان کی آپس میں کوئی بات نہیں ہوئی۔

مالو بیمار ہے

بالکند کمزور ہو گئے ہیں۔ جسم میں اب وہ پہلے والی بات نہیں رہی۔ بچے ان کی شاندار صحت کو دیکھتے ہوئے پرانے زمانے کی جس اصلی گھی کی دہائیاں دیتے تھے۔ وہ گھی جسم سے اچانک ہی چھلکنے لگا تھا۔ اب کمزور اتنے ہو گئے ہیں کہ بہت مشکل سے سیڑھیاں چڑھتے اترتے ہیں۔

بہت بہت یہی ہوتا ہے کہ دروازے سے باہر نکل کر صبح سیر کے لئے دس بارہ قدم چل پڑتے ہیں، پھر واپس لوٹ کر نڈھال سے بستر پر پڑ جاتے ہیں —— پھر وہی اُلٹے پلٹے خیالات ہوتے ہیں اور بالکند شرماجوش ہوتے ہیں ...

ذرا سی نیند جھپکی نہیں کہ یادوں کا حملہ شروع ہو جاتا ہے۔ پُرانے پرانے لوگ جو جانے کب کے مر کھپ گئے۔ سدرشن بابو، جمن چاچا، بدری پرساد کوٹھی والے۔ رائے بہادر .... پھر اماں اور ابا کو دیکھتے ہیں .... مبہم، دھندلے چہرے، آنکھوں میں جہان کا نور سمیٹے آنکھوں کے پردے پر جگہ گھیر لیتے ہیں۔

"ہم یاد آتے ہیں بیٹے۔ اب دیر کاہے کی۔ ہم سب بے صبری سے تمہاری راہ تک رہے ہیں ——"

"کب آرہے ہو ....؟"

"ابھی بہت سے کام پڑے ہیں۔ اور وہ بیان ...."

"کام تو چلتے ہی رہتے ہیں —— بس اب آجاؤ۔"

دیکھو ہم آرہے ہیں —— نیند بس موت کا فاصلہ ایک جست میں طے کرنے والی ہے ....

بس یہ فاصلہ طے ہوا اور ....

موت کا ایک دن معین ہے

نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آنکھیں کھل جاتی ہیں تو خوابوں کی بے چینی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ہاں بچے ڈر جاتے ہیں۔

"ایسے کیوں مسکرا کر دیکھتے ہیں؟"

"خواب میں اماں ابا کے دیدار ہوئے؟"

وہ ٹھہرتے ہیں —— میرا وقت آگیا ہے —— سب مجھے آوازیں دے رہے ہیں —— پرانے لوگ —— پرانے عزیز .... کتنوں کے چہرے بھول چکا تھا.... سب دھندلے دھندلے سے آنکھوں کے آگے اتر رہے ہیں۔

سرائے والی زمین کو لے کر گھر میں مقدمے بازی ہوئی تھی۔ رام ولاس شرما ان دنوں کتنے بے چین رہا کرتے تھے —— الطاف حسین رام ولاس کو ڈیوڑھی میں لے جا کر سمجھاتے ہیں۔ اندر کے کمرے میں اماں دھیرے دھیرے رو رہی ہیں۔ الطاف حسین رام ولاس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں.... جاؤ بھابی کو سمجھاؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ——

کتنے ہی ایسے واقعات آنکھوں کے آگے جگہ گھیرتے ہیں —— جیسے کوئی پرانی فلم چل رہی ہو.... ایک کے بعد دوسرا اسین ——

طبیعت ذرا ٹھیک ہوتی تو خاندانی وکیل لچھو بابو مزاج پرسی کے لئے چلے آئے۔ پہلے تو دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر لچھو بابو اپنی منشا پر آگئے۔

"اب طبیعت کیسی ہے بالکند بابو۔"

"رب کا فضل۔"

"طبیعت ٹھیک ہو تو ذرا بچوں کے بارے میں بھی سوچئے گا ——"

۱۴

انہوں نے لچھو بابو کو غور سے دیکھا ——

"آپ بچوں کی کوئی سفارش لائے ہیں۔"

"لچھو بابو ایک دم سے چونک گئے۔"

"یہ کیسی بات کرنے لگے بالمکند بابو۔"

"بس یونہی —— مجھے لگا، میرے بچوں نے کچھ کہا ہے آپ کو۔"

"بچے کیا کہیں گے۔ مگر سوچنا تو چاہیئے نا آپ کو ——"

لچھو بابو مسکراتے ہیں —— "اور چلیئے اگر بچوں نے کہا بھی تو کون سا غلط کہا۔ ان کی گھر گرہستی ہے۔ ذمّہ داریاں ہیں۔ بچے ہیں۔"

بالمکند کو غصہ آگیا۔ 'پھر صاف کہتے کیوں نہیں کہ بچوں نے بھیجا ہے۔'

"ایسا ہی سمجھ لو —— مشورہ دینا میرا کام —— میں نے اپنی اتنی لمبی زندگی میں ایسے کتنے ہی گھروں کی خانہ جنگی دیکھی ہے۔ جہاں باپ بنا وصیت کئے مر گیا اور بھائیوں میں خون خرابے کی نوبت آگئی —— چیزیں مہنگی ہیں —— گھر گرہستی مشکل بات ہے۔ آپ چاہو تو دونوں کی مرضی لے لو —— میں آمنے سامنے دونوں کو بٹھا کر وصیت کے کاغذات بنا لیتا ہوں —— کیوں، ٹھیک ہے نا، بالمکند بابو ؟"

"نہیں ——" بالمکند کے چہرے کا ماس کھنچ گیا —— "میں نے بھی سوچ لیا ہے، وصیت نہیں کرنی ہے مجھے —— چاہے یہ گھر رہے یا ٹوٹے —— اب بچے مل کر نہیں رہ سکتے تو اس گھر کا جو چاہے حشر ہو کریں ان کی مرضی ——"

لچھو بابو نے بُرا سا منہ بنایا ——

"میں نے تو بس بچوں کی بات آپ تک پہنچا دی۔ تو چلوں بالمکند بابو ——"

"نہیں۔ ٹھہریئے۔ بُرا مت مانیئے —— آپ تو خاندانی آدمی ہیں ہمارے —— بچے چاہتے ہیں گھر کا بٹوارہ۔ اس گھر کا —— آپ دیکھ رہے ہیں۔ چپے چپے پر بزرگوں کی نشانیاں تیر رہی ہیں۔ اپنی زندگی میں، اپنی آنکھوں کے سامنے کیا ایسا کر سکتا ہوں میں —— لیکن جانتا ہوں، اِدھر آنکھیں بند ہوئیں اور اُدھر بچے اپنی من مانی پر اتر

آئیں گے —— اتر آئیں —— کون سا میں زندہ رہوں گا، وہ بُرا وقت دیکھنے کو —— لیکن جب تک زندہ ہوں میاں .... میں بھی کم ضدی نہیں ہوں" بچوں کا موہ نہ ہوتا تو یہ مکان سرکار کے حوالے کر جاتا ——"

"ارے شبھ شبھ بولئے بالمکند بابو۔"

"بچوں کے لچھن ٹھیک نہیں تو یہ گھر ٹوٹنے سے کوئی نہیں بچا پائے گا۔ یہاں اس حقیقت کو پہچانتا ہوں میں۔ اور کم از کم اپنی زندگی میں اسے ٹوٹا اور بٹا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں، بچے میرے اس زخم کو کیا سمجھیں گے ——"

"نئے زمانے کے بچے !"

لچھو بابو مسکرائے —— "چلئے کوئی بات نہیں —— اچھا نمستے۔ پھر اگر کبھی میری ضرورت ہو تو بلوا لیجیئے گا بالمکند بابو ——"

اسی شام ——

طبیعت ذرا ٹھیک تھی۔ وہ بستر پر لیٹے تھے کہ پہلے نریندر پھر انیل نے اندر قدم رکھا۔ ایک سرہانے اور دوسرے نے پائیتانے اپنی جگہ سنبھال لی ——

"آج تو بھگوان کی کرپا سے آپ سوستھ دکھ رہے ہیں بابو جی ——"

"ہاں ——"

انیل دھیرے دھیرے پاؤں دابنے لگا ——

نریندر نے سر کو سہلانا شروع کیا ——

ذرا دیر میں اوما چائے اور بسکٹ کے ٹرے لے کر پہنچ گئی —— پیچھے پیچھے تلسی بھی آگئی —— سب کو ایک ساتھ دیکھ کر بالمکند کو اچھا لگا —— پھر سوچا، بچوں کا اس طرح ایک ساتھ آنا کسی مصلحت سے خالی نہیں۔

"ارے بات کیا ہے ؟"

تلسی آگے بڑھی —— "بڑوں کی سیوا تو دھرم ہے باؤجی۔"

بالمکند مسکرائے۔ یہ پوچھتے ہوئے ڈر لگا کہ یہ دھرم اچانک آج کیوں یاد آیا۔

انیل نے پوچھا ——

"صبح میں پھپھو بابو آئے تھے۔"

"ہاں۔"

"کچھ بات ہوئی آپ سے۔"

"ہوئی۔"

وہ چپ ہو گئے۔ دیکھا، انیل اور نریندر کی آنکھوں میں تجسس کے شعلے لپکے تھے۔

"کیا بات ہوئی —— ؟"

انہوں نے لیٹے لیٹے پاؤں موڑ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ نریندر اور انیل نے ہاتھوں کو پیچھے کر لیا —— انہوں نے دونوں بہوؤں کی طرف دیکھا —— وہاں بس اس سوال کی تہہ میں جانے کی جلد بازی دکھتی تھی۔

وہ مسکرائے —— "بیٹو! ابھی نہیں مر رہا ہوں —— تم ڈر گئے ہو کہ بوڑھا اب بھولنے پر آگیا ہے —— درست —— اس حد تک بھولنے کی نوبت نہیں آئے گی۔"

انیل نے سر جھکا لیا —— "باؤجی —— ہمیں ضرورت رہتی ہے ——"

نریندر نے سر کھجلایا ——

"روز روز کے تناؤ سے تو بہتر ہے باؤجی کہ آپ بٹوارہ کر ہی دیں۔ آپ ہمارے ساتھ رہیں گے باؤجی؟" ——

اس نے اوما کی طرف دیکھا ——

اوما چہرے پر دنیا جہان کا پیار سمیٹ کر بولی، "آپ ہمارے ہی ساتھ رہیں گے باؤجی۔ مالو بھی کتنا چاہتی ہے آپ کو ——"

تلسی بگڑ گئی —— "کیوں باؤجی ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہیں گے۔ ہم کوئی اچھوت ہیں۔ یا ہم باؤجی کو کھانا بنا کر نہیں کھلا سکتے۔"

"نہیں، یہ بات نہیں۔"

نریندر کی بات کو انیل نے غصے سے کاٹا —— "بات یہی ہے۔ ہماری خاموشی سے آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ باؤجی کو بہلا پھسلا کر ساری جائیداد اپنے نام کرا لینگے۔"

نریندر نے باؤجی کی طرف دیکھا۔

"دیکھا باؤجی۔ یہ الزام ہر گھڑی ہم پر لگتے رہتے ہیں —— لیکن ہم چھوٹے ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں بولتے .... لیکن اب ...."

بالمکند نے ہاتھ کے اشارے سے بیٹے اور بہوؤں کو روکا —— من تلخی سے بھر اُٹھا —— جھنجلاہٹ پر قابو نہیں رکھ پائے

"ابھی مر نہیں رہا ہوں۔ جب مروں گا تب دیکھا جائے گا —— ابھی مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

●●

بچوں کے جانے کے بعد وہ دیر تک گم سم بیٹھے رہے۔ گھر ٹوٹ جائے گا کیا؟ دونوں بھائیوں میں تو اب ذرا بھی نہیں بنتی —— سمجھانے اور سمجھنے کے دروازے پر بھی انجانا سا تالا لگ چکا ہے۔

بچوں نے اچھا خاصا موڈ خراب کر دیا تھا۔ وہ دیر تک کمرے میں ٹہلتے رہے

اس واقعہ کے دو تین روز تک بیٹوں اور بہوؤں کے منہ پھولے رہے

سب کتنے مصلحت پسند ہو گئے ہیں —— یہ بیٹے بہو ہیں —— انہیں رونا آتا تھا۔

ادھر دلی میں ہونے والی ریلی کے کچھ زیادہ ہی ہنگامے تھے —— نریندر کی مصروفیت اور ایکٹیویز کو وہ بھی دیکھ رہے تھے —— بالمکند کو غصہ آتا، ادھر ملک میں ہونے والے یہ فسادات کم پڑ گئے ہیں۔ جو اتنی بڑی ریلی نکال رہے ہیں۔ پورے ملک کو فساد کی آگ میں جھونک دیں گے یہ لوگ۔

ریلی کو لے کر شہر کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی —— دہشت بھرا ماحول تھا ——

نریندر ربلی کے لیے دلی چلا گیا۔ انیل بزنس کے کام سے کہیں باہر چلا گیا تھا ـــــ اوما کو ڈر لگ رہا تھا۔ مالو کی طبیعت کل سے ٹھیک نہیں تھی کل سے دست قے آ رہا تھا ـــــ گھر میں مرد کی شکل میں کوئی نہیں تھا۔ پہلے تو وہ پڑوس کی دکان سے حال کہہ کر دوا لے آئی۔ مگر دوا کھانے کے باوجود رات تک طبیعت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

گھر میں لے دے کر باؤجی تھے ـــــ

کئی بار اوما کو خیال آیا۔ باؤجی سے مالو کا حال کہیں ـــــ پھر سوچا باؤجی تو خود بھی کمزور ہیں۔ باؤجی کر ہی کیا سکتے ہیں ـــــ صبح تک امید تھی کہ مالو ٹھیک ہو جائے گی ـــــ مگر صبح تک مالو کی طبیعت بجائے ٹھیک ہونے کے اور خراب ہو گئی ـــــ

ایک بار تو ایسا ہوا کہ اوما ڈر گئی ـــــ مالو کی آنکھیں بند تھیں ـــــ اور وہ نیند میں جیسے کچھ بڑبڑا رہی تھی ـــــ سارا جسم کانپ رہا تھا۔

"مالو .... ارے او مالو ....."

"مالو .... میری بچی ...."

ارے .... آنکھیں کھول مالو ـــــ

ماں کا دل ـــــ اوما کے ہلانے ڈلانے پر بھی جب مالو نے آنکھیں نہیں کھولیں تو اوما روتی ہوئی باؤجی کے کمرے کی طرف بھاگی۔

" باؤجی !"

بالمکند بہو کی لرزتی آواز پر چونک کر بیٹھ گئے ـــــ

" بات کیا ہے، بہو ـــــ ؟"

" مالو کچھ بولتی نہیں باؤجی۔"

" ارے ..." کہتے ہوئے بوڑھا جسم سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آیا ـــــ کانپتا ہوا ہاتھ مالو کی پیشانی پر رکھا ـــــ پورا بدن پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔

بالمکند پریشان ہو گئے۔

" یہ کب سے جی خراب ہے ؟"

" کل رات سے باؤجی، دست آ رہا ہے ـــــ قے ہو رہا ہے۔ اتنی بار کہ میں پریشان ہو گئی۔"

" تم نے بتایا کیوں نہیں۔"

" آپ کو کیا بتاتی باؤجی، آپ تو خود ہی بیمار ہیں۔"

" اب کیا کروں۔"

بالمکند کمرے میں ٹہلنے لگے ـــــ اوما رونے لگی ـــــ مالو کا جسم اب بھی رہ رہ کر کانپ اٹھتا ـــــ بالمکند نے دیوار گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج گئے تھے۔ گھر میں نہ انیل تھا نہ نریندر ـــــ مرد کی شکل میں کوئی بھی نہیں ـــــ اور وہ جانگر سے کمزور ٹھہرے ـــــ کہیں سے کوئی غیبی مدد آ جاتی تو...!

ٹھیک اسی وقت دروازے پر آواز ہوئی ـــــ

" بھائی جوش میاں ـــــ ارے بھائی تشریف رکھتے ہو۔"

" برکت حسین۔"

وہ تیزی سے باہر لپکے۔ برکت حسین ہی تھے۔ برکت حسین جوش کے گھبرائے چہرے کو دیکھ کر ڈر گئے۔

" بات کیا ہے جوش میاں ؟"

" مالو کی طبیعت خراب ہے ـــــ گھر میں کوئی نہیں۔"

برکت حسین پھر رکے نہیں۔ اتنا پوچھا۔ ' پڑوس میں کوئی ٹیلیفون ہے یا نہیں ـــــ منا سے بات ہوئے زمانہ ہو چکا تھا۔ مگر اس وقت معاملہ دوسرا تھا۔ سامنے والی دوکان سے منا کو فون لگایا تو منا مل گیا۔ انہوں نے منا کو سب کام چھوڑ کر بالمکند میاں کے یہاں آ جانے کو کہا ـــــ آدھے گھنٹے کے اندر منا ڈاکٹر کو لے کر حاضر تھا۔ ڈاکٹر نے مالو کو چیک کیا۔ پھر بولے ـــــ اس کو تو

ڈائریا ہے ـــــــ جسم سے سارا پانی نکل گیا ہے۔ اس کو ابھی بھرتی کرنا ہوگا۔"

اوما رونے لگی۔

منا نے تسلی دی "گھبرایئے مت بھابی۔ ہم ہیں نا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

ڈاکٹر کا اپنا نرسنگ ہوم تھا ـــــــ منا لوٹ آیا۔

●●

سورج کا گولہ آگ برسا رہا تھا۔ گھر پر بالمکند اور برکت حسین رہ گئے تھے۔ دونوں بوڑھے خالی شطرنج نکالے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے ـــــــ منا کا انتظار تھا۔ طبیعت رہ رہ کر پریشان ہو اٹھتی۔ گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھیں۔

ایک بجے کے آس پاس منا آیا ـــــــ منا نے اطلاع دی .... کہ ابھی پانی چڑھ رہا ہے اور آج رات مالو کو نرسنگ ہوم میں ہی رہنا ہوگا ـــــــ فکر کی بات نہیں ہے۔ وہ شمیم کو بھی وہاں بھیج دے گا۔

●●

وہ رات قیامت کی رات تھی ـــــــ

مالو اب تک نرسنگ ہوم کے بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی ـــــــ پانی چڑھ رہا تھا ـــــــ صبح سے دوڑتے دوڑتے منا تھک چکا تھا۔ شام کو بالمکند اور برکت حسین بھی نرسنگ ہوم آئے تھے۔ منا نے پھر ان دونوں کو گھر پہنچا دیا ـــــــ اب سوال تھا، بچے کے پاس رات میں کون رہے گا ـــــــ اوما کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں ـــــــ

باہر ستاروں کا جھل مل ایک قافلہ تھا ـــــــ اوما دیوار سے خود کو ٹکائے دور تک تنی آسمانی چادر کو تک رہی تھی۔

منا ٹفن میں کھانا لے آیا ـــــــ اسٹول پر بیٹھی بیٹھی شمیم کی جھپکی لگ گئی تھی ـــــــ

اوما نے منا کو دیکھا ـــــــ

"کھانا لے آئے؟"

"ہاں بھابی ـــــــ آپ گھر چلئے، آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔"

اوما کو پس و پیش میں دیکھ کر منا دوبارہ بولا "گھبرایئے مت بھابی ـــــــ انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ نے چاہا تو صبح تک بھلی چنگی ہو جائے گی۔ یہاں ہم اور شمو تو ہیں۔ آپ چلئے ـــــــ"

اوما نے سامنے کھڑے فرشتے کو دیکھا، جسے بھگوان نے وقت پر مدد کے لئے بھیج دیا تھا۔

"بھیا، آپ ..... کیسے احسان اتاروں گی آپ کا ـــــــ"

اوما رونے رونے کو ہو گئی ـــــــ

"چلئے ـــــــ گھر پر چچا بھی اکیلے ہوں گے۔"

●●

وہ رات گزر گئی ـــــــ قیامت کی رات ـــــــ اوما گھر تو آ گئی، مگر دل وہیں مالو میں لگا تھا ـــــــ وہ بستر پر لیٹ تو گئی مگر دل اسی منا اور شمیم کی محبت میں الجھ کر رہ گیا تھا ـــــــ

یہ لوگ .... کون ہوتے ہیں اس کے؟ خون کا رشتہ بھی نہیں ہے۔ پھر ـــــــ صرف انسانی رشتہ کی مناسبت سے نا؟ وہ یہاں سو رہی ہے اور وہاں وہ اپنی نیندیں تباہ کر کے جاگ رہے ہوں گے ـــــــ کس کے لئے؟ غیر کی بچی کے لئے .... یہ غیر کیسے ایک دم سے اپنے بن جاتے ہیں ـــــــ جبکہ آج تو سارے رشتے غرض کی ڈور سے بندھے ہیں ـــــــ دوڑ دوڑ کر دوائی لانا۔ بھاگ بھاگ کر ڈاکٹر کے پاس جانا۔ اس کے پاس آ کر تسلی دینا۔ کون کسی کے لئے کرتا ہے آج کے سنسار میں اتنا ـــــــ

مالو کے لئے خطرہ اب بھی بنا ہوا تھا ——

چھوٹی سی بچی —— چہرے پر معصومیت، فرشتوں جیسی ——

مالو بے سُدھ سی پڑی ہے۔ منا دھیرے دھیرے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتا ہے۔ شمّو نیچے چادر بچھا کر سوگئی ہے —— کسی کسی بچّے کے چہرے پر کیسے دنیا جہان کا نور بھر دیتا ہے اللہ ——

مالو نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں .... پانی ——

منا نے دھیرے سے، ہاتھ کے سہارے سے گلاس اس کے ہونٹوں سے لگادیا۔

مالو پھر لیٹ گئی ——

منا نے راحت کی سانس لی —— بچی کے چہرے پر چھائی ہوئی شانتی اور معصومیت اسے بہت بھلی لگی —— وہ دھیرے دھیرے مالو کو تھپکنے لگا ——

مالو کو نیند آرہی تھی ——

دوسرے دن مالو خود کو پہلے سے بہتر محسوس کر رہی تھی۔ اس نے کھانے کے لئے بھی مانگا۔ ممی پاپا کے بارے میں پوچھا —— ڈاکٹر نے بتایا کہ اب وہ خطرے سے باہر ہے اور آپ اسے لے کر گھر جاسکتے ہیں۔

مالو گھر آگئی ——

منا نے اجازت مانگی تو مالو نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

"رک جائیے انکل ——"

اوما بولی —— "ہاں، رک جائیے نا بھائی صاحب۔ ناشتہ وغیرہ کھاکر جائیے۔"

بالمکند شرما نے غور سے منا کا چہرہ دیکھا ——

منا نے مالو کا سر پیار سے تھپتھپایا۔

"بس تم اچھی ہوجاؤ بیٹا۔ ہم آتے رہیں گے۔"

●●

شام تک مالو بالکل صحت مند ہوگئی۔ چہرے پر رونق آگئی۔ بولنے بھی لگی —— اس کی چہچہاہٹ پھر سے لوٹ آئی ——

مالو نے پوچھا۔

"انکل نہیں آئے؟"

"ہاں ممی —— انکل بہت اچھے ہیں۔ انکل تو ساری رات جاگتے رہے۔"

"تم بھی جاگتی رہی ہو؟"

"میں تو سوگئی تھی۔"

مالو معصومیت سے بولی —— "پر نیند جب بھی ٹوٹتی انکل سر سہلا رہے ہوتے۔"

اوما نے مالو کی پیشانی سہلائی "ہاں، انکل اچھے ہیں .... بہت اچھے۔ پر ابھی زیادہ بات مت کر —— آج بھر آرام کرلے۔ کل سے جتنی مرضی اچھلنا کودنا۔"

"اچھا ممی ——"

مالو نے دھیرے سے آنکھیں موند لیں —— "لو سوگئی!"

اوما اس کی ادا پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی ——

(۴)

ریلی کا ہنگامہ سماپت (ختم)، ہوجانے پر پانچوں، تلکانی، سیندھورائے، ڈاکٹر نریندر، نیل کنٹھ اور نریندر رایک، کاریہ کرتا کے یہاں جمع ہوئے —— تلکانی باہر ہوگئے تھے۔ منا کی بغاوت کے بارے میں سن کر وہ چپ تھے۔ من ہی من کچھ سوچ وچار کر رہے تھے۔ مہانگری اگر پارٹی نیتاؤں سے ملنے کے بعد ایک طرف جہاں وہ وجے لکچھ (جیت کی منزل) کی دشا میں بڑھنے پر خوش تھے، وہیں شہر میں ان کی کریا کلاپوں پر پارٹی نیتاؤں کی پرتیکریا (REACTION) سے فکرمند بھی تھے۔

ڈاکٹر نریندر بولے۔ سب کئے کرائے پر پانی پھر رہا ہے۔ جب پارٹی کے لوگ

ہی ہم سے ناخوش ہیں تو .... "

نلکانی اپنی پرانی بات پر جمے تھے .... ہم ایک چھوٹا موٹا فساد نہیں کرا پائے — سدھندو رائے بیڑی کا کش کھینچتے رہے —

ڈاکٹر نویندو غصے سے اُبلے — "جانتے ہیں انھوں نے کیا کہا۔ پارٹی ٹکٹ بھی چاہئے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے بھی رہیں گے آپ لوگ۔ اس سے کہیں پارٹی کا ہاتھ مضبوط ہوتا ہے۔"

"تو کیسے مضبوط ہوتا ہے" نلکانی بھی تاؤ کھا گئے — سب سے ادھک چنتا تمہیں ہے ڈاکٹر نویندو۔ اس لیے کہ ٹکٹ کے اصلی بھاگیدار تو تم ہو۔ کیوں ؟ "

نویندو اچھل پڑے۔ "مطلب ؟ آپ کا مطلب ؟ "

سدھندو رائے بس چپ چپ بیڑی کھینچتے رہے —

نیل کنٹھ اور نریندر چونک پڑے —

نلکانی اپنی مہین آواز میں بولے — ہم تو بس بیکار پڑے ہیں — جتنا ہم سے بنتا ہے سو ہم کرتے ہیں۔ آگے کی چنتا اسے ہو جسے ٹکٹ ملنا ہے —

سدھندو رائے نے چپل سے بیڑی مسل دی "نلکانی جی ! یہ سمئے آپسی جھگڑے کا نہیں ہے —"

نریندر بولا۔ پارٹی نیتاؤں نے یدی ہماری آلوچنا کی ہے تو کون سا غلط کیا ہے —

"ہم اپنے چھیتر میں پارٹی کو مضبوط بھی کرنا چاہتے ہیں اور اب تک ہماری کوئی بھی راجنیتک چال سپھل نہیں رہی۔"

ڈاکٹر نویندو ملائمت سے بولے — آپ غلط سمجھتے ہیں ہمیں نلکانی جی — ٹکٹ آپ چاہیں تو بے شک آپ لے لیں۔ لیکن آپس میں یہ من مٹاؤ نہیں ہونا چاہئے۔

نلکانی تھوڑا نرم پڑے۔ نہیں معاملہ ٹکٹ کا نہیں ہے۔ خیر چھوڑو۔ میرا بھی سر گھوم گیا تھا — کیا کروں۔ ویسے سمجھتے ہیں۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں ہم نے کیا کچھ نہیں کیا۔ پھر بھی اسپھل کے اسپھل رہے —

دل چھوٹا مت کیجئے۔ ڈاکٹر نویندو پلٹ کر مسکرائے۔ رات ہماری ہے۔ واپسی کل ہے۔ آپ کہیں تو آج جشن ہو جائے۔ آج آپ کو بہترین وہسکی پلواتا ہوں۔

نیل کنٹھ بولا۔ ہماری بھی پسند کا خیال رکھئے گا۔ چناؤ میں ہم ہی کام آئیں گے۔

"کیوں نہیں۔"

ڈاکٹر نویندو اٹھ کھڑے ہوئے — باہر ٹیکسی کھڑی تھی۔ پانچوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے —

●●

پینے پلانے کے بعد رات ۹ بجے تک یہ ہوٹل میں لوٹ آئے — ہر ایک کو تھوڑا بہت نشہ چڑھا ہوا تھا۔ مگر طے یہ پایا تھا کہ آج رات ہی کل ملا کر یہ اپنے آگے کی اسٹریٹجی طے کریں گے —

نلکانی کچھ زیادہ ہی لڑکھڑا رہے تھے —

"سنبھلئے۔ ارے سنبھلئے صاحب"

ڈاکٹر نویندو نے انھیں کرسی پر بیٹھا دیا۔

"ایک ہی راستہ ہے"

نلکانی مسکرائے — متا کو مروا دو —

نریندر اور نیل کنٹھ ایکدم سے چونک پڑے۔ جبکہ سدھندو رائے ایک دوسری بیڑی جلا کر چپ چاپ کش کھینچتے رہے۔

"اور یہ کام تم کرو گے ؟" انھوں نے نیل کنٹھ اور نریندر کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں ؟"

نلکانی بولے — اس پر ادھک سوچ وچار کا سمئے نہیں — بس یہی ہم نے طے کیا ہے۔

دونوں نے چونک کر ڈاکٹر نویندو کو دیکھا۔ ڈاکٹر نویندو نے دھیرے سے

اپنی گردن ہاں میں ہلادی۔

"یعنی؟"

"مطلب مت پوچھو نریندر ——" نلکانی اب بھی نشے میں جھوم رہے تھے "سمجھے کم ہے ——"

"لیکن ہتیا ——"

نلکانی سرک گئے۔ 'تم اسے ہتیا کہتے ہو —— دھرم کے کام میں ہتیا، اپرادھ جیسے شبد نہیں ہوتے۔ یہ دھرم کا کام ہے۔ پارٹی کا تو ہے ہی۔ پارٹی سے بڑھ کر دھرم کا ہے —— اور دھرم نے ستیہ کے لیے کیے گئے یدھ کو کبھی غلط نہیں کہا۔

یاد ہے ارجن نے آمنے سامنے کھڑی سینا کو دیکھ کر شری کرشن سے کیا کہا تھا ——

ہے واسدیو، ہے شری کرشن، یدھ کے ابھیلاشی اس سموداے (بھیڑ) کو دیکھ کر میرے انگ (اعضا) شتھل (ٹھنڈے) پڑ گئے ہیں —— مکھ سوکھا جا رہا ہے۔ میرے شریر میں کمپن اور رومانچ ہو رہا ہے۔ ہاتھ سے گانڈیو دھنش چھوٹا جا رہا ہے۔ توچا جل رہی ہے۔ ہے واسدیو۔ یدھ میں اپنے ہی لوگوں کو مار کر میں اپنا کلیان نہیں دیکھتا ہوں۔ ہے کرشن۔ میں وجے نہیں چاہتا۔ میں راجیہ اور سکھ نہیں چاہتا۔ ہے گووند.... مجھے راجیہ، بھوگ اور جیون سے کیا واسطہ؟ ہمیں جن کے لیے راجیہ بھوگ اور جیون چاہیے، وے ہی دھن اور پران چھوڑ کر یدھ میں کھڑے ہیں —— آچاریہ، تاؤ، چاچا، بھائی، بندھو، دادا، ماما، سسر، ہے مدھوسودن! تین لوکوں کے راجیہ کے لیے بھی میں انھیں مارنا نہیں چاہتا —— ہے جناردن، دھرت راشٹر کے پتروں کو مار کر ہمیں کیا ملے گا۔

نلکانی بولتے بولتے لڑکھڑائے۔ یاد کرو پھر واسدیو نے کیا کہا تھا...... شری کرشن ارجن کے کتھن کو آتما کی دُربلتا مانتے تھے —— انھوں نے سمجھایا۔ دیہہ (جسم) ناشوان ہے۔ اسے نشٹ ہونا ہے۔ مرتیو کے سمبندھ میں شوک کرنا نرر تھک ہے۔ یہ اگر تیرے

بھائی ہوتے تو رن بھومی میں تم سے ملنے کیوں آتے —— انھوں نے ارجن کی نندا کی کہ وہ دھرم یدھ سے بھاگ رہا تھا ——

نلکانی کی آواز میں اب بھی لڑکھڑاہٹ تھی۔ نریندر، اس لیے یہ بھی دھرم یدھ ہے۔ یہ ہمارا دیش ہے پرنتو ہمارا نہیں لگتا۔ ہم جیسے چاہتے ہیں، ویسے اس کو بنا کر نہیں رکھ سکتے۔ ہم آپس میں بھی لڑتے رہتے ہیں۔ اتنو ہمیں لڑایا جاتا رہا ہے —— ہماری بدھی بھرشٹ ہو گئی ہے —— ہم ایک گئو ہتیا تک نہیں بند کرا سکے —— ہم کچھ کہتے ہیں تو آیوگ، ابھیوگ کے چکر میں پڑتے ہیں۔ ہم سے ادھک مہا مورکھ کون ہوگا نریندر ——؟

اب ایک اوسر (موقع) ملا ہے ہمیں —— اتیت جیسا بھی بیت گیا پرورتمان سامنے ہے —— ہم اپنے بھوش (مستقبل) کو اپنے طور پر آکار دیں گے ——

کیوں نریندر —— یدھ میں نشور شریر کے بارے میں سوچنا بھی مورکھتا ہے۔ ایک نشور دیہہ یدی مرتیو کو پراپت ہو کر ہمیں کچھ دے سکتا ہے، تو یہی ہماری سپھلتا ہے ——"

نیل کنٹھ نے سگریٹ جلائی۔ وہ سوچ میں ڈوب گیا.... تو کیا اس کے لیے ہمیں اپنا ہاتھ خون سے رنگنا ہوگا ——

"پھر وہی مورکھتا۔ نلکانی بولے۔ پانی پیتے ہو کہ نہیں۔ جل میں دکھائی نہیں پڑنے والے اسنکھ جیو تیرتے ہوتے ہیں۔ بھوجن کے ساتھ ہم کتنے جیو کو نوالہ بنا لیتے ہیں۔ چلتے پھرتے ہمارے پاؤں کے نیچے کتنے ہی جیو آکر کچل جاتے ہیں —— کبھی کبھی شانتی کے لیے بھی یدھ کرنا پڑتا ہے اور یہ اوسر ہے ایک لمبے سمئے کے بعد پراپت ہونے والے شبھ اوسر کا —— یدی ہم اس بار بھی پرشنوں میں الجھ گئے تو پھر ہماری جڑیں اس بھومی سے سماپت ہونے میں سمئے نہیں لگے گا ——"

نلکانی نریندر کی طرف گھومے۔ نریندر۔ واستوکتا (حقیقت) یہ ہے کہ چاروں

میں تو ہیں بھی اس بچے سے پریم ہو گیا ہے۔ بھیتر سے اچھائی ہے ــــــ بولنے میں سنکوچ کرتا ہے ــــــ ہمیں بھی اچھا لگتا ہے وہ۔ لیکن اچھا لگنے سے کیا ہوتا ہے۔ دشرتھ کی اچھا تھی کہ رام کو چودہ ورشوں کے بن واس پر بھیج دیا جائے۔ یہ سب بھگوان کراتا ہے نریندر ــــــ اب تم بھی سنکوچ مت کرو ــــــ"

رات ڈوبتی جا رہی تھی۔ نشہ گہرا ہوا جا رہا تھا۔ نلکانی کی آنکھوں میں نشے کے ڈورے کچھ زیادہ ہی گہرے ہوتے جا رہے تھے ــــــ ڈاکٹر نویندو چت لیٹ گئے تھے ــــــ ذرا دیر میں ان کے خراٹے بھی گونجنے لگے ــــــ

نریندر نیل کنٹھ کو لے کر ہوٹل کی بالکنی میں آ گیا ــــــ اندر ایک بھیانک طوفان مچا ہوا تھا ــــــ دونوں ہی خاموش تھے اور ہوٹل کے سامنے کی جھل مل، جھل مل کرتی روشنیوں کو تک رہے تھے۔

(۳)

نریندر گھر آیا تو جیسے چاروں طرف منّا کے نام کے کیسٹ بج رہے تھے۔ باؤجی ہوں، اوما یا مالو.... سب کے ہونٹوں پر منا کا نام ایسے سجا تھا جیسے فرشتوں یا بھگوان کا سجتا ہو ــــــ

مخالف حالات ــــــ ہم سوچتے کچھ ہیں اور حالات آنکھوں پر پٹی چڑھا کر کچھ کرنے کے لئے مجبور کر دیتے ہیں ــــــ

اوما کی نظروں میں بھائی صاحب کا درجہ کچھ اتنا بڑھ گیا تھا کہ آدر، احترام اور عقیدت کے چرنوں کو چھو گیا تھا۔ بھائی صاحب نے یہ کیا.... بھائی صاحب نے وہ کیا ــــــ وہ تو بھگوان نے فرشتے کو بھیج دیا۔ کیا بتاؤں۔ کیسی طبیعت ہو گئی تھی مالو کی۔ کیسے کیسے کر رہی تھی ــــــ بھابی تھیں اور بھائی صاحب تھے۔ ساری رات اسپتال میں وہی

جاگتے رہے۔ ہمیں کچھ کرنے ہی نہیں دیا۔

اوما بولی ــــــ 'جاؤ مل آؤ نا۔ برکت چاچا کے یہاں ــــــ

برکت چاچا!

نریندر کے لئے یہ چونکنے کا مقام تھا۔ کہاں تو بڈھے کے گھر میں گھستے ہی اوما ناک بھوں چڑھاتی تھی ــــــ غصے میں ابل پڑتی تھی.... اب باؤجی چائے کے لئے تنگ کریں گے۔ ہاں بڑے میاں کو بھی گھر پر نہ کام نہ دھندہ۔ بس چلے آتے ہیں ہمیں پریشان کرنے ــــــ ان داڑھی والوں اور ٹوپی والے ملاؤں سے تو اوما کو جنم واسطے کا بیر تھا۔

مگر اچانک ــــــ....

"برکت چاچا...." نریندر مسکرایا ــــــ 'ایک ہی دن میں بڑے میاں چاچا بن گئے۔

اوما چپ نہیں بیٹھی، جھٹ سے جواب دیا۔ آنکھیں کھلنے کیلئے دن اور رنگ کیا ایک پل کافی ہے ــــــ سوچ بھی رہی تھی۔ تم سے کچھ کہوں گی، باتیں کروں گی

"کیا؟"

"غصہ نہیں کرو گے تب بولوں گی۔"

'غصے والی بات ہو گی تو کروں گا ہی ــــــ"

"تب نہیں بولتی ــــــ"

"بولو نا، کیا خوشامد کرا رہی ہو ــــــ"

"اچھا بولتی ہوں ــــــ راج نیتی چھوڑ کیوں نہیں دیتے ــــــ بزنس میں دل لگاؤ یا جس میں تمہارا دل لگے۔"

"صاف صاف کیوں نہیں کہتی ــــــ"

اوما کو جھٹکا لگا ــــــ "ایک بات بتاؤں۔ کل سے باؤجی سے بھی بہت پریم بڑھ گیا ہے ــــــ"

"پہلے نہیں تھا کیا؟"

"تھا کیوں نہیں ــــ لیکن اتنا نہیں تھا ــــ ہاں سنو ــــ"

نریندر نے گھور کر دیکھا ــــ "ایسا کیا کر دیا اس نے کہ تم سب پر جادو ہی کر دیا۔ ارے بیماری اور دکھ سکھ میں پاس پڑوس والے تو کام آتے ہی ہیں۔ اس میں انوکھا کیا ہے۔"

"انوکھا میں نہیں جانتی ــــ اس نے میرے مالو کی جان بچائی ہے۔ بس اتنا جانتی ہوں۔ اور اتنا جاننے سے کئی اور باتیں بھی صاف ہو گئی ہیں۔"

"جیسے؟"

"جیسے مسلمان برے نہیں ہوتے ــــ ہماری اماں بھی مسلمانوں کو برا کہتی تھیں۔ ڈرتی تھیں۔ سب من کا میل ہے نریندر ــــ بچپن سے بھیتر بیٹھا یا گیا ڈر۔ کیوں، اب بھائی صاحب کو ہی لو ــــ"

"بھائی صاحب ــــ" نریندر کو غصہ آ گیا ــــ

اوما اپنی دھن میں کہتی گئی۔ بچپن میں کیسی کیسی باتیں سنتی تھی۔ میاں جی کے محلے میں جاؤ تو مار دیتے ہیں۔ شیروانی اور کرتے کے اندر چاقو اور چھرا چھپا کر رکھتے ہیں ــــ نہاتے نہیں ہیں ــــ تلوار کے زور پر مسلمان بناتے ہیں ــــ چالے مندروں کو توڑتے ہیں ــــ"

"تم نے راج نیتی چھوڑنے کی بات کیوں کی؟"

"سچی بولوں تو پھر بگڑ جاؤ گے ــــ"

"مت بولو۔ سمجھ گیا، تم پاگل ہو گئی ہو ــــ کوری بھاوکتا (جذبات) میں بہہ گئی ہو۔"

"نا ــــ پر یہ وشواش ہوا ہے کہ جو راج نیتی فرق پیدا کرتی ہے وہ غلط ہے ــــ جو نفرت سکھاتی ہو وہ غلط ہے ــــ جو بھید بھاؤ اور ذات پات پھیلاتی ہو وہ غلط ہے ــــ"

نریندر کو غصہ آ گیا ــــ "یہ آدرش وادیوں والی بات چھوڑو، کیا غلط ہے اور کیا صحیح ہے۔ یہ سوچنا مجھے بھی آتا ہے۔"

اوما کو برا لگا۔ "تمہاری جگہ کوئی دوسرا باپ ہوتا تو وہ بھائی صاحب کا دھنیواد دینے ضرور جاتا۔ اور ایک تم ہو۔ یہاں بیٹھے ناراض ہو رہے ہو۔"

مالو اسکول کی کاپی کھولے پاپا پاپا کہتی ہوئی اندر آ گئی۔

"کیا ہے؟"

"یہ MATH دیکھنا پاپا۔"

نریندر نے کاپی دیکھی ــــ 'ٹھیک ہے۔ اب جاؤ کھیلو!'

"انکل ــــ؟"

نریندر نے چونک کر اوما کو دیکھا۔

اوما مسکرائی۔ 'بھائی صاحب کو کہہ رہی ہے'

"ہم انکل کے یہاں کب جائیں گے پاپا؟" مالو پیار سے پوچھ رہی تھی۔

نریندر پوری طاقت سے غصہ ہوا ــــ ابھی ماتھا مت چاٹو ــــ ابھی جاؤ، پڑھو۔"

مالو سہم گئی۔ نریندر کو احساس ہوا۔ بیٹی پر اتنے زور سے بگڑنا نہیں چاہیے تھا۔

"سنو مالو ــــ" اس نے آواز میں نرمی پیدا کی ــــ "چلیں گے بیٹا۔ ابھی ہم تھکے ہوئے ہیں نا ــــ چلیں گے ــــ"

لیکن اس کی نرمی کے باوجود مالو اب تک سہمی ہوئی تھی ــــ وہ پھر رکی نہیں، تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

●●

نریندر سگریٹ کبھی کبھار ہی پیتا تھا۔ بالکنی پر آ کر اس نے سگریٹ سلگا لیا ــــ سگریٹ کے لمبے لمبے کش کھینچنے لگا۔ ... لگا آنکھوں میں ڈھیر سی پرچھائیاں سمٹ رہی ہوں۔ ... یہاں ان تین چار دنوں میں جیسے کوئی معجزہ ہو گیا۔ کوئی کرشمہ ہو گیا ــــ اور یہاں .... اس کے ذہن میں لگاتار دھماکے ہو رہے تھے ــــ

جیسے ڈھیر سارے بم، گولے چھوٹ رہے ہوں۔ آنکھوں کے آگے نلکانی کا چہرہ بار بار ابھر رہا تھا..... تم اسے ہتیا کہتے ہو۔ دھرم کے کام میں ہتیا، اپرادھ جیسے شبد نہیں ہوتے..... دھرم نے ستیہ کیلئے کئے گئے یدھ کو کبھی غلط نہیں کہا۔
اسے محسوس ہوا.... نلکانی نے ایک بھرا ہوا پستول اسکی کھلی ہتھیلیوں کی طرف بڑھایا ہو...

"لو.... شاباش ——"

اُس نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ آگے کر دیا ——

●●

خدا حافظ

ان چند دنوں میں بہت کچھ ٹوٹا تھا اور بہت کچھ بنا تھا۔ بہت سے پُرانے خیالات غلط ثابت ہوئے تھے اور ذہن کے بند گوشوں پر نئے خیالات نے اپنا قبضہ جمایا تھا —— مالو کی بیماری کے بعد اوما اور شمیم جیسے سہیلیاں بن گئیں۔ مالو چھوٹی سی نشی کو بہت چاہنے لگی۔ وہ گھر پر بھی ہوتی تو ماں سے نشی کے بارے میں پوچھتی رہتی۔ وہ کیا کھا رہی ہوگی؟ رو رہی ہوگی؟ —— کسی چیز کے لئے ضد کر رہی ہوگی....

ان چند دنوں میں سب سے بڑی تبدیلی اوما میں آئی تھی —— بھائی صاحب نے صرف اوما کا دل ہی نہیں جیتا تھا بلکہ اوما تو پوری طرح سے بھائی صاحب کی بھگت بن گئی تھی —— وہ اوما، جو چھوا چھوت کے بیچ پلی بڑھی تھی۔ مجال کہ کسی مسلم گھرانے میں کھانا کھالے یا گلاس میں پانی پی لے —— گھر پر بھی کوئی 'ملاّ' آجاتا تو وہ برتن دیکھ بھال کر دیتی یا پھر واپس آنے پر رسوئی میں کنارے رکھ دیتی اور خوب صاف کراتی۔ وہی اوما، سوچ کے 'دہرا تل' پر اب پرمپراؤں کے کتنے ہی پرانے کپڑے اتارنے پر تیار ہو گئی تھی۔

سچ کیا ہے؟

زندگی میں کبھی اسے، اس سامنے کے سچ کو سویکارنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی —— پرمپرائیں رسم و رواج سب اپنی جگہ ہیں اور ملنا جلنا اپنی جگہ —— اور ملنے جلنے میں دھرم کا ستیا ناس تو نہیں کیا جا سکتا۔ وہی اوما اب نئے سرے سے سوچ رہی تھی۔ اوما سمٹے بدلا ہے۔ جو فرشتے سمٹے پر تیری مدد کو آئے۔ وے کون تھے؟ وہ بھی تیرے اپنے تھے اوما —— اوما کا دل کچھ سوچ کر کھٹا ہو جاتا۔ ناحق چاروں طرف آگ پھیلی ہے۔ ان آگ پھیلانے والوں کے لئے اس کے من میں کافی غصہ بھرا تھا۔

اب وہ مزے سے شمیم کے یہاں کھا پی بھی لیتی —— بلکہ مانگ بھی لیتی۔ سویاں نہیں پکی ہیں —— مجھے پلاؤ بنانا سکھا دو —— شیرمال روٹی، حلوہ سوہن —— باؤجی کو کھلاؤں گی۔ وہ خوش ہو جائیں گے۔

●●

ادھر چند دنوں میں، بالمکند شرما جوش کی صحت پر بھی کافی اثر پڑا تھا —— حالات نے دماغ پر بھی اثر ڈالا تھا —— کئی دنوں سے کیفیت یہ تھی کہ کسی سے باتیں نہیں کرتے تھے۔ بلکہ چپ چاپ بت بنے رہتے —— بہت بہت یہی ہوتا کہ اپنی کتابوں کو، برسوں میں جمع کی گئی کتابوں کو آہ بھر کر دیکھا کرتے —— کسی کسی نادر کتاب کو نکال کر انگلیوں سے سہلایا کرتے پھر میز پر بیٹھ کر کچھ لکھنے کی کوشش کرتے مگر ذہن میں اس قدر ہلچل مچی ہوتی کہ کچھ بھی لکھ نہیں پاتے —— غصہ آتا تو کاغذ مروڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیتے۔ اب کاغذ کی موڑی گئی ایسی کتنی ہی تھیلیاں ڈسٹ بن میں جمع ہو گئی تھیں....
کبھی کبھی ٹہل ٹہل کر کسی پرانے شعر کو یاد کرنے کی کوشش کرتے مگر حالات نے حافظے پر بھی اثر ڈالا تھا....

آنکھوں میں آنسو آجاتے تو گنگناتے....

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں ——
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں ——

آواز بھاری ہو جاتی تو دروازے پر پڑنے والی تھاپوں پر کان لگاتے ——
کئی دن ہو گئے ۔ برکت حسین نہیں آئے —— بھائی برکت حسین ۔ اب تو یہ پردہ بس اٹھا چاہتا ہے —— آخری دیدار نہیں کروگے میاں .... بس اب ستاؤ نہیں میاں ۔ آجاؤ —— نہیں آتے ۔ جاؤ مت آؤ —— یہ آندھیاں تو سبھی چراغ گل کئے دے رہی ہیں —— اب تم کیا آؤ گے میاں ۔ اب ہم بھی چلے —— اب یہاں سے جی روٹھ گیا میاں ۔

خالی بساط نکال کر بیٹھ جاتے —— یادوں کی آندھیاں چلتیں تو خالی بساط پر ٹپ سے کوئی آنسو کا قطرہ گر پڑتا ۔ مگر وہاں اس زخمی قطرے کا پرسان حال ہی کون ہوتا ——

انیل اور نریندر کو بھی لگ رہا تھا کہ اب باؤجی کی 'چلی چلی' ہے —— یہ خاموشی اچھی نہیں ——

انیل کو غصہ آتا تھا —— باؤجی خود تو چلے جائیں گے اور جائیداد کے لئے ہمیں لڑنے مرنے کو چھوڑ دیں گے ——

نریندر کو غصہ کم آتا تھا ۔ لیکن نریندر بھی یہی سوچ رہا تھا ۔ باؤجی اپنی زندگی میں اگر بٹوارہ کر دیتے تو کیا بگڑتا —— اور باؤجی تھے کہ بٹوارے کے نام پر دونوں کا چہرہ ٹکر ٹکر گھورتے ۔ پھر ایک مایوس کن سانس چھوڑ کر لیٹ جاتے —— کہ میاں ، بٹوارے کے بعد بھی ، کون جانے ، تم آپس میں مل کر رہتے ہو یا ایک دوسرے سے جھگڑتے ہو ، پھر بٹوارہ کیا کرنا ۔ آگے کا خدا حافظ ——

● ●

اور سچ مچ اس مکان کا خدا حافظ تھا ۔ باؤجی کے بیٹھکے پر انیل کی نظر تھی ۔ وہ اسے اپنا بزنس چیمبر بنانا چاہتا تھا —— وہ باؤجی کے کمرے میں جب بھی آتا ۔ خالی پڑے SPACE کو دیکھ کر سوچا کرتا .... صوفے کہاں لگیں گے VISITORS کے بیٹھنے کی جگہ کون سی ہوگی —— فائلیں کہاں رکھی جائیں گی ....

باہر کے حصے پر نریندر کی نظر تھی —— پارٹی میں اپنا اثر و رسوخ اور دبدبہ قائم کرنے

کے لئے وہ یہ جگہ پارٹی آفس کے نام کرنا چاہتا تھا ۔ اور یہ بات اسے بخوبی پتہ تھی کہ باؤجی کی زندگی تک یہ ممکن نہیں —— ایک دو بار اس سلسلے میں اس نے دبی زبان میں باؤجی سے بات کرنے کی کوشش کی تو باؤجی نے ایسے دیکھا جیسے وہ ان کی موت کا سودا کرنے آیا ہو —— پھر اس کی ہمت نہیں ہوئی ——

شہر کے آسمان پر فرقہ واریت کے گدھ لگاتار گھوم رہے تھے ——

(۲)

شام کی پرچھائیوں نے شہر کو ڈھک لیا تھا ۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب دفتر کے اوقات ختم ہوتے ہیں اور تھکے ہارے لوگوں کا قافلہ دفتروں سے نکلتا ہے اور سڑکوں کی طرف کوچ کرتا ہے ۔ چائے خانوں اور پان کی دکانوں پر رونق آجاتی ہے ۔ چوراہوں پر رکشے ، ٹم ٹم والے اور راوٹوں والے کے ہنگامے گونجنے لگتے ہیں —— جھنڈ کے جھنڈ لوگ دفتروں سے باہر نکلتے ہیں اور ایک دوسرے سے باتیں کرتے ، قہقہے چھوڑتے ، گھر کی طرف چل پڑتے ہیں ——

دفتر کب کا اٹھ چکا تھا ۔ لیکن آج منّا کے نصیب میں کچھ زیادہ ہی کام تھا ۔ کچھ واؤچر چیک کرنے تھے ۔ کچھ حساب جوڑنے تھے ۔ اس لئے دوسرے ساتھیوں کے جانے کے بعد بھی وہ اپنی جگہ بیٹھا تھا اور فائلیں چیک کرتا رہا —— آج صبح سے ہی منّا کا دل دھک دھک کر رہا تھا ۔ صبح میں اٹھنے کے بعد پتہ نہیں کیا جی چاہا کہ نشی کو اٹھا کر خوب خوب پیار کرنے لگا ۔

شمیم نے ٹوکا ۔ آج دفتر مت جائیے ۔

منّا کے دل میں پھر سے ہلچل ہوئی ——

"کیوں نہیں جاؤں ؟ "

"ایک دن نہیں جانے سے کا ہوگا ؟ "

"نہیں جانے کی کچھ تو وجہ ہونی چاہئے ۔"

"بھرا بھرا اچھا لگتا ہے...."
شمیم کہتے کہتے رُک گئی ______

"نہیں جانا ضروری ہے ______"

مُنّا دفتر تو آ گیا۔ لیکن شمیم کی کہی گئی بات اسے بار بار یاد آ رہی تھی۔ ایک دن نہیں جاتا تو کیا ہو جاتا ______ گھر میں رہتا۔ بیوی بچوں کے سنگ ______ دل کا دھڑکنا بدستور جاری تھا ______

●●

بجلی آفس کے ٹھیک سامنے، سڑک کے اس پار چائے اور پان کی دکان پاس پاس تھی۔ دکان کے پاس رکشے والے 'چوک'، 'چوک'، چلاتے ہوئے آدمیوں کے ہجوم کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس ہجوم میں سے ایک آدمی نکلا۔ چارخانے کی لنگی پہنے۔ ایک چور ملیدہ کرتا پہنے اور سر پر گول ٹوپی ______ قد ٹھگنا۔ وہ سامنے سے آتے ہوئے رکشہ والے سے ٹکراتے ٹکراتے بچا ______ پھر پان والے کی دکان کے پاس کھڑا ہو گیا ______ وہ کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جس پر بہت دھیان دیا جاتا یا اس کی حرکتوں پر غور کیا جاتا ______ اس کی نظر بھی آفس کے گیٹ پر ٹکی تھی ______ دیکھنے میں بس وہ ایک عام سا مُلّا نظر آ رہا تھا۔

کافی دیر کے بعد گیٹ پر مُنّا کا چہرہ نظر آیا۔ چہرے سے وہ بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ مُنّا گیٹ پر ایک لمحے کو ٹھہرا۔ پھر دائیں طرف مڑ گیا۔
رکشے والے اب بھی چیخ رہے تھے.... چوک چلو چوک چلو۔
ایک نے پوچھا ______
"چوک چلنا ہے بابوجی"
"نہیں"
مُنّا نے سر ہلا دیا ______

اور دیکھتے دیکھتے سڑک پر ہنگامہ مچ گیا ______ چیختا تڑپتا ہوا مُنّا زمین پر گر پڑا۔ کچھ لوگوں نے تیزی سے لنگی اور ٹوپی پہنے، مُلّا کو بھاگتے ہوئے گلی میں دیکھا تھا۔
سڑک پر افراتفری مچ گئی ______ شہر کی فضا مہینوں سے خراب تھی۔ اس لئے کسی نے بھی جائے واردات پر رُکنا مناسب نہیں سمجھا۔ جس کو جہاں موقع مل رہا تھا تیزی سے بھاگ رہا تھا ______
دکانوں کے شٹر جلدی جلدی گرنے لگے۔
کچھ ہی دیر میں پولس کا سائرن بھی سڑک پر گونجنے لگا ______

●●

نیل کنٹھ کی جیپ تیزی سے نلکانی کے گھر پر رُکی۔ نریندر اور نیل کنٹھ جیپ سے اتر کر تیز تیز گھر کے اندر بڑھ گئے ______
نریندر کا چہرہ مُتا ہوا لگ رہا تھا۔
نیل کنٹھ کے چہرے پر بھی تھکاوٹ کے آثار تھے ______
"پریشان ہو!"
"نلکانی نے گلاس آگے بڑھایا۔"
"ہاں ______"
مُلّا کہاں گیا ______؟
"اُسے دو چار دن کے لئے لاپتہ کرنے کا انتظام ہو گیا ہے۔ پکڑا گیا تو باقی معاملات بعد میں سنبھال لیے جائیں گے ______"
"ہونہہ ______"
نلکانی نے ٹھنڈی سانس بھری۔
"ڈاکٹر نویندو سے ملے؟"
"نہیں ______"
"عام مسلمانوں کی کیا پرتیکریا REACTION ہے؟"

نیل کنٹھ نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا ـــــ "یہ خبر پھیل چکی ہے کہ کسی مولوی نے مارا ہے ـــــ کیوں مارا ہے کا جواب اتنا ہے کہ اپنے مذہب کا ہوتے ہوئے بھی منّا اپنے مذہب کے خلاف لوگوں کو بھڑکا رہا تھا ـــــ سبھی منّا کے خلاف ہو رہے تھے۔ اس لئے منّا کے مارے جانے کا کسی کو غم نہیں ہے ـــــ"

نیل کنٹھ چپ ہوا تو نلکانی نے اسے غور سے دیکھا۔ نلکانی کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ اس کے برخلاف چہرے پر ایک ہلکی سی اداسی دیکھی جا سکتی تھی۔۔۔۔

"بیچارہ ـــــ" وہ دھیرے سے بڑبڑائے ـــــ "یہ خبر ہم پانچ لوگوں کو ہے۔ ہمیں۔ تم دونوں کو۔ سیندھوا اور ڈاکٹر نویندو ـــــ پارٹی کاریہ کرتاؤں میں اس کا REACTION کیا ہے؟"

نیل کنٹھ بولا ـــــ میں کچھ سے مل کر آ رہا ہوں۔ سب جگہ آکروش ہے ـــــ'

"اور شہر کا واتاورن؟"

نریندر دھیرے سے بولا ـــــ

"کیا جو ہو گیا ہے وہ کافی نہیں ہے۔"

اُس کی آواز دم توڑتی ہوئی تھی ـــــ

نلکانی چونک گئے ـــــ نریندر۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو نریندر؟'

نیل کنٹھ نے دیکھا۔ نریندر کے چہرے پر ایک عجیب سا پیلا پن خوف کی طرح چھایا تھا۔

نلکانی ٹھہر کر بولے "پانی پیو ـــــ تم کیا سوچتے ہو نریندر۔ ہمیں کوئی خوشی ہے ایسا کرتے ہوئے ہمیں سکھ ملا ہے ـــــ ارے بھائی تھا ہمارا وہ۔ ان چند دنوں میں جگری یار بن گیا تھا اپنا ـــــ نریندر ہم کوئی دشمن تھے اس کے۔ ـــــ کیوں نیل کنٹھ ـــــ"

نلکانی کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے ـــــ" تم کیا جانو نریندر۔ میں اُسے کتنا ماننے لگ گیا تھا۔ تم سے، نیل کنٹھ سے بھی زیادہ۔ وہ چپ رہتا تھا مگر بات پتے درجے کی بولتا تھا ـــــ میں اسے بیٹے کی طرح چاہتا تھا۔ ہاں نریندر۔ شاید

تم اسے مت مانو۔ مگر یہی صحیح ہے۔ میں اسے پریم سے ادھک اور وشواس سے کم چاہتا تھا۔ اس لئے کہ یدی کسی سے پریم کرو تو بڑھتا جاتا ہے۔ ادھک وشواس کرو تو وشواس ایک موڑ پر آکر گھسی ہوئی رسّی کی طرح کمزور اور ٹوٹنے لگتا ہے ـــــ وہ بھی گھسنے اور ٹوٹنے لگا تھا ـــــ"

نلکانی کے آنسو اب کپول (گال) پر بھی تیرنے لگے تھے۔ نلکانی نے کھردرے ہاتھوں سے آنسو صاف کئے۔ پھر بولا ـــــ

"وہ بیٹے سے بڑھ کر تھا ہمارے لیے۔ پرنتو۔ ہمیں کھید تو اسی بات کا ہے کہ وہ ایک بھینکر قسم کی دویدھا میں پھنس گیا تھا ـــــ اور ہمیں دھرم کے لئے اسی کا بلیدان لینا پڑا ـــــ تم کیا سمجھتے ہو۔ کیا اس کے بلیدان سے ہمیں پرسنتا ہوئی ہے۔؟"

ٹھیک اسی سمے دندناتے ہوئے سدھیندر رائے پہنچے ـــــ "کیا خبر ہے؟"

نلکانی جیسے اُسی کا انتظار کر رہے تھے ـــــ

"منّا نے اسپتال پہنچتے پہنچتے دم توڑ دیا ـــــ اور"

"اور کیا ـــــ؟"

ہمارے کاریہ کرتاؤں نے غصے میں کھیم پور اور اکبر پورہ میں کئی دکانیں جلا کر راکھ کر دیں ـــــ

باہر گاڑی رکی تھی۔ ڈاکٹر نویندو دھیرے دھیرے پنی تلی چال سے اندر آئے ـــــ

"ہاتھ ملاؤ نلکانی ـــــ"

انھوں نے اپنا ہاتھ جوش میں آگے بڑھایا ـــــ

"فساد بڑھ رہا ہے ـــــ اب یہ فساد جلد نہیں رُکے گا ـــــ"

نلکانی کسی سوچ میں ڈوبے رہے ـــــ انھوں نے ڈاکٹر نویندو کی طرف ہاتھ بڑھایا ـــــ گہری سوچ میں ڈوبے، صرف ان کے ہونٹوں سے اتنا نکلا۔

"کیول دھرم کا کام ـــــ ورنہ یدھ کسے پسند ہے؟ کیول ایک لمبے انتزال سے چلی آ رہی داستا . کی سماپتی کے لیے ـــــ کبھی کبھی دھرم چھیتر اور کرم چھیتر کی آو شکتا پڑتی ہے ـــــ نیل کنٹھ، کورو اور پانڈو کا یدھ کیا تھا؟ بھائیوں کا یدھ تھا کیا؟ نہیں نا۔ ستیہ، استیہ، جھوٹ وشواس، گیان اگیان اُجالے اور اندھکار کا یدھ تھا ـــــ لیکن بھائیوں سے ہی یدھ چھیڑتے سمئے ارجن کے من میں جو شنکا ئیں (ڈر) اور موہ گھس گیا تھا، وہی میرے من میں بھی ہے۔ پر نتو کیا کیا جا سکتا ہے۔"

ابھی کرنا یہ ہے، ڈاکٹر نوین دو مسکرائے۔ ہمیں اپنے گھر میں جا کر چین کی بنسی بجانی ہے۔ میری گاڑی باہر ہے۔ جو چلنا چاہیں انہیں چھوڑ آتا ہوں۔

چلئے ـــــ

نلکانی بوجھل ہو کر بولے ـــــ

جب وہ لوگ باہر آئے، شہر کی سڑکیں سناٹے میں ڈوب چکی تھیں ـــــ اور پولس گاڑیوں کے سائرن چاروں طرف چیختے چل رہے تھے ـــــ

● ●

چودھری برکت حسین کے لئے اس صدمے کی نوعیت عجیب تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے منّا کی موت کا ماتم کریں یا خوشی منائیں کہ چلو ایک بلا ٹلی۔ جو افواہیں گشت کرتی ہوئی ان تک پہنچ رہی تھیں، ان کے حساب سے منّا کسی مجرم سے کم نہیں تھا۔ ایک ایسا مجرم، جس کے مر جانے میں ہی بھلائی تھی۔ مگر باپ کا دل، ناتواں کندھے ـــــ ناتواں کندھوں پر اپنے جوان بچے کی لاش ـــــ شمیم اور جمیلہ پر یہ خبر دکھ کے پہاڑ کی طرح ٹوٹی تھی۔ شمیم پر تو غشی طاری تھی۔ اس کے مائیکے کے لوگ بھی آ گئے تھے ـــــ

برکت حسین کا دل بیٹھ گیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ـــــ پولیس کسٹڈی سے ہو کر لاش جب گھر لائی گئی تو منظر ہی دوسرا تھا ـــــ زیادہ تر بھا چچا کے کاریہ کرتا تھے۔ جو انہیں سانتونا اور تسلی تو دے رہے تھے مگر اندر تک غم میں ڈوبے برکت حسین سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ وہ ان تسلیوں کا جواب کس طرح سے دیں ـــــ ان لوگوں نے یہ یقین

دلانے کی کوشش کی تھی کہ منّا کے قتل کے پیچھے کسی پاکھنڈی ملّا کا ہاتھ ہے اور وہ ضرور پکڑا جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ منّا کا بدلہ لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

بہت دیر سے چپ برکت حسین کی آواز بھرّا گئی۔

"لوگو! اب مجھ سے کیا چاہتے ہو ـــــ مجھے جو کھونا تھا وہ تو میں نے کھو دیا ـــــ اپنا یقین، اپنی وفاداری اور اپنا بیٹا .... یہ محلّے والے بھی مجھے ہی گناہ گار سمجھتے ہیں .... دیکھو، کوئی نہیں آیا .... کوئی نہیں آیا ـــــ"

وہ زار و قطار رو رہے تھے .... ماحول میں سناٹا پسرا تھا۔ یہاں کوئی بھی نہیں تھا جو ان کے آنسوؤں کو پونچھ سکتا ـــــ

● ●

نریندر نیل کنٹھ کو کنارے لے جا کر بولا۔

"یہ کیسی پریچھا ہے دوست؟"

نیل کنٹھ نے نظریں نیچی کر لیں ـــــ

نریندر نے اپنا پرشن دوبارہ دہرایا ....

"یہ کیسی راجنیتی ہے ـــــ؟"

نیل کنٹھ نے دھیرے سے آنکھیں اٹھائیں ـــــ

نریندر نے پھر پوچھا۔ ستیہ مارگ کیا ہے؟

دھرم کیا ہے؟

کرم کیا ہے؟

نیل کنٹھ نے سگریٹ سلگا لیا ـــــ شاسک کو یہ شوبھا نہیں دیتا کہ وہ اس طرح کا کوئی پرشن پوچھے۔ راجیہ نرمان کے لئے جو اچت ہے، وہ اسے کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کے لئے مارگ کی بادھاؤں کو ہٹانا ہوتا ہے ـــــ

نریندر نے چونک کر نیل کنٹھ کی طرف دیکھا ـــــ آج تم نلکانی کی بھاشا میں بات کر رہے ہو ـــــ شاید یہ اس سمئے کا ستیہ ہے اور تمہارے لئے اُچت۔ راجہ اپنے

اپنے راج کو بچانے کے لیے یدھ چھیڑتا ہے اور یدھ میں مارا کون جاتا ہے۔ راجہ کی جنتا، راجہ کے سپاہی، راج کے سپاہ سالار ______ ایک بات یاد رکھو، ہم راجہ نہیں ہیں ______ سپاہ سالار بھی نہیں۔ ہم جنتا ہیں اگلوا مورچہ پر شہید ہونے والے سپاہی۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

نیل کنٹھ نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ تمہارے بھیتر یہ ڈر بلا کیسے آگئی؟

"پتہ نہیں ______ شاید اس لیے ______ میری بھی پتنی ہے، بچے ہیں، پریوار ہے۔"

اندر سے شمو کے چیخ چیخ کر رونے کی آواز آرہی تھی .... نریندر کی آواز تھرا گئی۔

نیل کنٹھ نے شنکا دشک سے پوچھا ______

"تم لوٹنا چاہتے ہو کیا ______"

"نہیں مجھے۔ بس ڈر لگ رہا ہے ______"

نیل کنٹھ پھر کچھ نہیں بولا۔ چپ ہو گیا ______

(۳)

کہانی ختم ہوگئی، اب تھوڑے سے بہت واقعات بچے ہیں، جنہیں آپ تک پہنچانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں ______ منا کو جس آدمی نے مارا، کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس آدمی کے بارے میں بھی آپ کو جانکاری دی جائے۔ مگر جناب وہ آدمی ہے ہی ایسا، کہ میرا دل چاہ رہا ہے، مختصر میں اس کے بارے میں بھی بتاتا چلوں۔

اس کا نام کیا ہے۔ اس کو بھی نہیں پتہ ______ لیکن وہ جھمولا مداری کے نام سے کبھی جانا جاتا تھا ______ جھمولا مداری ______ کہاں پیدا ہوا، ملک کون ہے؟ وطن کون سا ہے۔ وہ ان سب سے انجانا ہے۔ پیدا ہوا تو ایک مداری دکھانے والے کے ساتھ تھا۔ مداری کہتا۔ بول جمورے۔ تیرا دھرم کیا ہے۔

وہ کہتا پیسہ دھرم ہے ______

وہ پوچھتا۔ تیرا کرم کیا ہے ______

جھمولا بولتا۔ سرکار مائی باپ پیسہ ہی کرم ہے ______

تماشہ دکھاتے دکھاتے وہ سرکس میں بھرتی ہوا۔ پھر وہاں سے نکل کر ہاتھ کی صفائی دکھاتا رہا ______ وقت کے ساتھ مداری اور جموروں کے تماشے میں لوگوں کی دلچسپیاں ختم ہوگئی تھیں ______ پھر جھمولا نے پیسوں کے لیے افیم اور چرس بیچنا شروع کر دیا۔ منا کی ہتیا کی بات آئی تو جھمولا اچھے پیسوں کے عوض فوراً ہی رام ہوگیا۔ سر پر ٹوپی چڑھا کر اور لنگی پہن کر وہ سچ مچ ملا بن گیا ______ ملا پکڑا بھی گیا اور چھوٹ بھی گیا۔ اب کیسے چھوٹ گیا، اسے تو جانے ہی دیجئے۔ جیسے بڑے بڑے ہتیارے اور اپرادھی چھوٹ جاتے ہیں ______ اور آرام سے سینہ تانے معزز شہریوں کی طرح کار، ایرکنڈیشنڈ گاڑیوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ ملا جھمولا بھی چھوٹ گیا اور پھر سے اپنے دھندے میں لگ گیا۔

●●

منا کی موت کے بعد شہر کی فضا کچھ زیادہ ہی خراب ہوگئی ______ بھرے ہوئے لوگوں پر قابو پانا اس بار پولس کے لیے آسان ثابت نہیں ہوا۔ اور جیسا، اس طرح کے دنگوں کے بارے میں، افواہ کے بطور کہا جاتا ہے کہ ان میں پولیس کی بھومیکا بھی رہتی ہے۔ کئی دکانیں نذر آتش کر دی گئیں ______ مکانوں میں آگ لگا دی گئی ______ سڑک پر سے کھینچ کھینچ کر لوگوں کو مارا گیا ______ پورے چار دن تک آگ اور خون کی بارش اس شہر میں ہوتی رہی ______ گو بالمکند شرما جوش کا مکان ان خطروں سے باہر تھا ______ مگر دہشت تھی، یا کیا تھا، ایک صبح وہ اپنے بستر پر مردہ پائے گئے ______

مردہ پائے جانے والی صبح سے پہلے کی کہانی لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ رات اپنے دامن میں ایک قیامت خیز سناٹا لے کر آئی تھی۔ منا کے موت کی خبر سننے کے بعد وہ جیسے ادھ مرے ہو گئے تھے۔ خبر لانے والے کو بری طرح سے ڈانٹ دیا۔ مر گیا یا قتل کر دیا گیا تو میں کیا کروں۔ یہاں زندہ کون ہے ______ پھر بستر

پراگرٹوں ، بیٹھ گئے ــــ چپ ــــ بچوں نے کھانے کے لیے پوچھا تو سیدھے انکار کردیا ــــ اور کھانا لے کر آئی تو پلیٹ پھینک دیا۔ کسی سے بات چیت نہیں ــــ مرنے کے روز تک وہ گم سم رہے۔ ہاں انھیں دیکھ کر ایسا لگتا تھا، جیسے ان کے اندر کوئی زبردست ذہنی کشمکش چل رہی ہو ــــ نریندر اور انیل باؤجی کے پاس آکر اُداس سے بیٹھ جاتے مگر وہ نظر تک اٹھا کر ان کی طرف نہ دیکھتے۔ کھانے کے نام پر ان کے تیور بدل جاتے اور شہر میں پھیلا ہوا لہو جیسے ان کی آنکھوں میں سمٹ آتا ــــ

جس رات وہ مردہ پائے گئے، اس رات ــــ

شہر میں فساد تھما نہیں تھا۔

بالمکند بستر سے اٹھ کر چپ چاپ بالکنی پر آ گئے ــــ دکانیں بند ــــ سڑک پر لوٹتا ہوا سناٹا۔ اور آس پاس سے اٹھتا ہوا دھواں۔ اندھیرے کمرے میں دور تک دھوئیں کی چادر بچھی ہوئی تھی ــــ چیخنے اور چلانے کی آوازیں آرہی تھیں ــــ

اس رات پڑوس میں جم کر دو فرقوں کے درمیان تصادم ہوا ــــ دکانیں لوٹی اور جلائی گئیں ــــ بالمکند گھبرا گھبرا کر بالکنی پر بھاگتے۔ پھر کمرے میں آجاتے ــــ

رات کے بارہ بجے ہوں گے کہ وہ تیز تیز آواز میں چیخے ....

"ارے کوئی ہے .... کوئی ہے"

نریندر بھاگا بھاگا آیا تو ان کی آنکھوں سے چنگاریاں ابل رہی تھیں۔

"میرا قلم کس نے چرا لیا؟"

"قلم کون چرائے گا باؤجی۔ آپ نے ہی کہیں ادھر ادھر رکھ دیا ہوگا"

وہ بپھر گئے۔ کون چرا لے گا۔ تم لوگ چراؤ گے میاں۔ اور کون چرائے گا۔ لاؤ مجھے کچھ لکھنا ہے ــــ

نریندر نے دبی زبان میں کہنا چاہا۔ آپ بیمار ہیں۔ آپ کی صحت اچھی نہیں ہے باؤجی"

بالمکند غصے میں بگڑ گئے ــــ "صحت اچھی نہیں ہے۔ اس سے تمہیں مطلب میاں۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم لوگ کوئی سازش کر رہے ہو اس بڈھے کے لیے۔ لاؤ میرا قلم۔ مجھے کچھ لکھنا ہے ــــ"

"مگر کیا لکھنا ہے ــــ"

نریندر ملائمیت سے بولا مگر بالمکند فائر ہو گئے ــــ لکھنا ہے تم ہمارے بیٹے نہیں ہو ــــ عاق کرتا ہوں میں تم دونوں کو ــــ پوچھتے ہو کیا لکھنا ہے۔ ارے قلم لاؤ میاں ــــ مجھے بیان دینا ہے ــــ مجھے اپنا بیان لکھنا ہے ــــ

نریندر نے اس کے بعد کوئی سوال نہیں کیا۔ چپ چاپ نیچے گیا اور مالو کا قلم لا کر ان کے ہاتھوں میں تھما دیا ــــ بیچ بیچ میں وہ دبے پاؤں آکر باؤجی کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ کرسی پر بیٹھے، میز پر کاغذ قلم لیے کچھ لکھ رہے تھے ــــ بہت غصے اور تناؤ میں تھے۔ لکھتے تھے اور پھاڑ کر ڈسٹ بن میں پھینک دیتے تھے ــــ باہر دنگوں کا شور اب بھی صاف صاف سنائی دے رہا تھا اور ایک بوڑھا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا، پتہ نہیں کیسے بیان کو تحریری شکل دینے میں لگا تھا ــــ

دوسرے دن جب اما باؤجی کو جگانے آئی تو وہ مرے پڑے تھے۔ ڈسٹ بن میں کاغذات کے ڈھیر پڑے تھے ــــ انیل اور نریندر نے یہ سارے کاغذات چھان مارے۔ شاید مرنے سے پہلے بابوجی کو وصیت کرنے کا خیال آگیا ہو ــــ مگر انھیں اب کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ ہاں اردو کی ایک چھوٹی سی چٹ تھی، جسے انیل نے چپکے سے اپنی جیب میں ڈال لیا ــــ

● ●

اس کے بعد کی کہانی کچھ بھی نہیں ہے جناب، سوائے اس کے، کہ ہم پانچوں ان کی موت کے گواہ رہے ہیں .... ہم پانچوں جنہیں وہ پیار سے پانچ پاپی کہتے تھے ــــ اور میں انہی پانچ پاپیوں میں سے ایک ہوں، جس نے بالمکند شرما جوش کی یہ کہانی آپ تک پہنچانے کی ذمہ داری قبول کی ہے ــــ میں ان پانچ پاپیوں میں سے کون

ہوں، یہ زیادہ اہم نہیں ——— ہاں ضروری یہ ہے کہ جس دن وہ مرے، ہم نے ان کے جنازے میں شرکت کی اور جو کچھ دیکھا اسے پورا پورا آپ تک پہنچانا بھی اپنا فرض سمجھا ——— جس دن وہ مرے، ان کی انتیشٹھی ممکن نہ ہو سکی۔ شہر فساد اور کرفیو کی لپیٹ میں تھا ——— شرماجی کی لاش برف کی سلیوں پر رکھ دی گئی تھی۔ مرنے کے دوسرے دن کرفیو میں دو گھنٹے کی ڈھیل دی گئی ——— اور اسی دو گھنٹے میں ان کی انتیشٹھی کا فیصلہ لیا گیا ——— گو کرفیو والے دن بھی ان کا انتم سنسکار ممکن تھا مگر انیل اور نریندر کا کہنا تھا کہ وہ کچھ دور دراز کے رشتہ داروں کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں اور یہ دکھ بھری سوچنا ٹرنک کال کے ذریعہ ان تک پہنچا دی گئی ہے۔ انتیشٹھی دوسرے دن تھی ———

قصہ ختم

جوش صاحب کے مرنے کی خبر دھیرے دھیرے شہر میں پھیل چکی تھی۔ شہر کی حالت خراب ہونے کے باوجود ان کے یہاں آنے والوں کا ایک تانتا سا بندھ گیا تھا ——— ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں عرش پیامی، نذیر بنارسی اور دیگر ہم پیشہ قسم کے لوگ حاضر ہو چکے تھے۔ سب کے چہرے پر غم کی بدلی چھائی ہوئی تھی۔

برآمدے میں کرسیاں نکلی تھیں۔ اندر کمرے سے ٹھہر ٹھہر کر رونے اور سسکیوں کی آواز باہر آ جاتی ——— ہمیں ایسا پہلی بار لگ رہا تھا کہ جوش صاحب محض ہمارے لیے ایک دلچسپ کردار نہیں تھے۔ وہ کچھ اور بھی تھے۔ ہمیں پتہ نہیں کیوں، یہ بھی لگ رہا تھا کہ جوش صاحب کے مر جانے سے کچھ، پیدا ہوا ہے جسے ہم کبھی بھرا نہیں جانے والا خلا بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن کیسا خلاء اس کے بارے میں ابھی ہم صاف نہیں تھے ——— جوش صاحب اور ان کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ ان کے بڑے لڑکے انیل نے ہمیں کچھ اشارہ کیا ———

اس سے پہلے انیل نے ہمیں کبھی منہ تک نہیں لگایا تھا۔ ہم چونکے ضرور تاہم انتظار کرتے رہے کہ وہ کیا ہے ———

برا مت مانیے گا ———' انیل ہمیں کنارے لے جا کر بولا۔ آپ پتاجی کے ملنے والوں میں سے تھے۔ اس لیے پوچھ رہا ہوں ——— پتاجی کے بارے میں آپ لوگوں کی رائے کیا تھی؟'

"رائے؟"

ہم ایکدم سے بھونچک ہو گئے۔ یہ مرحوم شرماجی کے بارے میں تاثر لینے کا کون سا وقت ہے ———

حبیب کے چہرے پر ناراضگی پیدا ہوئی۔ وہ بولا اس کا مطلب ———'

دراصل وہ آخری وقت میں خبطی ہو گئے تھے۔ ہمیں تو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے تھے۔ مرنے سے، ایک ماہ پہلے سے وہ ایک بات بار بار کہتے تھے کہ ... وہ کوئی بیان دینا چاہتے ہیں ———'

انیل نے ہماری طرف دیکھا ——— ہمیں آشچریہ ہے ——— شاید آپ کو اس بارے میں کچھ پتہ ہو ———

ہاں ہمیں بلایا تو تھا ———' باقر مرزا کہتے کہتے رک گیا ———

حبیب تنویر نے کہنی ماری ——— لیکن وہ کچھ بتا سکنے کے قابل نہیں تھے .... ان کی طبیعت کچھ کچھ خراب سی تھی ——— پتہ نہیں۔ ہو سکتا ہے ہمیں بھی کچھ کہنے کے لیے ہی بلایا ہو مگر ———'

'ہم اور نریندر سمجھتے تھے کہ شاید گھر اور جائیداد کو لے کر وصیت کے بارے میں کچھ باتیں کریں گے۔ ہم خوش بھی ہوئے تھے ——— لیکن ہم نے وصیت کی بات چھیڑی تو ہمیں بری طرح جھڑک دیا۔ کمرے میں ٹہلتے رہے۔ یہ بھی ان کی پرتیکریا ——— بار بار ہم سے چیخ کر کہتے۔ بدتہذیبو! ناسپیٹو تم لوگوں نے جنازہ نکال دیا۔ میری نسل ختم کر دی۔ نریندر کی پتنی بولی کہ باؤجی

ایسا کیوں کہتے ہو۔ ہم بھی تو آپ ہی کے بچے ہیں تو بگڑ گئے۔ یہ ہمارے بچے ہیں کہاں یہ تو ـــــ اب بتائیے۔ بہوؤں کے سامنے ایسا بولنا کیا شوبھا دیتا ہے‘

انیل نے باری باری سے ہماری آنکھوں میں جھانکا۔ ’تو آپ کو وشواس ہے۔ انھوں نے بیان کے بارے میں آپ کو کچھ بھی نہیں بتایا۔‘

’نہیں ـــــ‘ ترقی پسند کے چہرے پر سلوٹیں پڑنے لگی تھیں۔

انیل نے کچھ سوچ کر گردن ہلائی ـــــ ہمارے باپ تھے وہ۔ باپ کے بارے میں کچھ غلط بات نہیں کہنی چاہئے ـــــ وہ بھی ایسے سمئے جبکہ ان کا انتم سنسکار بھی شیش ہے۔ لیکن سچ ہے۔ کبھی انھوں نے ہمیں سینے سے نہیں لگایا۔ ہم سے کبھی خوش نہیں دکھے ـــــ وہ گھر کو کتابوں اور شاعروں سے بھر دینا چاہتے تھے‘

اس نے زور دیا ـــــ جو ہم نہیں چاہتے تھے ـــــ وہ ایسا اور بھی بہت کچھ چاہتے تھے‘ اس نے زور دیا۔ جو ہم نہیں چاہتے تھے اور اسی لیے ہم سے ناخوش رہتے تھے ـــــ

جاتے جاتے وہ بولا ـــــ ہاں ایک بات بتانا بھول گیا۔ ان کی بیڈ سے ایک چٹ برآمد ہوئی ہے۔ جس پر اردو میں کچھ لکھا تھا ـــــ شاید بے خبری میں کچھ لکھ رہے ہوں گے۔ لیکن ـــــ اس نے جیبیں ٹٹولیں۔ یہاں نہیں ہے۔ شاید کہیں بھول گیا ہوں۔ رکھ کر ـــــ لیکن ہم آپ کو پڑھائیں گے۔ آپ بتائیے گا۔ کہ کیا ہے۔ پتا جی تو سنکی آدمی تھے۔ اور آخری وقت میں تو انھیں‘ اس کا چہرہ سخت ہو گیا تھا۔ دونوں بھنویں آپس میں مل گئی تھیں۔ آواز تھوڑی اونچی ہوئی۔ ڈاکٹر کا بھی یہی کہنا تھا۔ اور میرا بھی اب یہی ماننا ہے.... کہ وہ الزیمرس کے روگی ہو گئے تھے ـــــ‘

●●

انیل کے جانے کے بعد باقر نے معصومیت سے کہا۔ کیا بڑھؤ سچ مچ خبط گئے تھے؟

ترقی پسند نے کہا۔ ہمیں وہ چٹ دیکھنی چاہئے۔ آخر کیا لکھا ہے ـــــ

یہ طے ہوا کہ ابھی تو سب مصروف ہیں لیکن بعد میں انیل سے مل کر وہ چٹ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کے بعد ہم اندر کمرے میں آ گئے۔ برف کی سلیوں پر جوشؔ صاحب کا ٹھنڈا جسم پڑا تھا۔ ہمیں یہ سوچ کر دھکا لگا کہ موت کے بعد انسان کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ یہ وہی بڑھؤ ہیں، ہم جنہیں چھیڑتے تھے، مذاق اڑاتے تھے ـــــ لیکن زندگی کے بعد کا ایک سچ یہ بھی ہے ـــــ موت ـــــ سلیقہ، رکھ رکھاؤ، نفاست، سب کو تج کر ایک مردہ بے جان بدن کو برف کی سلیوں پر رکھ دیا گیا تھا ـــــ

اندر، پردے سے ٹھہر ٹھہر کر عورتوں کے رونے کی آواز گونج اٹھتی ـــــ

الزیمرس ـــــ

ہم ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے ہیں۔ تو کیا حقیقت یہ تھی کہ جوشؔ صاحب آخری وقت میں سب کچھ بھول چکے تھے ـــــ

’شاید ہمیں بھی ـــــ‘ احمد ربانی بولا ـــــ دیکھتے نہیں تھے، وہ ہمیں دیکھ کر کیسے کیسے کرنے لگتے تھے ـــــ

’نہیں۔ میں ماننے کو قطعی تیار نہیں ہوں، حبیب تنویر کو غصہ تھا۔

ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ ان کے لڑکے بھی یہی کہہ رہے ہیں ـــــ وہ باتھ روم کی جگہ لٹرین اور لٹرین کی جگہ ....‘

ہم دھیرے سے ہنسے پھر چپ ہو گئے۔ کچھ لوگ ہمیں گھور رہے تھے ـــــ

●●

اندر سے رونے کی آواز بدستور جاری تھی۔ کچھ لوگ دری اور چادریں بچھا رہے تھے۔

ہم نے دیکھا انیل ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کے ساتھ ہمیں کھوجتا ہوا ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ ہمارے پاس آ کر وہ ٹھٹھک گیا۔

ان سے ملئے ۔ یہ ہمارے دور کے رشتے کے چاچا ہیں ۔ ان سے پوچھئے ۔ یہ بھی یہی کہتے ہیں ــــــ کہ بابوجی مرنے سے پہلے ــــــ

'سیدھے کیوں نہیں کہتے ــــــ' موٹے آدمی نے ہماری عمر کا اندازہ لگاتے ہوئے سختی سے ہمیں گھورا ــــــ وہ بیان نہیں ، کچھ غلط بات کہنا چاہتے تھے ۔ دراصل ــــــ وہ اٹکتے ہوئے بولے ــــــ آخری وقت میں دماغ چل گیا تھا اور ایسے لوگوں کا دماغ تو چل ہی جاتا ہے ۔ یہ ہوتا ہے دھرم پر نہیں چلنے کا پھل ــــــ دھرم سے بغاوت کا نتیجہ ــــــ

اس کے موٹے گال کچھ اور پھول گئے ۔ اس نے ہمارے چہروں کو رکھائی سے دیکھا ۔ پھر کہا ــــــ اچھا ــــــ پھر ملتے ہیں ۔ پھر باتیں کریں گے ۔ ابھی آپ دیکھ رہے ہیں نا .... میں دمے کا روگی ہوں ۔'

ہم نے دیکھا واقعی وہ تیز تیز ہانپ رہا تھا ــــــ

●●

آنسو اور شور و غل کے بیچ ارتھی اٹھی ۔ اسی موٹے بوڑھے آدمی نے ہمیں اشارہ کیا ــــــ واپسی میں آپ لوگوں سے ملاقات رہے گی ۔ اس نے ہماری آنکھوں میں جھانکا ــــــ بڑھؤ نے جو مجھ سے کہا تھا وہ مجھے یاد ہے ۔ آپ کو بتاؤں گا ۔ ایک نامکمل آدمی کا بیان ــــــ ضروری ہے !'

اس نے دو تین بار 'ضروری ہے ، ضروری ہے' دہرایا ۔ پھر چپ ہو گیا ۔

'ستیہ بولو ستیہ ہے ۔ رام نام ستیہ ہے ، کے بیچ ہم چپ چاپ سر جھکائے چلتے رہے ــــــ راستے میں کئی بار لگا ، وہ ہمیں دیکھ کر ٹھٹھکا ہو ، کچھ بتاتے بتاتے رک گیا ہو ــــــ پھر چلنے لگا تھا ۔

●●

کبھی کبھی کچھ نہیں ہوتا ، لیکن احساس ہوتا ہے ، کوئی بہت بڑا واقعہ گھٹ چکا ہے ۔ بالمکند شرما جوش کے انتم سنسکار کے بعد ہم لوٹے تو محسوس ہوا ، کہ ایسا ہی کچھ ہو گیا ہے ۔

ماحول میں ایک عجیب سا خالی پن آیا ہوا محسوس ہوا ۔ موٹا آدمی دوبارہ ہمارا ہاتھ پکڑے گھر تک لے آیا تھا ــــــ رونے سسکنے کی آواز اب بند تھی ۔ ہاں ایک بوجھل پن سا تھا جو عموماً ایسے ماحول میں پیدا ہو جاتا ہے ۔ لیکن شاید یہ احساس ہمیں ہی تھا ــــــ دو ایک بار نریندر اپنی بیوی مالو کا ہاتھ پکڑے باہر آیا پھر لوٹ گیا ۔ ہمیں لگ رہا تھا جیسے سب بہت جلد اپنے معمول پر لوٹ آئے ہوں ــــــ جیسے بوڑھؤ کی موجودگی کی وجہ سے اس گھر کے معمول یا آزادی پر فرق پڑا تھا ۔ جیسے یہ کہ بوڑھے کی ناموجودگی نے سب کو ایکدم سے آزاد کر دیا ہو ــــــ

موٹے نے گلا کھکھارا ۔ اس پر اب بھی دمے کا اثر تھا ــــــ وہ ہانپ رہا تھا ۔ وہ ہانپتے ہوئے مسکرایا ــــــ ایک چیز ہوتی ۔ ہے کراس بریڈنگ ــــــ ہمارے شرما جی کا خیال تھا کہ ہمارے اس ساجھا کلچر کے کراس بریڈنگ سے بھارتیتا کا جنم ہوا تھا ۔ اور اب جبکہ ــــــ' اس نے زور دیا ــــــ جبکہ یہ کراس بریڈنگ بند ہو گئی ہے تب سے صرف سامپردایکتا ، فرقہ واریت ، جنم لے رہی ہے ۔''

وہ ہنسا ــــــ الزیمرس ۔ میں نہیں مانتا ۔ مجھے لگتا ہے ۔ وصیت سے بچنے کے لیے بڑھا ناٹک کھیل رہا تھا ۔ لیکن کیوں ۔ اس کا اتر ہے ۔ وہ اپنے لڑکوں کو پسند نہیں کرتا تھا ۔ اور انہیں اپنی زندگی کے بعد بھی لڑتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا ۔ ہاں ۔ اور کیا کارن ہو سکتا ہے ....'

'لیکن وہ بیان ؟' ہم نے یاد دلایا ــــــ

موٹے نے کچھ سوچتے ہوئے ہماری طرف دیکھا ــــــ بیان کیا ۔ بڈھا خبطی تھا ۔ مجھے یاد ہے ۔ انتم ملاقات سے پہلے بار بار زور دے کر یہی کہتا تھا ۔ اس کی مرتیو سادھارن گھٹنا نہیں ہے ۔ اور شریف آدمیو !'

'اس نے ہماری طرف دیکھا ۔ اور آپ سچ جان سکتے ہیں کہ ایک بے ضرر سا آدمی ، خبطی معمولی آدمی ، بے حد معمولی ، اس نے زور دیا ۔ اس کی مرتیو کس طرح ایک اسادھارن ، غیر معمولی ، گھٹنا ہو سکتی ہے ۔ بس یہی کہتا تھا وہ بار بار ،'

موٹا پھر زور زور سے ہانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ لال سرخ ہو گیا تھا ـــــــ آنکھیں چڑھ گئی تھیں۔ ہانپتے ہانپتے منہ سے تھوڑا سا پھین، باہر آ گیا۔ جیسے جیب سے رومال نکال کر اس نے فوراً صاف کر لیا۔ پھر ہماری طرف دیکھا اور ہنسا ـــــــ

اس کا بیان نامکمل رہا۔ افسوس۔ آپ کیا سوچتے ہیں۔ ایک نامکمل زندگی، ایک نامکمل آدمی .... ایک نامکمل بیان۔

اس پر پھر ہنسی، کا دورہ پڑ گیا تھا۔

● ●

کرفیو کے ختم ہونے کے بعد، ہم پانچوں دوبارہ مرحوم بالکند شرما جوش کے گھر گئے   وہ چٹ اب تک ہمارے خیال میں بسی ہوئی تھی ـــــــ اور چٹ کو لے کر ایک عجب سا تجسس بھی ہمارے اندر تھا کہ آخری وقت میں بزرگ کے ذہن میں پتہ نہیں وہ کون سی بات آئی ہوگی، جسے لکھنا انھوں نے مناسب سمجھا ہوگا۔

ہم اپنی پرانی بیٹھک میں تھے ـــــــ اور آنکھیں اٹھا اٹھا کر اس بدلے ہوئے کمرے کو دیکھ رہے تھے ـــــــ نہ کتابیں۔ نہ جوش صاحب کی پرانی میز اور کرسی کمرے کی چونا گردائی ہوئی تھی۔ اور کمرہ جوش صاحب کی یادوں سے کٹا کٹا معلوم ہو رہا تھا۔

'معاف کیجیے گا۔ دیر ہو گئی ـــــــ

انیل کمرے میں آیا تو ہم نے جوش صاحب کی کتابوں اور مینو اسکرپٹ وغیرہ کے بارے میں پوچھا ـــــــ انیل نے حیرت سے ہمیں دیکھا ـــــــ وہ تو کل ہی کباڑی کے ہاتھوں بکوا دیں۔ آپ کی ضرورت کی تھیں تو آپ لے جاتے ـــــــ باؤجی تو ہے نہیں۔ اردو پڑھنا لکھنا ہم جانتے نہیں ـــــــ آپ تو جانتے ہی ہیں ـــــــ

ہمارے دل پر کیا گزری، ہم جانتے ہیں، لیکن ہم نے اس کا اظہار مناسب نہیں جانا ـــــــ

'اور وہ چٹ .... ؟'

'دیکھیے نا، وہ چٹ بھی کہیں گم ہو گئی۔ ویسے اب اس کی ضرورت بھی کیا ہے؟

کچھ لکھا ہوگا ـــــــ خبطی آدمی تھے۔ ہو سکتا ہے، وہ ہنسا۔ آخری وقت میں شیر (شعر) لکھ رہے ہوں ....'

لوٹتے وقت ہم نے اُداس آنکھوں سے جوش صاحب کے مکان کو دیکھا ـــــــ اُس وقت پتہ نہیں کیا بات تھی، خود بہ خود ہم اتنے جذباتی ہو گئے کہ ہماری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور جیسے ہم اپنی محبوباؤں کے ذکر پر، اپنی خیالی محبوباؤں کے ذکر پر، اپنی نظریں ایک دوسرے سے چرائے آنکھوں آنکھوں میں آنسو خشک کر رہے تھے، جو جذبات کی رو میں بہنے اور پھسلنے پر آمادہ ہو گئے تھے ـــــــ

ہم وہاں سے لوٹ پڑے۔ لیکن ہمارے قدم اتنے بوجھل تھے جتنی نوکری نہ ملنے پر نا امیدی کی حالت میں ہوتے تھے، یا اُس سے بھی زیادہ بوجھل ـــــــ ہم ٹھیک بتا نہیں سکتے ـــــــ

○○

لکھو!
اور
اپنے علم کو اپنے دوستوں کے درمیان پھیلاؤ
اور
جب وقتِ مرگ آئے تو اپنے
بچّوں کو
بطورِ میراث سپرد کرو
کیونکہ
جب فتنہ و آشوب کا زمانہ آتا ہے
تو بجز کتاب
کوئی اور مونس و دمساز نہیں ہوتا۔

—— امام جعفر صادقؒ

مشرف عالم ذوقی موضوعاتی کہانیاں لکھنے میں ماہر ہیں۔ وہ کہانیوں کو زمینی سطح سے اُٹھاتے ہیں اور انھیں آفاقی بنانے کا ہُنر بخوبی جانتے ہیں۔ زمین اور اس سے جُڑے مسائل پر جتنی کہانیاں ذوقی نے قلم بند کی ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اُن کا منفرد اسلوب عام ڈگر سے مختلف لب و لہجہ، کہانیوں پر اُن کی چابکدستی —— سچ تو یہ ہے کہ اس دَور میں جتنی بڑی کہانیاں ذوقی کے قلم سے نکلی ہیں، دوسرے قلم کاروں کے یہاں اس کا فقدان ہے۔

"مشرف عالم ذوقی کے یہاں ہم عصر زندگی کے تجربات کا وسیع ذخیرہ ہے۔ اُن کا اضطراب، اُن کا تخیّل حقیقتوں کی قید میں اُتر جاتا ہے۔ ترقی پسند فکر کی روایت کو آپ نے نہ صرف تازہ دَم رکھا ہے، بلکہ اُسے نئے امکانات سے بھی آشنا کیا ہے۔"

ڈاکٹر قمر رئیس

"ذوقی بڑے اہم موضوعات پر بڑے پتے کی کہانیاں لکھ رہے ہیں۔ اُردو میں ایسا کوئی بھی نہیں ہے۔"

ڈاکٹر محمد حسن

"ذوقی کی کہانیوں کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں مکمل طور پر پڑھنے کی ضرورت ہے۔ ان میں ہمارے عہد کا وہ زندہ استعارہ موجود ہے، جو آنے والی صدیوں کے لئے ایک مثال ثابت ہوگا۔ دوستوفسکی اور ٹالسٹائی کی طرح اِن کی کہانیوں میں ایک جہان آباد ہے، ایک ہندوستان آباد ہے، جس پر غور و فکر کی ضرورت ہے —— ذوقی کی تحریروں میں تہہ در تہہ معنویت ہے اور اس میں شک نہیں کہ آنے والی نسل اپنا ذوقی خود دریافت کرے گی۔"

انیس امروہوی (ناشر)

تخلیق کار پبلیشرز، ۱۶۷۹، کوچہ دکھنی رائے، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲